حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
ملفوظات
حکیم الامت
ادارہ تالیفات اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

بسلسلہ

ملفوظاتِ حکیم الامت

جلد 10

الافاضات الیومیہ
من
الافادات القومیہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مجالس اور اسفار، نشست و برخاست میں بیان فرمودہ انبیاء کرام علیہم السلام، اولیاء عظام رحمہم اللہ کے تذکروں، عاشقانِ الٰہی ذوالاحترام کی حکایات و روایات، دین برحق مذہب اسلام کے احکام و مسائل جن کا ہر فقرہ حقائق و معانی کے عطر سے معطر، ہر لفظ صبغۃ اللہ سے رنگا ہوا، ہر کلمہ شرابِ عشق حقیقی میں ڈوبا ہوا، ہر جملہ اصلاح نفس و اخلاق، نکات تصوف اور مختلف علمی و عملی، عقلی، نقلی، معلومات و تجربات کے بیش بہا خزائن کا دفینہ ہے۔
جن کا مطالعہ آپ کی پُر بہار مجلس کا نقشہ آج بھی پیش کر دیتا ہے۔

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان 4540513 4519240 061
Email:taleefat@mul.wol.net.pk Ishaq90@hotmail.com

فہرست مضامین

مضمون | صفحہ

ملفوظات حکیم الامت

(ملفوظ ۱) احسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا نیک عمل ہے

ایک صاحب کا جو حاضر مجلس تھے ایک راوی نے یہ واقعہ بیان کیا کہ کوئی شخص ان کو دھوکہ دے کر اور ان کو یہ باور کرا کے کہ وہ ایک بڑے حاکم کے بیٹے ہیں اور ان کے ایک بہت ہی قریب عزیز کے دوست ہیں اپنی ایک غیر واقعی حاجت کا اظہار کر کے بیس روپیہ لے گیا۔ حضرت اقدس نے ان صاحب کی تسلی کے لئے فرمایا کہ کسی کے ساتھ احسان کرنا چاہے دھوکہ ہی سے ہو خداوند تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک بڑا مقبول عمل ہے وہ بیس روپیہ اس طرح نہ جاتے تو ویسے بھی خرچ ہو جاتے اور ختم ہو جاتے اب ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ختم نہ ہوں گے۔ فرض کیجئے کسی نے ہمارا روپیہ چرا کر ہماری طرف سے بلا ہماری اطلاع کے بنک میں جمع کر دیا اور اس پر سال گذرا تو پانچ سو روپیہ ہمارے پاس اس اطلاع کے ساتھ پہنچ گئے کہ یہ روپیہ تمہاری طرف سے یہاں جمع ہے تو کیا ہم ان چوروں سے خفا ہوں گے یا دعائیں دیں گے۔ تو حضرت وہاں آخرت میں قدر ہو گی ان چوروں کی۔ حدیث شریف میں آیا ہے غالباً مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے چاہا کہ میں کچھ خیرات اس طرح نکالوں کہ کسی پر ظاہر نہ ہو تا کہ اظہار سے اخلاص میں کمی واقع نہ ہو۔ چنانچہ ایک شخص کو رات کو اندھیرے میں دیکھا تو قرائن سے یہ معلوم ہوا کہ وہ مسکین ہے۔ ایک بڑی رقم خیرات کے لئے نکالی تھی وہ اس کو چپکے سے دیدی اتفاق سے وہ شخص ایک مشہور چور تھا۔ چونکہ بڑی رقم تھی بڑی شہرت ہوئی کہ میاں فلانے چور کو کوئی نا معلوم شخص اتنی بڑی رقم دے گیا۔ جب اس نے یہ حال سنا تو بڑا افسوس کیا کہ یا اللہ یہ روپیہ تو میرا گیا گذرا ہوا کیونکہ غلطی سے چور کو دیدیا میں اب اور خیرات کروں گا۔ چنانچہ دوسری بار پھر اسی طرح دھوکہ میں ایک زانیہ کو بڑی رقم

دیدی پھر شہرت ہوئی کہ فلاں زانیہ کو اتنی بڑی رقم کوئی دے گیا۔ اس نے پھر کہا کہ یا اللہ یہ روپیہ بھی میرا ضائع ہو گیا تیسری بار مجھ کو یاد نہیں رہا کہ کس کو دیا یا دوبار ہی ایسا ہوا میں بھول گیا۔ بہر حال جب دوبار یا تین بار ایسا ہو چکا اور وہ بہت پریشان ہوا تو پھر اس کی تسلی کے لئے خواب میں ایک فرشتہ آیا اور کہا کہ تم افسوس نہ کرو خوش رہو۔ شاید تمہاری اس رقم کی برکت سے جو تم نے نہایت اخلاص کے ساتھ خیرات کی نیت سے دی تھی چور اپنی چوری سے اور زانیہ اپنی زنا سے توبہ کر لی کیونکہ حاجت ہی کی وجہ سے تو چور چوری کرتا تھا اور زانیہ زنا کراتی تھی اور جب انہیں اتنی اتنی بڑی رقمیں مل گئیں تو اب انہیں حاجت ہی کیا رہی حرام مال حاصل کرنے کی شاید وہ اب اپنے افعال شنیعہ سے توبہ کر لیں۔ تم افسوس نہ کرو تمہارا روپیہ ضائع نہیں گیا اسی واسطے تو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے فرمایا ہے ؎

خورش دہ بہ کنجشک وکبک وحمام　　　　که شاید ہمائے درافتد بدام
چوہر گوشہ تیر نیاز افگنی　　　　بناگاہ بینی کہ صیدے کنی

اگر وہ دھوکہ دیتا ہے تو وہ گنہگار ہو گا۔ ہمیں تو بہر حال اس نے ثواب ہی میں داخل کر دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر بہت بڑے درجہ کے صحابی تھے۔ ان کے غلاموں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ انہیں نمازی سے بڑی محبت ہے۔ ان کے غلام جہاں ان کے دیکھنے کا موقع ہوتا بہت خشوع اور خضوع سے نماز پڑھتے اور وہ خوش ہو کر انہیں آزاد کر دیتے۔ ہم جیسوں کو تو اس سے یہ شبہ پیدا ہوتا کہ بہت بھولے تھے جو اس طرح دھوکہ میں آجاتے تھے لیکن وہ خود سمجھ کر دھوکہ میں آتے تھے چنانچہ کسی نے ان سے کہا کہ یہ لوگ محض اس واسطے آپ کے سامنے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں کہ آپ دھوکہ میں آکر ان کو آزاد کر دیں۔ آپ کیوں ان کے دھوکہ میں آتے ہیں۔ فرمایا جو اللہ کے واسطے ہمیں دھوکہ دے گا ہم ضرور اس کے دھوکہ میں آجاویں گے۔ مطلب یہ کہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیں دھوکہ دیتے ہیں لیکن ان کے دھوکہ دینے سے ہمارا تو

فائدہ ہے کہ آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اس لئے ہم جان بوجھ کر ان کے دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ غرض دوسروں کے کہنے سے بھی انہوں نے اپنے اس معمول کو چھوڑا نہیں باقی ذہین تو وہ بھی اسی درجہ کے تھے جیسے ان کے باپ تھے جن کا ایک واقعہ یاد آیا۔ کہ ہرقل نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپ کے ایک سفیر سے پوچھا کہ اپنے امیر کا کچھ حال بیان کرو کہ وہ کیسے ہیں۔ سفیر نے کیسی جامع مانع تعریف کی کہا لایخدع ولا یخدع نہ وہ کسی کو دھوکہ دیتے ہیں نہ کسی کے دھوکہ میں آتے ہیں۔ ہرقل کو اس کی بڑی قدر ہوئی۔ ارکان دولت سے کہا کہ تم نے سنا۔ دھوکہ نہ دینا دلیل ہے دین کی اور دھوکہ میں نہ آنا دلیل ہے عقل کی لہذا یہ شخص دین اور عقل دونوں کا جامع ہے۔ اور جس میں یہ دو دو لتیں ہوں اس کا کوئی دنیا میں مقابلہ نہیں کر سکتا اور کوئی اس پر غالب نہیں آسکتا غرض حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دھوکہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ قصداً دھوکہ قبول کر لیتے تھے۔ تو احسان جس کے ساتھ بھی ہو اچھا ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب جہاں کوئی سائل آتا بڑی بشاشت سے اس کی خدمت کرتے اور اس کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے تھے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ ایک دفعہ حضرت کچھ تقریر فرما رہے تھے۔ شاید مثنوی کا سبق ہو رہا تھا مجلس بہت گرم تھی اتنے میں ایک سائل نے آکر بیچ میں اپنی حاجت پیش کر دی اور حضرت فوراً تقریر ختم کر کے بڑی بشاشت سے اس کی کچھ خدمت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ جب وہ چلا گیا تو لوگوں نے کہا کہ یہ کہاں بیچ میں آکر حارج ہو گیا کیسی اچھی تقریر ہو رہی تھی۔ فرمایا خبردار سائل سے تنگ نہیں ہوا کرتے۔ یہ سائلین ہمارے محسن ہیں۔ ہمارا ذخیرہ آخرت میں بلا عوض پہنچا دیتے ہیں۔ اگر سفر میں کوئی قلی تمہارا اسباب اٹھا کر ریل میں رکھ آئے اور تم سے کچھ مزدوری بھی نہ مانگے تو اس سے خوش ہونا چاہئے اور اس کا ممنون ہونا چاہئے نہ کہ اور اس سے الٹے ناخوش ہو۔ اگر سارے مساکین متفق ہو کر خیرات لینا چھوڑ دیں تو پھر کوئی اور سہل ذریعہ ہی نہیں جو آخرت میں آپ کے اموال پہنچ سکیں یہ سائل لوگ اٹھا اٹھا کر وہاں

پہنچا دیتے ہیں اور اس پہنچانے کا کچھ نہیں لیتے۔ ان کا احسان ماننا چاہئے۔ تنگ نہیں ہونا چاہئے اور پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ ان حضرات کی آنکھوں کے سامنے ساری چیزیں کھلی ہوئی تھیں۔

(ملفوظ ۲) پابندی اصول بڑی چیز ہے

ایک طالب نے ملاقات چاہی تو بنا بر بعض اصول انکار فرما دیا پھر فرمایا کہ اصل میں لوگوں کو جاڑا چڑھتا ہے اصول سے میں ہر کام اصول سے چاہتا ہوں۔ مجھے ملنے سے احتراز نہیں۔ یہ تو اپنے محبّ ہیں مخلص ہیں محسن ہیں عنایت فرما ہیں۔ مجھے تو دشمنوں سے بھی احتراز نہیں مگر یوں چاہتا ہوں کہ ہر چیز اصول سے ہو۔

(ملفوظ ۳) عاملین کی تراکیب تجربات کی بناء پر ہیں

عاملین کے یہاں جو خاص ترکیبیں عملیات کرنے کی ہیں ان کا تذکرہ تھا اس کے متعلق استفسار پر فرمایا کہ یہ سب الہامی نہیں ہیں زیادہ تر کچھ قیاسات ہیں کچھ مناسبات ہیں کچھ تجربے ہیں۔ مثلاً بچہ صحیح سالم پیدا ہونے کے لئے ایک مشہور عمل سورۂ والشمس کا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے قول الجمیل میں نقل فرمایا ہے یہ بہت مفید عمل ہے جیسا کہ بارہا تجربہ کیا جا چکا ہے لیکن یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ سورۂ والشمس کو بچہ کے صحیح سالم پیدا ہونے سے کیا مناسبت۔ مدت کے بعد سمجھ میں آیا کہ اس سورۃ میں جو یہ آیت ہے ونفس وما سواہا کہ قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اس کو ٹھیک بنایا۔ بس اتنے جزو سے مناسبت ہے۔ اور ایسی ایسی مناسبتیں تو ہر آدمی بہت سی تجویز کر سکتا ہے۔ چنانچہ میں بھی خود بہت سی چیزیں اسی قسم کی مناسبتوں کی بناء پر تجویز کر لیتا ہوں اور بہت دفعہ اثر بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک بی بی جن کا شرعاً مجھ سے پردہ نہیں مانگ نکال رہی تھیں اور باوجود کوشش کے سیدھی نہ نکلتی تھی۔ میں

نے محض مناسبت سے انہیں یہ بتلایا کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پڑھ کر مانگ نکالو۔ چنانچہ اول ہی بار میں سیدھی مانگ نکل آئی میں نے اور عملیات میں بھی اپنی طرف سے ایسی ہی مناسبات کی بناء پر کچھ نہ کچھ تصرف کر رکھا ہے، مثلاً سہولت ولادت کے لئے ان آیتوں کا تعویذ مشہور ہے اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ وَاَلْقَتْ مَافِيْهَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ میں نے اس میں اتنا اور بڑھا دیا ہے خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ کیونکہ یہ آیت تو خاص اسی باب میں ہے اور وہ پہلی آیتیں اس باب میں نہیں ان میں تو زمین آسمان کا ذکر ہے صرف وَاَلْقَتْ مَافِيْهَا وَتَخَلَّتْ کی مناسبت سے یہ تعویذ لکھا جاتا ہے جو زمین کے متعلق ہے جنین کے متعلق نہیں اور ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ خاص جنین ہی کے متعلق ہے۔

(ملفوظ ۴) شہرت کے متعلق مذاق

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ امت کی خدمت اور ان کے دین کی حفاظت کرنا چاہئے اپنی شہرت میں کیا رکھا ہے شہرت کے متعلق تو بس یہ مذاق چاہئے کہ نہ زندگی میں کسی کو خبر ہو کہ فلاں شخص بھی دنیا میں ہے یا فلاں شخص نے یہ کام کیا ہے نہ مرنے کے بعد کسی کی زبان پر نام تک آئے کہ کون تھا اور کون مر گیا کیا کام کر گیا اور امت کی حفاظت وہ چیز ہے کہ اس کے لئے اپنے عزیزوں کی بھی پروا نہ چاہئے چاہے کوئی کتنا ہی محبوب ہو وہ اگر ہمارا محبوب ہے تو دین اس سے زیادہ محبوب ہے تو بڑے محبوب کا لحاظ چاہئے یا چھوٹے محبوب کا میں نے اپنے ابتدائی استاد مولانا فتح محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ ایک بار جبکہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں بمقام مکہ معظمہ حاضر تھے حضرت حاجی صاحب کے پاس مولود شریف کا بلاوا آیا۔ حضرت نے مولانا سے پوچھا مولوی صاحب چلو گے۔ مولانا نے فرمایا کہ نا حضرت میں نہیں جاتا کیونکہ میں ہندوستان میں لوگوں کو

منع کیا کرتا ہوں اگر میں یہاں شریک ہو گیا تو وہاں کے لوگ کہیں گے وہاں بھلے شریک ہو گئے تھے حضرت حاجی صاحب نے بجائے برا ماننے کے مولانا کے اس انکار کی بہت تحسین فرمائی اور فرمایا کہ میں تمہارے جانے سے اتنا خوش نہ ہوتا جتنا تمہارے نہ جانے سے خوش ہوں۔ اب دیکھئے پیر سے زیادہ کون محبوب اور معظم ہو گا مگر دین کی حفاظت ان کے اتباع سے بھی زیادہ ضروری تھی اس لئے دونوں کے ظاہری تعارض کے وقت اسی کو ترجیح دی۔ واقعی حفاظت دین بڑی نازک خدمت ہے۔ سارے پہلوؤں پر نظر رکھنی پڑتی ہے کہ نہ چھوٹوں کو نقصان پہنچے نہ بڑوں کے ساتھ جو عقیدت ہونی چاہئے اس میں فرق آئے۔ مولانا نصیر الدین کو اپنے شیخ حضرت سلطان جی سے مسئلہ سماع میں اختلاف تھا۔ مزامیر کے ساتھ تو وہ بھی نہ سنتے تھے لیکن مولانا نصیر الدین بلا مزامیر سننے کو بھی خلاف سنت سمجھتے تھے۔ کسی نے کہا کہ سلطان جی تو سماع سنتے ہیں مولانا نے جواب دیا کہ فعل پیران سنت نہ باشد۔ کسی نے ان کا یہ قول سلطان جی سے نقل کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ نصیر الدین راست می گوید۔ سبحان اللہ یہ حضرات تھے دین کے بے خادم اور سچے عاشق ۔

وزیرے چنیں شہر یارے چناں

حاجی محمد اعلیٰ انبٹھوی نے حج سے واپس آکر یہ مشہور کیا کہ حضرت حاجی صاحب نے مجھ کو سماع کی اجازت دیدی ہے۔ کسی نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے یہ روایت نقل کی مولانا نے سن کر فرمایا کہ وہ غلط کہتے ہیں اور اگر وہ صحیح کہتے ہیں تو حاجی صاحب غلط کہتے ہیں۔ ایسے مسائل میں خود حاجی صاحب کے ذمہ ہے کہ ہم سے پوچھ پوچھ کر عمل کریں البتہ اصلاح نفس کے مسائل میں ہمارے ذمہ ہے حضرت حاجی صاحب کا اتباع اھ۔ اس ارشاد پر عوام میں بڑا چرچا ہوا مگر اس مفسدہ کا جو ان صاحب کی روایت سے ہوتا بالکل انسداد ہو گیا۔ تو مولانا نے حفاظت دین کے مقابلہ میں اپنی بدنامی کی بھی کچھ پروا نہ کی۔ لوگوں نے حضرت حاجی صاحب تک یہ شکایتیں پہنچائیں مگر وہاں بھلا کیا اثر ہوتا گو اوروں کو شکایت

ہوئی مگر ان پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا جن کے ساتھ اختلاف تھا۔ اس محبوب اختلاف پر یاد آیا ان ہی بزرگوں کے صدقہ میں ہم جیسوں کو بھی ان حضرات کی تشبہ کی تھوڑی بہت توفیق ہو گئی چنانچہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ میرے استاد اور ہر لحاظ سے میرے بڑے تھے مگر سیاسی تحریک میں شرکت کے متعلق میں نے مولانا سے اختلاف کیا مگر نہایت ادب کے ساتھ اور مولانا کو بھی میرے اس اختلاف سے ذرہ برابر ناگواری نہیں ہوئی۔ چنانچہ ایک بار ایک مقرب معتقد نے میرٹھ میں مجمع کے سامنے مجھ پر کچھ نکتہ چینی کی جب مولانا کو اس کی خبر پہنچی تو اظہار ناراضی فرمایا اور فرمایا کہ وہیں جا کر اسی مجمع میں اپنے قول کو رد کرو اور اس مسئلہ میں کیا مجھ پر وحی نازل ہوئی ہے یہ محض میری رائے ہے ممکن ہے کہ اس کی رائے صحیح ہو اور مولانا سے تجاوز کر کے میں نے تو حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بھی بعض مسائل میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کا علم بھی مولانا کو میں نے کرا دیا لیکن شفقت میں کبھی ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ بلکہ جب میں نے والد صاحب مرحوم کی بنک کی رقم کے منافع کا حصہ ترکہ میں نہیں لیا اور اپنی رائے حرمت کی اطلاع بھی کر دی تھی اور مولانا کے نزدیک اس میں تنگی نہ تھی تو مولوی محمد یحیٰ صاحب نے عرض کیا کہ پھر آپ اس سے (یعنی مجھ سے) لے لینے کو کیوں نہیں فرما دیتے۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ سبحان اللہ ایک شخص اپنی ہمت سے تقویٰ اختیار کرنا چاہتا ہے۔ کیا میں اس کو تقویٰ سے روکوں تو دیکھئے مولانا اس اختلاف سے ناراض تو کیا ہوتے اس کا نام تقویٰ قرار دے کر الٹے خوش تھے۔ غرض اگر اپنے بڑوں سے بھی اختلاف نیک نیتی کے ساتھ اور محض دین کے لئے ہو تو کچھ مضائقہ نہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ایک کام کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کرنا چاہتے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضور کو اس کے ترک کی رائے دیتے ہیں پھر آسمان سے آیت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کی موافقت میں نازل ہوتی ہے لیکن باوجود اس کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کبھی یہ دعویٰ پیدا نہیں ہوا کہ

میں صائب الرائے ہوں۔ بخلاف اس کے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح سے حضورؐ نے بوقت نزول وحی یہ آیت لکھوانی شروع کی وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ تک لکھوا چکے تو فوراً اس کے منہ سے بیساختہ نکلا فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اکتب ھکذا انزل یعنی وحی بھی یہی ہے یہی لکھ دو۔ بس اس پر اس کو یہ گمان ہو گیا کہ مجھ پر بھی وحی نازل ہوتی ہے اور مرتد ہو گیا۔ دیکھئے مطابقت وحی پر وہ تو مرتد ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ساری عمر غلام رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو منکشف فرما دیا کہ میرے قلب پر جو وارد ہوا ہے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سینہ مبارک سے فائض ہوا ہے کیونکہ حضور دونوں علم کے جامع تھے جس میں کبھی ایک کو ترجیح ہو جاتی تھی اور دوسرا علم کسی خادم پر آپ ہی کے سینہ سے فائض ہو جاتا اور اس خادم کے نزدیک اس کو ترجیح ہو جاتی تھی سو آپ ہی کا ایک علم آپ ہی کے دوسرے علم پر راجح ہو جاتا تھا۔ تو حضرت عمرؓ پر یہ راز ظاہر ہو گیا اور سمجھ گئے کہ میرا اس میں کیا کمال ہے اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح پر یہ حقیقت منکشف نہ ہوئی اور گمراہ ہو گیا غرض بڑوں سے بھی اگر کسی امر میں اختلاف کیا جائے تو وہ علی الاطلاق مذموم نہیں اگر نیت اچھی ہو تو اس کا بھی مضائقہ نہیں ہاں اگر بڑے اس سے بھی روک دیں تو پھر کچھ نہ بولو اور جب تک ان کی اجازت ہو خوب بولو۔ غرض دین کا معاملہ بھی اللہ تعالیٰ نے عجیب اور غامض بنایا ہے۔

(ملفوظ ۵) کاتبانِ وحی معین تھے

ملفوظ سابق کے اس جزو کے متعلق کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ

وسلم نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو آیت ولقد خلقنا الانسان من سللۃ الخ لکھوائی احقر کے استفسار پر فرمایا کہ حضور نزول وحی کے بالکل ختم کے بعد لکھواتے تھے کیونکہ عین نزول کے وقت تو حضور کو ادھر سے بالکل غیبت رہتی تھی جب افاقہ ہوتا تھا اس وقت نازل شدہ وحی کو دوسروں سے لکھوا دیتے تھے نیز دوسرے استفسار پر فرمایا کہ اکثر حالات میں تو لکھنے والے معین تھے لیکن بعض اوقات جب ان میں سے کوئی موجود نہ ہوتا تو اتفاقاً کسی دوسرے سے بھی لکھوا لیتے تھے اس پر عرض کیا گیا کہ جب حضورؐ کو نزول وحی کے دوران میں ادھر سے بالکل غیبت ہو جاتی تھی تو وحی میں خود حضور کی قوت فکریہ کے دخل کا کسی درجہ میں کوئی احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ فرمایا کہ جی ہاں بلکہ شروع میں جب اول اول حضور پر وحی نازل ہوئی تو آپ اس ڈر سے کہ کہیں بھول نہ جاؤں چپکے چپکے اپنی زبان سے بھی دہراتے جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی منع فرما دیا کہ آپ اپنی زبان کو حرکت نہ دیں اور اطمینان رکھیں یہ ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اپنی وحی کو آپ کے حافظہ میں محفوظ کر دیں گے آپ اس فکر میں نہ پڑیں تمہید ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ یوم دو شنبہ مطابق ۸ دسمبر ۱۹۴۱ء (احقر جامع سفر لکھنو میں حضرت اقدس مدظلہم العالی کی معیت سے جو کہ برابر اس سفر میں رہی واپسی پر بمقام کانپور ضروریات خانگی کی وجہ سے جدا ہو کر آج تقریباً پونے دو ماہ کے بعد پھر بفضلہ تعالیٰ حاضر خدمت بابرکت ہو گیا ہے اور بنام خدا پھر ضبط ملفوظات کا سلسلہ شروع کرتا ہے واللہ الموفق والمعین)۔

(ملفوظ ۶) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے اکمل ہیں

حضرت اقدس نے کچھ ملبوسات طلبہ و مستحقین کو تقسیم فرمائے۔ اس سے قبل حسب معمول سارے ضروری پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر تقسیم کا نہایت مکمل نظام پہلے سے تجویز فرما لیا تھا نیز بعض کتب مطبوعہ کا جو ایک مشترکہ رقم سے طبع کی گئی تھیں مکمل حساب مرتب کرا کے مختلف شرکاء کے

پاس بھجوایا جارہا تھا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حساب کی صفائی بہت ضروری اور نہایت اچھی چیز ہے چنانچہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم حساب کتاب میں بہت صاف اور بے تکلف تھے۔ آپ نے ایک بار مدینہ طیبہ کے سفر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک اونٹ خریدا اور اس کے دام ادا کئے جن کے لینے میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بھی کوئی تکلف نہیں فرمایا۔ حالانکہ اونٹ کی تو کیا حقیقت ہے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تو حضور پر جان تک نثار کرنے کو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد جب دام دیئے جانے لگے تو حضور نے حضرت بلال سے فرمایا۔

اقضه وزده فاعطاه وزاده قيراطاً رواه البخاری كذافی المشكوة فی باب قبل باب السلم والرهن

اور ایک روایت میں حضرت جابر کا قول ہے۔

فرجحت فامر بلالا ان يزن لی اوقية فوزن فارجح فی الميزان مجمع الفوائد

یعنی تولو اور کچھ زیادہ تولو اس زمانہ میں سکے نہیں ہوتے تھے۔ قیمت میں سونا یا چاندی تول کر دی جاتی تھی یہ تو روایت ہے کہ حضور نے طے شدہ قیمت سے زیادہ دام ادا فرمائے۔ اب آگے فقیہ کی ضرورت ہے چنانچہ فقہاء نے اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ اس قسم کی زیادت اگر مشروط و معروف نہ ہو تو جائز ہے ورنہ ربوا ہو جائے گا۔ حساب کی صفائی اتنی اہم چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے کتب سماویہ کے لئے انزلنا کا لفظ فرمایا ہے ویسے ہی میزان کے لئے بھی فرمایا ہے۔ ارشاد ہے۔ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ

دیکھئے کتاب کے ساتھ ہی میزان کا بھی نازل کرنا بیان فرمایا ہے اتنی اہم چیز ہے حساب کی صفائی اسی سلسلہ میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک کے متعلق فرمایا کہ حضور تو ہر صفت میں کامل تھے حسن و جمال میں بھی قوت میں بھی حسن انتظام میں بھی لطافت طبع میں بھی اور دوسرے

اوصاف میں بھی۔ حضور کی لطافت طبع کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ ایک بات طالب علموں کے کام کی کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جتنی تکلیف مجھ کو تبلیغ میں اٹھانی پڑی ہے اتنی کسی اور نبی کو نہیں اٹھانی پڑی۔ اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض نبیوں پر تو کفار نے حضور سے بھی کہیں زیادہ سختیاں کیں یہاں تک کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو آرہ سے قتل کیا اور حضرت نوح علیہ السلام کو زنجیروں سے جکڑ بند کر کے ڈالدیا اس اشکال کا یہی جواب ہے کہ حضور کو بوجہ غایت لطافت طبع اور بوجہ غایت شفقت کفار کے برتاؤ اور انکار سے بہت زیادہ روحانی اذیت ہوتی تھی۔ چنانچہ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور کی جا بجا تسلی فرمائی ہے کہیں فرمایا ہے لاتحزن۔ کہیں فرمایا ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ اسی سلسلہ میں حضرت اقدس مد ظلہم العالی نے یہ بھی فرمایا کہ آج کل حضور کے کمالات بیان کرنے میں لوگ ایسے عنوانات اختیار کرتے ہیں جن سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی نعوذ باللہ تنقیص لازم آجاتی ہے میں نے تو حضور کی تفضیل کا یہ عنوان تجویز کیا ہے کہ انبیاء تو سبھی کامل تھے لیکن ہمارے حضور اکمل تھے اس عنوان سے حضور کی تفضیل بھی ظاہر ہو گئی یعنی اکملیت اور دوسرے انبیاء کا بھی ہر طرح کامل ہونا بحالہ رہا۔ کسی قسم کی تنقیص کا ایہام تک نہ ہونے پایا۔ انبیا علیہم السلام کی بہت بڑی شان ہے۔ بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

(ملفوظ ۷) تملیک میں زیادہ سہولت اور آزادی ہے

۱۹ ذیقعدہ ۶۰ھ یوم سہ شنبہ جن کتابوں کا اوپر والے ملفوظ میں ذکر ہے کہ مشترکہ رقم سے طبع کرائی گئی ہیں ان میں سے اکثر نسخوں کا اختیار تصرف بعض شرکاء نے خود حضرت اقدس کو دیدیا۔ اس پر فرمایا کہ میں نے ان سے پوچھا ہے کہ مجھ کو جو اختیار دیا گیا ہے وہ بطور وکیل کے ہے یا مالک کے کیونکہ ان دونوں حیثیتوں کے احکام شریعت میں مختلف ہیں مثلاً اگر مالک نہیں بنایا گیا صرف وکیل بنایا گیا ہے تو وکیل کو شرعاً ایسے لوگوں کو تقسیم کرنا جائز نہ ہوگا جن کے

متعلق یہ گمان ہو کہ اگر موکل کو علم ہو جائے تو وہ پسند نہ کرے۔ غرض تملیک میں زیادہ سہولت اور آزادی ہے بہ نسبت توکیل کے جس میں قیود زیادہ ہیں۔

(ملفوظ ۸) اپنی چیز کو کام میں لانا موجب ثواب ہے

۲۰ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ یوم چار شنبہ اوپر والے ملفوظ میں جن کتابوں کی مشترکہ طباعت کا اور بعض شرکاء کا حضرت اقدس کو اختیار تصرف دیدینے کا ذکر ہے ان کے متعلق حضرت اقدس کے ایک تحریری استفسار کی نقل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

از اشرف علی بمشفقم حقداد خاں صاحب السلام و علیکم۔ وصل صاحب کے خط سے حفیظ اللہ صاحب مرحوم کے ورثہ کا حساب کتاب کے نسخوں کا اور بقیہ نقد داموں کا معلوم ہو گا۔ ان کو اس کی اطلاع کیساتھ میری طرف سے بعد سلام یہ بھی کہہ دیجئے کہ ان کی تحریر سے معلوم ہوا کہ انہوں نے ان نسخوں کا اور داموں کا مجھ کو اختیار دیا ہے سو اس کے متعلق عرض ہے کہ مجھ کو احباب کی ممکن خدمت سے انکار نہیں مگر مشورۃً لکھتا ہوں کہ اپنی چیز کو اپنے کام میں لانا خصوص حاجت کی حالت میں یہ بھی ثواب کی بات ہے سو نسخ تو ابھی لکھنؤ میں موجود ہیں اور نقد دام مجھ کو وصل صاحب نے دیدیئے ہیں اگر وہ نسخے یہاں منگائے گئے کچھ دام اور کم ہو جاویں گے سو اگر نسخے وہاں ہی رکھ کر فروخت کر دیئے جائیں اور دام مجھ سے منگا لئے جاویں تو مصلحت ہے اور اگر اس پر بھی وہی رائے ہو تو پھر صاف لکھا جاوے کہ مجھ کو ان چیزوں کا مالک بنایا جاتا ہے یا وکیل۔ کیونکہ احکام شرعیہ دونوں کے جدا جدا ہیں۔

(ملفوظ ۹) مال میں تقویٰ اور دیانت داری کی ضرورت

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے تذکرے فرمائے جارہے تھے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ مولانا گو بہت کفایت شعار تھے یہاں تک کہ

عوام میں بخیل مشہور تھے گو بخیل نہ تھے بلکہ منتظم اور کفایت شعار تھے لیکن پھر بھی یہ حال تھا کہ ایک دفعہ ان کا روپیہ بہت سا چوری ہو گیا پھر وہ برآمد بھی ہو گیا لیکن انہوں نے محض اشتباہ کی بناء پر نہیں لیا حالانکہ ان کے جمع کئے ہوئے روپیہ میں یہ خاص علامت بھی تھی کہ فی سینکڑہ وہ ایک کوڑی بھی اس میں شامل کر دیتے تھے تاکہ گننے میں سہولت رہے۔ ان سے کہا بھی گیا کہ جب اس مال میں کوڑیاں بھی موجود ہیں تو پھر کیوں شبہ کیا جائے۔ فرمایا کہ ممکن ہے کہ اور کسی نے بھی یہی اصطلاح مقرر کر رکھی ہو۔ لہذا اس احتمال کے ہوتے ہوئے میں اس کو اپنا ہی مال کیسے سمجھ لوں۔ اھ۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ مالیات میں تقویٰ بہت کم دیکھا جاتا ہے۔ افعال اور اعمال تو آج کل بہت ہیں۔ تہجد چاشت اشراق ورد وظیفے تو بہت مگر یہ بات بہت کم ہے کہ مال سے انس و محبت نہ ہو۔ یا ہو مگر پھر بھی احتیاط کرے تو یہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ غرض مولانا نے وہ روپیہ نہیں لیا محض اس احتمال پر کہ ممکن ہے کسی اور نے بھی کوڑیوں کی اصطلاح مقرر کر رکھی ہو اور یہ مال اسی کا ہو۔

(ملفوظ ۱۰) مملوک العلی

فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے استاد کے نام کو بجائے مملوک علی کے مملوک العلی یعنی الف لام کے ساتھ لکھا ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام پر الف لام نہیں داخل کیا جاتا گو، علی اللہ تعالیٰ کا نام بھی ہے لیکن بلا الف لام داخل کئے اس کا ایہام تھا کہ لفظ علی کو بجائے اللہ تعالیٰ کے نام کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام سمجھ لیا جاتا۔ اسی ایہام سے بچنے کے لئے الف لام داخل کر دیتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا جو نام علی ہے وہ الف لام کے ساتھ بھی مستعمل ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا خود ارشاد ہے وھو العلی العظیم نیز بلا الف لام بھی مستعمل ہے جیسے اس آیت میں انہ علی حکیم لیکن لفظ علی جو حضرت علی کا علم ہے وہ ہمیشہ بلا الف لام ہی کے ہوتا ہے اس

لئے الف لام داخل کرنے کے بعد اس کا اشتباہ ہی نہیں ہو سکتا کہ یہ اللہ کا نام نہیں ہے۔

(ملفوظ ۱۱) مستعمل لفافوں کو کام میں لانا

کسی کتاب کی طباعت کے بعد بہت سی چٹیں سفید کاغذ کی بچی تھی ان کو حضرت اقدس نے مجلد کرالیا تاکہ وہ بطور نوٹ بکوں کے مستعمل ہو سکیں اور فضول ضائع نہ جائیں۔ پارسلوں اور پیکٹوں میں جو کاغذ اور تاگے، اور مہروں کا لاکھ ہوتا ہے ان کو بھی حضرت اقدس محفوظ رکھ لیتے ہیں اور وقت پر کام میں لے آتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان چیزوں کو فضول کیوں ضائع کیا جائے چٹوں کی جلدیں بندھ کرائی تھیں انہی پر بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ اگر یہی کام انگریز کریں تو ان کی مدح کی جاتی ہے کہ دیکھئے ایسی دانشمند قوم ہے کہ ہر چیز کو کام میں لے آتے ہیں اور اگر یہی کام مولوی کریں تو کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ بڑے کنجوس ہوتے ہیں۔ میں مستعمل لفافوں کو الٹ کر ان کو مکرر کام میں لے آتا ہوں بھائی نے ایسا ہی نمونہ ایک انگریز کلکٹر کے سامنے پیش کیا تو اس نے بہت پسند کیا اور حکم دے دیا کہ آئندہ ایسا ہی کیا جائے تاکہ سرکاری کاغذ کم خرچ ہو۔

(ملفوظ ۱۲) تعویذ کو موثر بالذات نہ سمجھنا چاہئیے

ایک صاحب نے کوئی نقش کسی کام کے لئے بذریعہ خط طلب کیا۔ تو یہ جواب تحریر فرمادیا کہ میں یہ کام نہیں جانتا انہوں نے مکرر لکھا تو پھر عذر تحریر فرمادیا اور زبانی فرمایا کہ گو میں گاہ گاہ تعویذ لکھتا ہوں مگر ایسے شخص کے لئے جس کے عقائد مجھے معلوم ہوں کہ وہ اس کو موثر بالذات نہ سمجھے گا۔

پنجشنبہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

(ملفوظ ۱۳) غیر اختیاری امور میں تشویش سے بچنا چاہئیے

جنگ کے خطرات پر اظہار تشویش کیا گیا تو فرمایا کہ غیر اختیاری امور

کے متعلق زیادہ تشویش نہ چاہئے بس دعائے عافیت کرتا رہے اور بے فکر رہے کیونکہ مرنا تو بہر حال ایک دن ضرور ہی ہے اور موت قبل وقت کے آ نہیں سکتی اھ۔ پھر فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ اگر ایک ساتھ مثلاً ایک ہزار آدمی مثلاً بم کے گرنے سے مر جائیں تو اس سے بڑی وحشت ہوتی ہے اور اگر وہی ایک ہزار ایک ایک کر کے مختلف اوقات میں مریں جیسا کہ عموماً واقع ہوتا ہی رہتا ہے تو اس سے اتنی وحشت نہیں ہوتی حالانکہ فرق کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر ہر شخص یہ سمجھ لے کہ مجھے ایک دن ضرور مرنا ہے چاہے اکیلا مروں چاہے بہت سے لوگوں کے ساتھ مروں میرے لئے یکساں ہے تو ایسے خطروں سے زیادہ وحشت نہ ہو۔ ہر شخص صرف اپنے ہی مرنے کا خیال کرے دوسروں کے مرنے کا خواہ مخواہ کیوں تصور کرے رہا اپنا مرنا سو وہ تو واقع ہونا ہی ہے اور یہ بھی یقینی ہے کہ نہ وقت مقدر سے پہلے واقع ہو نہ بعد کو۔ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ

اس کی فکر میں پہلے ہی سے خواہ مخواہ کیوں پریشان ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں ؎

ای یومین من الموت افر — یوم لایقدر او یوم قدر

یوم لایقدر لایاتی القضا — یوم قد قدر لایغنی الحذر

ان شعروں کا ترجمہ کسی نے فارسی میں خوب کہا ہے ؎

دو روز حذر کروں از مرگ روا نیست

روز یکہ قضا باشد و روز یکہ قضا نیست

روز یکہ قضا باشد کوشش نکند سود

روز یکہ قضا نیست درو مرگ روا نیست

پھر فرمایا کہ یہ اشعار مجھے بچپن سے یاد ہیں۔

(ملفوظ ۱۴) تدابیر حفاظت میں ضرورت اعتدال

جن کے روپیہ بنکوں میں جمع ہیں ان کی حفاظت کی تدابیر کے تذکرہ پر فرمایا کہ تدبیر تو کرے مگر زیادہ کاوش نہ کرے۔

اجملوا فی الطلب فتو کلوا علیه

بس معمولی طلب چاہئے دنیا کی۔ اھ۔ جنگ کے خطرات ہی کے سلسلہ ذکر میں یہ بھی فرمایا کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ احتمال تک تو خوف رہتا ہے وقوع کے وقت نہیں ہوتا۔ چنانچہ جو بجلی کی کڑک سے ڈرتا ہو حکماء نے اس کا یہی علاج لکھا ہے کہ چھپتا نہ پھرے بلکہ جا کر باہر کھڑا ہو جائے۔ ڈر جاتا رہے گا۔

(ملفوظ ۱۵) شاہان مغلیہ کے جذبات عدل

شاہان مغلیہ کے سلسلہ ذکر میں فرمایا کہ اب تو دینداروں کے بھی جذبات ویسے نہیں رہے جیسے ان دنیادار بادشاہوں کے تھے۔ جو بادشاہ دیندار تھے ان کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ نہیں جو دنیادار تھے ان کے اندر بھی عدل و انصاف کے اور رعایا کو راحت پہنچانے کے جذبات بہت زیادہ تھے۔ چنانچہ جہانگیر گو ایک آزاد سا بادشاہ تھا مگر اس میں عدل و انصاف کے ایسے جذبات تھے کہ جب اس کی محبوبہ بیگم نور جہاں نے کسی دھوبی کو گولی مار کر قتل کر دیا اور اس نے دربار عام میں حاضر ہو کر استغاثہ کیا تو اس نے اس کی بیوی کے ہاتھ میں بھری بندوق دیکر کہا کہ جس طرح نور جہاں نے تجھ کو بیوہ کر دیا ہے اسی طرح تو مجھے قتل کر کے اس کو بیوہ کر دے۔ یہ اور بات ہے کہ قاتل تو کوئی ہو اور اس کے بدلے قتل کوئی اور کیا جائے یہ کہاں جائز ہے یہ تو خیر ناواقفی ہے لیکن اس واقعہ سے جہانگیر کے جذبات عدل و انصاف کا تو پتہ چلتا ہے کہ کس درجہ تک پہنچے ہوئے تھے اور آج کل تہجد پڑھنے والے تو بہت ہیں لیکن ان کے جذبات ویسے نہیں

جیسے پہلے دنیا داروں کے تھے گو وہاں عرفی بزرگی اور تہجد وغیرہ نہ تھا مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ لوگوں کو راحت کس سے زیادہ پہنچتی ہے۔ ان سے مخلوق کو راحت بہت پہنچتی تھی۔ اور اس سے ان دنیا داروں کی اور دینداروں پر مع الاطلاق تفضیل مقصود نہیں بلکہ خاص جذبات میں تفاوت دکھانا مقصود ہے۔

پنجشنبہ ۲۱ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

(ملفوظ ۱۶) مصالح اور حکم بناء احکام نہیں

ایک ماہواری رسالہ میں کسی یورپ والے سائنس دان کے مضمون کا ترجمہ شائع ہوا تھا جس سے بطریق مسنون کھانا کھانے کی عقلی حکمتیں ثابت ہوتی تھیں۔ اس مضمون کو سن کر حضرت اقدس نے تحسین فرمائی لیکن فرمایا کہ اس کے متعلق ایک ضروری بات قابل لحاظ ہے جس کو آج کل ایسے مصالح بیان کرتے وقت ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔ وہ یہ کہ یہ مصالح اور حکمتیں بناء احکام نہیں بلکہ خود احکام پر مبنی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ حکمتیں مبنی بکسر النون ہیں مبنیٰ بفتح النون نہیں مبنی احکام کا تو یہی ہے کہ اللہ کے احکام ہیں لہذا واجب العمل ہیں رہیں حکمتیں سو وہ علت نہیں احکام کی بلکہ احکام پر مرتب ہو جاتی ہیں لیکن اگر اس قسم کی کوئی بھی حکمت احکام پر مرتب نہ ہو تب بھی احکام بدستور واجب العمل رہیں گے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اس حیثیت سے وہ بلا لحاظ کسی اور حکمت کے محض بغرض حصول خوشنودی احکم الحاکمین بہر حال واجب العمل ہیں۔

(ملفوظ ۱۷) علم کی حقیقت معانی ہیں

بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ علم کی حقیقت معانی ہیں نہ کہ الفاظ چنانچہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم گو سب اصطلاحی عالم نہ تھے لیکن چونکہ وہ حضرات سب اہل معانی تھے اس لئے سب علماء بلکہ امام العلماء تھے۔ ایک صاحب نے

مجھ سے پوچھا کہ حضرت حاجی صاحب تو عالم بھی نہیں پھر علماء ان کے پاس کیوں جاتے ہیں میں نے ایک مثال سے ان کو اس کی حقیقت سمجھائی میں نے کہا کہ ایک شخص تو ایسا ہے جس کو تمام مٹھائیوں کے نام یاد ہیں مگر کبھی کھانا نصیب نہیں ہوا اور ایک شخص ہے جس کو نام تو کسی ایک مٹھائی کا بھی یاد نہیں لیکن ہر قسم کی مٹھائیاں اس کو مل جاتی ہیں اور وہ دونوں وقت خوب پیٹ بھر کر اور مزے لے لے کر کھاتا ہے گویا ایک تو محض صاحب الفاظ ہے اور ایک گو صاحب الفاظ نہیں لیکن صاحب معنی ہے اب بتاؤ وہ محتاج اس کا ہے یا یہ محتاج اس کا ہے۔ انہوں نے کہا کہ واقعی یہی صاحب الفاظ محتاج ہے صاحب معانی کا میں نے کہا کہ بس اسی طرح ہم لوگوں کو تو مٹھائیوں کے صرف نام یاد ہیں اور حاجی صاحب مٹھائیاں کھاتے ہیں تو علماء جو حاجی صاحب کے پاس جاتے ہیں وہ مٹھائی کھانے جاتے ہیں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ اس کی یہ حقیقت مجھ کو آج تک کسی نے نہیں سمجھائی تھی۔ اب مجھ کو بالکل اطمینان ہو گیا اھ۔ اسی بناء پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جب ایک شخص نے پوچھا کہ کیا حضرت حاجی صاحب مولوی بھی ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ مولوی کیا مولوی گر ہیں اھ۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ یہ بھی خدا کی بڑی رحمت ہے کہ ہمارے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ اگر اصطلاحی عالم ہوتے تو یہ شبہ ہوتا کہ جو کچھ فرمارہے ہیں علمی استعداد سے فرما رہے ہیں چونکہ حضور امی تھے اس لئے اب یہ شبہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اب تو ہم فخر کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں۔

نگار من کہ بمکتب نرفت ودرس نکرد
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

(ملفوظ ۱۸) سارا دارومدار حق تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہونے پر ہے

بسلسلہ گفتگو فرمایا کہ آدمی خواہ کتنا ہی عابد زاہد اور متقی و پرہیز گار ہو لیکن اس کو یہ کیا خبر کہ میں خدا کے نزدیک کیسا ہوں۔ اس احتمال کے ہوتے ہوئے کوئی کیا دعویٰ کر سکتا ہے کیونکہ سارا دارو مدار اسی پر ہے کہ خدا کے نزدیک اچھا ہو اور اس کی یقیناً کسی کو بھی خبر نہیں۔ پیا جس کو چاہے وہی سہاگن ہو۔ بالخصوص اس حالت میں کہ قلب کا حال بھی ہر وقت بدلتا رہتا ہے کیونکر اطمینان ہو۔

گہ رشک برد فرشتہ برپاکی ما گہ خندہ زند دیوز ناپاکی ما
ایمان چو سلامت بہ لب گور بریم احسنت بریں چستی و چالاکی ما

کچھ خبر نہیں کہ کیا ہو گا۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے میں نے کہا کہ یزید پر لعنت کرنا ایسے شخص کو جائز ہے جس کو یہ یقین ہو کہ میں یزید سے بدتر ہو کر نہ مروں گا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو یزید یہ نہ کہے گا کہ کیا منہ لے کر مجھ پر لعنت کی تھی سو اس کا ابھی کچھ پتہ نہیں کہ خاتمہ کس حال پر ہو گا۔ بس اللہ ہی کی پناہ مانگے اور وہ مذہب رکھے۔

ایماں چو سلامت بہ لب گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ما

بس اللہ ہی کی پناہ ڈھونڈے اور اسی کی پناہ میں رہے اور دعووں کو مٹاتا رہے ایک بڑے فاضل یہاں آئے اور مجھ سے کہا کہ کچھ نصیحت کیجئے۔ میں نے کہا کہ آپ تو خود عالم ہیں میں آپ کو کیا نصیحت کروں انہوں نے پھر اصرار کیا میں نے کہا مجھے تو بس ایک ہی سبق یاد ہے اسی کو دہرائے دیتا ہوں وہ یہ کہ اپنے کو مٹانا چاہیئے۔ اس کا ان پر اتنا اثر ہوا کہ رونے لگے۔ اھ۔ پھر حضرت اقدس نے

حاضرین کو مخاطب کر کے بہت تاثر کے لہجہ میں فرمایا کہ بس ہمیں تو چشتیوں کا مذہب پسند ہے اور وہ یہ ہے ؎

افروختن و سوختن جامہ دریدن
پروانہ زمن شمع زمن گل زمن آموخت

خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی مذاق تھا چنانچہ اس کمال پر اور اس محبوبیت پر بھی فرماتے ہیں۔

لا ینبغی لا حدان یقول انا خیر من یونس بن متی

مجھ کو یونس (علیہ السلام) پر فضیلت نہ دو اور یہ نہ کہو کہ میں ان سے بہتر ہوں۔ تو دیکھئے باوجود یقینی افضل ہونے کے بھی حضور نے یہ فرمایا کہ مجھے یونس سے افضل نہ کہو حضرت مولانا رومی رحمتہ اللہ نے اس حدیث کی بطور روایت بالمعنی کے شرح کی ہے ؎

گفت پیغمبر کہ معراج مرا
نیست از معراج یونس اجتبا
قرب نزپائیں بہ بالا جستن است
قرب حق از حبس ہستی رستن است (دفتر سوم

قریب ختم عنوان ''تفسیر خبر لا تفضلونی'' یعنی حضرت یونس علیہ السلام جو مچھلی کے پیٹ میں پہنچے تو ان کا یہ پستی کی طرف جانا بھی معراج ہی تھا کیونکہ حق تعالیٰ متحیز نہیں ہیں۔ لہذا یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ چونکہ حضور اوپر کی طرف تشریف لے گئے اور حضرت یونس علیہ السلام نیچے کی طرف اس لئے حضور کی معراج بوجہ اقربیت کے افضل ہے۔ یہ تو جب کہہ سکتے تھے جب نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ متحیز ہوتے وہ تو جہت سے منزہ ہیں ان کی نسبت جیسے اوپر کی جہت سے ہے ویسے ہی نیچے کی جہت سے ہے اس واسطے کہتے ہیں کہ حضرت یونس علیہ السلام کی پستی بھی معراج ہی تھی غرض دونوں حالتیں معراج ہی تھیں ایک معراج اوپر کو تھی ایک نیچے کو تھی۔

آن من بالا وآن او نشیب
زانکہ قرب حق بر ونست از حسیب

اسی سلسلہ میں حضرت مولانا گنگوہی کی حکایت مولانا فخر الحسن گنگوہی کی روایت سے نقل فرمائی کہ جب بخاری کے درس میں یہ حدیث آئی تو شاگردوں نے یہ اشکال پیش کیا کہ آپ تو حضرت یونس علیہ السلام سے بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام سے یقیناً افضل تھے پھر حضور نے اس کی نہی کیوں فرمائی۔ فرمایا کہ یہی تو افضل ہونے کی دلیل ہے۔ جو افضل ہوتے ہیں وہ اپنے آپ کو افضل نہیں سمجھا کرتے وہ یہی کہا کرتے ہیں کہ میں افضل نہیں۔ انہوں نے پھر اشکال کیا تو مولانا نے پھر سمجھایا لیکن انہوں نے پھر عرض کیا کہ حضرت اب بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر مولانا نے دوسری قوت سے کام لینا چاہا۔ فرمایا اچھا میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم مجھے کیا سمجھتے ہو اپنے سے افضل یا کمتر۔ سب نے عرض کیا کہ حضرت ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

ہماری حقیقت ہی کیا ہے حضرت کے سامنے۔ پھر فرمایا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا۔ عرض کیا بالکل سچا۔ پھر فرمایا کہ اگر میں کسی بات کو قسم کھا کر کہوں تو پھر تم مجھے سچا سمجھو گے یا جیسا کہا تب تو اور بھی زیادہ آپ کی بات کا یقین کریں گے۔ جب ان سب باتوں کا اقرار کرا چکے تو پھر فرمایا کہ لو اب میں تم سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تم میں سے ہر ہر شخص کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں۔ بس یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس تڑپ گئی بچھ گئی۔ سب بے اختیار ہو کر گر گئے بے تاب ہو ہو کر لوٹنے لگے چٹائیاں توڑ دیں کپڑے پھاڑ ڈالے اور مولانا سب کو ذبح کر کے چپکے سے اٹھ کر حجرے میں جا بیٹھے۔ درس وغیرہ سب ختم ہو گیا۔ اگلے دن جب پھر سبق شروع ہوا تو فرمایا کہ کہو بھائی اب بھی اس حدیث میں کچھ شبہ ہے۔ سب نے بالاتفاق عرض کیا کہ حضرت اب تو کوئی شبہ نہیں رہا۔ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ

مولانا نے یہ تصرف کے قصد سے نہیں کیا۔ ہمارے حضرات اس کا قصد نہیں کیا کرتے مگر ہر شے میں ایک خاصیت ہے صدق میں خاصیت ہے کہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ قاضی اسماعیل صاحب منگلوری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بار حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کیا حضرت کبھی کبھی طالبین کو توجہ بھی دیدیا کیجئے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں جوگیوں کا سا عمل کیوں کروں اس پر انہیں تعجب بھی ہوا کہ مشائخ کے معمول کو جوگیوں کا عمل فرما دیا۔ پھر دیوبند میں جب بڑا جلسہ ہوا اس میں مولانا کا وعظ ہوا۔ اس میں قاضی صاحب بھی شریک تھے میں بھی حاضر تھا وہاں مولانا کے وعظ کے مضمون پر ایسا ہی اثر ہوا جیسا مولانا فخر الحسن صاحب نے نقل کیا (جس کا ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے) میں نے خود دیکھا وہ تو سنی ہوئی حکایت تھی یہ دیکھی ہوئی ہے جب لوگوں پر گریہ و بکاء کی حالت طاری تھی اور بے اختیار تڑپ رہے تھے اور لوٹ رہے تھے اس وقت بعض اہل باطن کو جو اس وعظ میں شریک تھے یہ محسوس ہوا کہ مولانا مجمع کی طرف اس غرض سے متوجہ ہیں کہ ان کو سکون ہو جب وعظ ختم ہوا تو قاضی اسماعیل صاحب مولانا کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہاں مولوی صاحب بس کبھی کبھی یوں کر دیا کرو۔ مولانا اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ میں نے کیا کیا میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ اللہ اکبر کیا شان تھی۔ سبحان اللہ کیسے سچے بزرگ تھے۔

جمعہ ۲۳/ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

(ملفوظ ۱۹) ادب کا مدار عرف پر ہے

ایک ایسے غسل خانہ اور پاخانہ میں جو بعد تعمیر استعمال میں نہیں لایا گیا ہے کتب دینیہ رکھے جانے کا ذکر تھا فرمایا کہ بظاہر تو یہ ناجائز نہیں معلوم ہوتا کیونکہ گو ابھی یہ استعمال میں نہیں لائے گئے لیکن وضع تو غسل اور قضاء حاجت ہی کے لئے کئے گئے ہیں اس لئے کتب دیجیہ کا ان میں رکھنا خلاف ادب معلوم ہوتا ہے اس پر ایک صاحب علم نے جو اس تذکرہ کے وقت حاضر خدمت تھے

عرض کیا کہ کیا اس میں قید استعمال کے بعد کی نہ ہو گی فرمایا کہ فقہا کے الفاظ یہ ہیں المعد لذلک۔ ان پر غور کر لیا جائے کہ آیا ان سے استعمال کے بعد کی قید نکلتی ہے یا نہیں۔ متبادر تو یہی ہے کہ مستعمل ہونے کی قید نہیں ہے بلکہ جو شے جس غرض کے لئے بنائی گئی ہو اور اسی ہیئت سے بنائی گئی ہو جو اس کے لئے مناسب ہے تو اسی کا اعتبار ہو گا خواہ ابھی اس کا استعمال اس غرض خاص کے لئے نہ کیا گیا ہو مثلاً نئے جوتے کو جو ابھی استعمال نہ کیا گیا ہو کسی کتاب پر رکھنا جائز نہ ہو گا اھ۔ پھر فرمایا کہ ادب کا مدار عرف پر ہے یہ دیکھا جائے گا کہ عرف میں یہ خلاف ادب سمجھا جاتا ہے یا نہیں اسی سلسلہ میں یاد آیا کہ ایک بار ایک خادم کو تنبیہ فرمائی جنہوں نے ایک ہی ہاتھ میں ایک دینی کتاب اور جراب دونوں اس طرح لے رکھی تھیں کہ جراب کتاب سے مس ہوتی تھی۔ فرمایا کہ آج کل طبیعتوں میں ادب بالکل نہیں رہا۔ مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے لکھا ہے کہ یہ جو بعض طلبہ بائیں ہاتھ میں کتب دینیہ اور داہنے ہاتھ میں جوتے لیکر چلتے ہیں بہت مذموم ہے کیونکہ خلاف ادب ہے اور صورۃً فوقیت دینا ہے جوتوں کو کتب دینیہ پر۔

(ملفوظ ۲۰) حضرت عثمان غنیؓ کی سخاوت اور اضاعت مال سے بچنے کی عجیب حکایت

حضرت اقدس نے بے کار چٹوں کو مجلد کرا کے متعدد نوٹ بک بنوالی تھیں جن کا ذکر پہلے بھی کسی ملفوظ میں آچکا ہے۔ فرمایا کہ دیکھئے اب یہ یادداشتوں کے لئے کام میں آجائیں گی ورنہ اتنا کاغذ فضول ضائع جاتا۔ اب ان خوبصورت نوٹ بکوں کو دیکھ کر کوئی یہ سمجھ بھی نہیں سکتا کہ یہ وہی بے کار چٹیں ہیں۔ پھر ان تین چار خادموں سے جو اس وقت حاضر خدمت تھے فرمایا کہ اگر کسی صاحب کو ضرورت ہو تو لے لیں۔ چنانچہ احقر نے بھی ایک جلد لے لی لیکن عرض کیا کہ

کم از کم جو خرچ جلد بندھوانے میں حضرت کا ہوا ہو وہ تو لے لیا جائے اس کا بار حضرت پر خواہ مخواہ کیوں پڑے۔ فرمایا جی نہیں اس کی کیا ضرورت ہے۔ پھر مزاحاً فرمایا کہ آپ مجھے ایسا ہارا ہوا کیوں سمجھیں۔ میرا جو کچھ اس میں تھوڑا سا خرچ ہوا ہے وہ تو اسی خیال سے وصول ہو گیا کہ ایک بے کار چیز کام میں آگئی ورنہ فضول ضائع جاتی یہ خوشی کیا اس کی قیمت سے کم ہے پھر فرمایا کہ میں نے ایک روایت حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ایک خادم غیر عالم سے سنی ہے واللہ اعلم ثابت ہے یا نہیں اس لئے احتیاط یہ ہے کہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کے کسی بزرگ کی طرف منسوب کیا جاوے بہرحال وہ روایت یہ ہے کہ ایک بار ایک سائل حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یا کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا چونکہ اتفاق سے اس وقت آپ کے پاس کچھ نہ تھا آپ نے اس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یا کسی سخی بزرگ کا پتہ بتا دیا کہ ان کے پاس جاؤ وہ ان کی خدمت میں پہنچا جب اپنی عرض پیش کرنے کا قصد کیا تو اتفاق سے آپ اس وقت اپنی بیوی پر خفا ہو رہے تھے کہ تم نے چراغ میں بتی موٹی کیوں جلائی جس سے تیل زیادہ خرچ ہوا۔ یہ سن کر سائل نے دل میں کہا کہ جب ان کا بتی پر یہ حال ہے تو ان سے اس سے بتی (یعنی اس سے بڑھتی بمعنی زیادہ) کی تو کیا امید ہے پھر بھی چونکہ حضور کا یا کسی بزرگ کا بھیجا ہوا آیا تھا اپنی حاجت عرض کی گو امید تو بالکل نہ رہی تھی۔ ان بزرگ کا بہت سا سامان تجارت شام سے آنے والا تھا۔ سو دو سو اونٹ مال کے لدے ہوئے تھے گو ابھی مال تو راستہ ہی میں تھا لیکن سفیر نے پہلے سے آکر اطلاع دیدی تھی کہ کل یا پرسوں مال آجاوے گا اور اس کا بیجک حوالہ کر دیا تھا آپ نے وہ بیجک اس سائل کو دیدیا اور کہا کہ جتنا مال آنے والا ہے وہ سب تم اس بیجک کے ذریعہ سے وصول کر لینا اور بیچ کر اس کی قیمت اپنے کام میں لے آنا سائل کو حیرت ہو گئی کہ یا تو چراغ کی بتی کا ذرا سا موٹا ہونا بھی گوارا نہ تھا یا اتنا سارا مال دیدینے میں بھی ذرا تامل نہ ہوا۔ چونکہ حیرت بہت زیادہ تھی اس لئے

رہا نہ گیا پوچھا کہ حضرت اس کا سبب کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تیل فضول جارہا تھا اس لئے وہ گوارا نہ ہوا اور یہ مال کام میں خرچ کیا جارہا ہے اس لئے یہ گوارا ہو گیا خیر ممکن ہے یہ واقعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نہ ہو لیکن اس سے قاعدہ تو معلوم ہوا کہ چھوٹی چیز کو بھی بے کار ضائع کرنا مناسب نہیں میں ایسی چھوٹی چھوٹی اور بے کار چیزوں کو بھی اپنے پاس محفوظ رکھتا ہوں جیسے کاغذ کی چٹیں پارسلوں کے اوپر لپٹی ہوئی ستلی ڈوری مہروں کی لاکھ وغیرہ پھر کسی وقت خود ضرورت ہوئی خود استعمال کر لیں کسی اور کو ضرورت ہوئی اس کو دیدیں آخر اس میں برائی کیا ہوئی کہ ضرورت کے وقت سہولت سے یہ سب چیزیں پاس ہی رکھی ہوئی مل جاتی ہیں۔ عین وقت پر ان کی فراہمی کا اہتمام نہیں کرنا پڑتا۔ یہ ٹکٹوں میں گوند لگی ہوئی چیپیاں لگی ہوتی ہیں ان کو بھی میں ایک لفافہ میں محفوظ رکھتا ہوں جو میری زنبیل میں ہر وقت موجود رہتا ہے وہ بھی میرے بہت کام آتی ہیں کیونکہ بہت سے خطوط میرے پاس ایسے بھی آتے ہیں جن میں جواب کے لئے لفافے نہیں ہوتے بلکہ صرف ٹکٹ ہوتے ہیں ایسے خطوط کو جواب لکھنے کے بعد بعض دفعہ تو میں سی دیتا ہوں اور بعض دفعہ ان کو یہی چیپیاں لگا لگا کر بند کر دیتا ہوں اور گوند کی ضرورت نہیں ہوتی ادھر تو ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو بھی بے کار ضائع کرنا مجھے گوارا نہیں اور ادھر اللہ کا شکر ہے کہ جہاں صرف کرنا مفید ہوتا ہے وہاں اللہ نے توفیق دی تو ہزار ہزار روپے یک مشت دیدیئے اور تقاضا کر کر کے دیئے کہ میری ملک سے جلد خارج ہو جائیں۔ اب عموماً بڑی چیزوں کا تو اہتمام ہوتا ہے لیکن چھوٹی چیزوں کا نہیں ہوتا حالانکہ کثیر الوقوع وہی ہوتی ہیں۔ بڑی بڑی چیزوں کی تو کبھی کبھار ہی ضرورت پڑتی ہے لیکن چھوٹی چھوٹی چیزوں کی ہر وقت ضرورت ہوتی ہے اھ۔ پھر فرمایا اب اس کا نام خست اور دناءت رکھا ہے اور دیکھئے تماشا ہے کہ انگریزوں کے بھی ایسے واقعات ہیں ان کی مدح کی جاتی ہے کہ دیکھئے کسی چیز کو ضائع نہیں ہونے دیتے وہ اگر ایسا کریں تو عالی دماغی ہے اور بیدار مغزی ہے۔ کیسی ہٹ دھرمی کی بات ہے اھ۔

ایک صاحب نے ایک میم کا واقعہ نقل کیا کہ اس نے ادنی ادنی اور ٹوٹی پھوٹی چیزوں کو بھی گھر کا سامان فروخت کرتے وقت نیلام پر چڑھا دیا اور دام کھرے کر لئے۔ اس پر فرمایا کہ مسلمانوں کے یہاں اتنی اور بات ہے کہ وہ اپنی بعض چیزیں مفت بھی دیدیتے ہیں اور یہ مفت دینا بھی ہمیشہ اس نیت سے نہیں کہ ثواب ہو ہی بلکہ محض تطییب قلب اپنا اور اپنے کسی متعلق کا مقصود ہوتا ہے اور کسی مومن کا تطییب قلب یہ خود عبادت ہے چاہے بقصد عبادت نہ ہو۔ تطییب قلب بہر حال موجب اجر ہے۔ اس کی ایک حدیث سے مجھے بڑی تائید ملی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ایک بار جہر سے تلاوت کر رہے تھے۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تک آواز پہنچ رہی تھی اور ان کو اس کا علم نہ تھا جب وہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی خوش آوازی کی تعریف فرمائی اور فرمایا۔

لقد اوتیت مزمارا من مزامیر آل داؤد

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو ایسی خوش آواز دی ہے جیسی حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا فرمائی تھی حضرت ابو موسیٰ نے عرض کیا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ حضور سن رہے ہیں تو لحبرتہ تحبیرا یعنی میں اور زیادہ سنوار کر پڑھتا۔ اس حدیث سے میں نے یہ مسئلہ سمجھا کہ اگر کوئی دین کا کام مخلوق کی رضا کے لئے کیا جائے تو ایسا کرنا ہر حال میں ریا نہ ہوگا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس مخلوق کے ساتھ علاقہ کی وجہ کیا ہے۔ دین یا دنیا۔ اگر علاقہ کا سبب دین ہے تو وہ ریا نہیں اور اگر دنیا ہے تو ریا ہے جیسا کہ اس حدیث کے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے چونکہ حضور کا خوش کرنا دین تھا کیونکہ حضور سے جو تعلق تھا وہ دین ہی کی وجہ سے تھا اس لئے حضور کو خوش کرنے کے لئے سنوار سنوار کر قرآن پڑھنا ثواب تھا ریا نہ تھا۔ مجھے اس کے قبل اس معمول کے متعلق بڑا تردد تھا کہ لوگ قاریوں سے رکوع سنانے کی فرمائش کرتے ہیں اور وہ خوب سنوار سنوار کر خوش آوازی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ تاکہ سامعین کا دل خوش ہو اس وقت عموماً ثواب کی بھی نیت نہیں ہوتی۔ مجھے اس کے متعلق سخت تردد تھا کہ آیا یہ جائز بھی ہے یا ناجائز اور یہ

ریا تو نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ محض سامعین کی رضا کے لئے ایسا کیا جاتا ہے۔ مگر اس حدیث سے یہ معلوم ہو گیا کہ اگر اس سے مقصود مال اور جاہ ہوں کہ خوش ہو کر سننے والا روپیہ دیدے گا یا معتقد ہو جائے گا تب تو یہ ریا ہے اور ناجائز ہے اور اگر یہ نیت ہو کہ یہ خوش ہو گا تو یہ ریا نہ ہو گا کیونکہ اس کا دل خوش کرنا بھی دین کی خدمت ہے اور اس کے خوش کرنے سے مقصود خدا کا خوش کرنا ہے۔ غرض اس حدیث سے پوری تائید مل گئی اس معمول کی اور اس روز سے پھر مجھے اس کے ناجائز ہونے کا شبہ نہیں ہوا۔ تطییب قلب کے بھی مقصود بالذات ہونے پر فرمایا کہ میں نے بریلی کے جنٹ انگریز سے یہی کہا تھا جب اس نے مجھ سے پوچھا کہ تفسیر لکھنے پر کتنا روپیہ ملا۔ یہ لوگ تو عبدالدنیا اور عبدالدینار ہی ہوتے ہیں۔ جب میں نے کہا کہ کچھ بھی روپیہ نہیں ملا تو آپ کہتے ہیں کہ پھر اتنی محنت کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ دو فائدے ہوئے اس وقت تو میں نے اس کی سمجھ کے مطابق سہل عنوان سے جواب دیا تھا لیکن اس وقت اپنے لفظوں میں اس جواب کو نقل کرتا ہوں۔ میں نے کہا کہ ایک فائدہ تو عاجل ہوا اور ایک آجل۔ عاجل فائدہ تو یہ ہوا کہ اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں اپنی تفسیر دیکھ کر اور اس سے ان کو منتفع ہوتا دیکھ کر میرا دل خوش ہوتا ہے اور دل کا خوش ہونا اتنا بڑا فائدہ ہے کہ تمام اسباب عیش کا حاصل یہی ہے۔ دوسرا فائدہ آجل ہے۔ چونکہ مجھے یہ خبر نہ تھی کہ یہ انگریز آخرت کا قائل ہے یا نہیں کیونکہ آج کل کے اکثر قوم کے عیسائی عقیدہ میں دھری ہیں اس لئے میں نے نفع آجل کی اس طرح تقریر کی کہ ہم لوگ علاوہ اس زندگی کے ایک اور زندگی کے بھی قائل ہیں جو مرنے کے بعد ہو گی وہاں حق تعالیٰ سے سابقہ ہو گا جو احکم الحاکمین ہیں۔ وہ خوش ہوں گے اور حکام کی خوشنودی خود مستقل فائدہ ہے میں نے دیکھا کہ اس تقریر کا اس پر ایک خاص اثر ہوا۔ اور ہمارے مسلمان بھائی یورپین مذاق کے ہوتے تو استہزاء کرتے کیونکہ ایسے مسلمان انگریزی عقیدے کے ہیں وہ تو دین کی محبت کو جنون سے تعبیر

کہتے ہیں۔

(ملفوظ ۲۱) کھڑے ہو کر انتظار کرنے سے قلب پر بار ہوتا ہے

بعض نو واردین حضرت اقدس کے مسجد سے تشریف لاتے وقت سامنے منتظر کھڑے تھے۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ اس طرح کھڑے ہو کر انتظار کرنے سے دوسرے کے قلب پر بار ہوتا ہے۔ یہ کیا تہذیب ہے۔ ایسی موٹی موٹی باتوں پر تو نظر چاہئے۔

(ملفوظ ۲۲) اپنے بزرگوں کو مستجاب الدعوات سمجھنے میں غلو کی مذمت

بعض صاحبوں کو جو محض دعا کے لئے بہت لمبا سفر کر کے حاضر خدمت ہوئے تھے تنبیہ فرمائی کہ یہ کام تو ایک جوابی کارڈ سے بھی ہو سکتا تھا۔ یہ بھی فرمایا کہ آج کل اپنے معتقد فیہ کو مستجاب الدعوات سمجھنے میں بہت غلو ہو گیا ہے۔ اس عقیدہ کی اصلاح کرنی چاہیئے۔

(ملفوظ ۲۳) علماء کو شاہان عجم کا سا دربار نہ بنانا چاہیئے

بعض نو واردین نے ضرورت سے زیادہ ادب کیا تو ان کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ آج کل یہ نئی بدعت نکلی ہے کہ لوگوں نے ماںانوں کے دربار کو شاہان عجم کا سا دربار بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک بزرگ کے خادم جب تک روپیہ نہ لے لیتے تھے اطلاع نہیں کرتے تھے۔

(ملفوظ ۲۴) مقولہ خالی جائے خالی آنے کا مفہوم

بعض نو واردین نے جن پر تنبیہات بھی ہو چکی تھیں قصد ہدیہ کا کیا تو فرمایا کہ یہاں آکر اور یہاں کا رنگ دیکھ کر ارادہ پیدا ہونا معتبر نہیں کیونکہ اس صورت میں تو اس نیت کا احتمال غالب ہے کہ ہدیہ دینے سے رعایت کی جائے

گی اور قرب حاصل ہو جائے گا اس حالت میں ہدیہ قبول کر لینا دین فروشی ہے۔
مجھے مولانا خلیل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا وہ قول بہت پسند آیا جو انہوں نے
ایک ریاست کے کارکنوں سے اس وقت کہا تھا جب ان کو اور مجھ کو نذرانہ کے
نام سے انہوں نے رقم دینی چاہی تھی۔ فرمایا تھا کہ ہم حاجت مند تو ہیں لیکن
الحمد للہ دین فروش نہیں۔ جب میری باری آئی تو میں نے اس سے بھی بڑھ کر
سخت بات کہی کہ بیت المال سے آپ کو یہ رقم دینا جائز ہی کہاں ہے۔ میں نے تو
ہمیشہ ہی کے لئے اس معمول کو موقوف کرا دینا چاہا اس لئے مسئلہ کی صورت
میں بتلایا اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ بزرگوں کے نذرانوں کے متعلق یہ جو
مشہور ہے کہ خالی جاوے خالی آوے اس کے صحیح معنی یہ ہیں کہ جو خالی جاوے گا
خلوص سے وہ خالی آوے گا فیوض سے لیکن آجکل خلوص کی جگہ فلوس بنا رکھا ہے
کہ اگر خالی جاوے گا فلوس سے تو خالی آوے گا فیوض سے سو یہ تو اچھی خاصی
تجارت ہوئی۔ رد ہدیہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ لوگ اس کے متعلق بھی مجھے بد
نام کرتے ہیں کہ سخت ہے مگر ہم اپنے اصول کو کس کس کے لئے چھوڑیں پھر
ایک اور مصیبت یہ ہے کہ اگر ایسا کریں بھی تو پھر وہی لوگ بدنام کریں کہ یہ
بڑے لالچی ہیں چنانچہ یہاں ایک رنگونی بڑے تاجر آئے ان کے ساتھ فلاں
سورتی بھی تھے وہ مجھ سے خود کہتے تھے کہ ہم فلاں جگہ گئے وہاں تو فلاں شخص
بڑا بد معاش ہے۔ میں نے پوچھا کیا بد معاشی کی کہنے لگے وہ ہم لوگوں کے پیچھے
پیچھے پھرتا تھا کہ چائے پی لیجئے گنا کھا لیجئے خوشامدیں کرتا پھرتا تھا۔ بڑا بد معاش
ہے۔ لیجئے خاطر کرو تو لالچی ہو اور بد معاش کھلاؤ اس سے تو وہ بدنامی تشدد اور
تکبر ہی کی اچھی۔ پھر وہ تاجر یہاں آئے تو میں نے اپنے انہیں اصولوں کے
مطابق ان سے برتاؤ کیا جو گنوار پن سمجھا جاتا ہے۔ انہوں نے کچھ کپڑے اور کچھ
نقد پیش کرنا چاہا تو میں نے لینے سے انکار کر دیا اور صاف کہہ دیا کہ جب تک کسی
سے بے تکلفی کا تعلق پیدا نہیں ہو جاتا میں ہدیہ نہیں لیتا اس پر انہوں نے ان
سورتی صاحب سے میری شکایت کی کہ میں تو بڑی تمنا سے یہ چیزیں پیش کرنے

کے لئے لایا تھا۔ میری دل شکنی ہوئی۔ ان سورتی نے کہا کہ میاں خدا کا شکر کرو کہ جس چیز کی تلاش میں تم نے یہ سفر کیا تھا وہ یہاں مل گئی۔ تم اور جہاں جہاں گئے وہاں تمہارے نام کا وظیفہ پڑھا گیا اور یہاں تمہیں کسی نے منہ بھی نہیں لگایا۔ بس سمجھ لو کہ تمہیں دین یہیں سے ملے گا۔ میں نے ان کے بہت اصرار سے صرف ایک جیان اور ایک توایہ لے لیا تھا باقی ڈیڑھ سو دو سو روپیہ کا ہدیہ سب واپس کر دیا اور کہہ دیا کہ جب دل مل جاوے گا تو پھر اس کی تلافی کر دوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا یعنی جب تعلقات بڑھ گئے پھر انکار نہیں کیا اسی دوران میں ڈاک آگئی جو بہت زیادہ تعداد میں تھی۔ مزاحاً فرمایا کہ ایک لطیفہ کی بات ہے۔ لوگ مجھے بد اخلاق کہتے ہیں بھلا کسی بد اخلاق کی ڈاک تو اتنی دکھلائے۔ کسی بد اخلاق کے پاس کہیں اتنے خطوط بھی آیا کرتے ہیں۔ ہاں ایسا خوش اخلاق بھی نہیں جیسا لوگ چاہتے ہیں اھ۔

ان خطوط میں ایک ایسے صاحب کا بھی خط تھا جن کی طرف سے ہدیہ پر اصرار تھا اور حضرت اقدس کی طرف سے قبول ہدیہ کی شرائط دہرائی جارہی تھیں۔ مزاحاً فرمایا کہ کہتے ہوں گے ع

زر دادن و درد سر خریدن

نخرے اٹھاؤ اور دو۔ مگر دینا تو وہی ہے۔ تجربوں نے یہ قواعد مقرر کرائے ہیں چنانچہ ایک صاحب نے جن کے ہدایا میں لے لیا کرتا تھا ایک موقع پر اپنی جائداد کے متعلق ایک فتویٰ طلب کیا جس کا جواب اتفاق سے فریق مخالف کے موافق تھا تو اپنے لوگوں سے میری شکایت کی کہ دیکھو ہم نے اتنے دن تو ان کی خدمت کی پھر بھی ہمارے خلاف فتویٰ دیدیا۔ لیجئے کیا ہدایا لے کر میں شریعت کے خلاف فتویٰ دیدیتا۔ ایک صاحب نے بیس روپیہ ہدیہ بھیجے اور نیت یہ لکھ کر بھیجی کہ میری آمدنی میں برکت ہو۔ میں نے واپس کر دیئے اور لکھ بھیجا کہ اگر برکت نہ ہوئی تو افسوس ہی کرنا پڑے گا اس لئے اب عمر بھر ہدیہ کی اجازت نہیں۔ اھ پھر فرمایا کہ ہدیہ تو محض دل خوش کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ

کہ ایسی مصلحتوں کی وجہ سے۔ ہدیہ تو وہ ہے کہ اگر مہدی الیہ کے متعلق یہ بھی معلوم ہو جائے کہ یہ اس وقت لاکھ روپے کا مالک ہے تب بھی دینے کو جی چاہے حضرت مولانا محمدؒ قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ سفر میں ہدیہ نہیں قبول فرماتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ تو منہ دیکھ کر دینے کا خیال پیدا ہوا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جو شخص ہم کو محتاج سمجھ کر دیتا ہے اس کا ہم نہیں لیتے غرض ہمارے سب حضرات بااصول تھے دوکاندار تھوڑا ہی تھے۔ ہاں اتنا فرق ہے کہ ان حضرات کا نہ لینا تقویٰ پر مبنی تھا میرا نہ لینا تقویٰ پر مبنی نہیں صرف غیرت پر مبنی ہے۔ مگر یہ غیرت بھی دین ہی کے لئے ہے جو اہل دین سمجھے جاتے ہیں وہ متکبروں کی نظر میں ذلیل نہ سمجھے جائیں۔

(ملفوظ ۲۵) حضرت حکیم الامتؒ کی حق پسندی کا ثبوت

بہ سلسلہ گفتگو فرمایا کہ گو مولانا انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ تحریکات حاضرہ میں بہت سرگرم تھے اور میں بالکل علیحدہ تھا لیکن باوجود اس اختلاف مشرب کے میرے رسالہ ترجیح الراجح سے بہت متاثر تھے اور کہتے تھے کہ صدیوں کے بعد یہ بات نظر آئی ہے کہ اپنی لغزشوں سے رجوع کر کے اس کو شائع کیا جاوے۔ یہی ایک بات حق پسندی اور کمال علمی و عملی کے لئے کافی ثبوت ہے جس کی اس وقت کہیں نظیر نہیں۔

شنبہ ۲۳/ ذیقعدہ ۱۳۶۰ھ

(ملفوظ ۲۶) حکایت حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب گنگوہی

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے سابق وطن شاہ آباد ضلع کرنال کا ایک مولوی صاحب سے جو وہاں مدرسہ دینیہ کھولنے والے ہیں یہ حال سن کر کہ وہاں بدعت اور اہل بدعت کا بہت زور ہے فرمایا کہ حضرت شیخ تو سخت متبع سنت تھے پھر بھی وہاں کا یہ حال ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب

گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ کے بہت ہی معتقد تھے اور فرماتے تھے کہ مجھ کو اس طریق میں جو اشکال پیش آتا ہے وہ شیخ کے مکتوبات سے حل ہو جاتا ہے۔ مولانا تو نہایت متبع سنت تھے وہ ہر ایک کے معتقد ہو نہیں سکتے تھے اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت شیخ کو وہ کس قدر متبع سنت سمجھتے تھے اور شیخ کے مکتوبات سے بھی جن میں جابجا نہایت شدومد کے ساتھ اتباع سنت کی تاکیدات ہیں یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سختی کے ساتھ متبع سنت تھے صرف سماع میں بیشک مغلوب تھے اور معذور تھے چنانچہ جب ملا حسام الدین نے آپ پر احتساب کیا تو آپ نے توبہ کر لی جب کئی روز گذر گئے تو بعض خادموں نے جن کو سماع میں لطف آتا تھا کسی چکی پیسنے والی کو ہندی کا ایک عاشقانہ دوہا سکھلا دیا جو اس نے چکی پیستے وقت گایا۔ ممکن ہے کہ وہ خود حضرت شیخ ہی کی لونڈی ہو کیونکہ اس زمانہ میں تو یہاں بھی لونڈی غلام ہوتے تھے۔ بس اس دوہی کا کان میں پڑنا تھا کہ شیخ بیتاب ہو گئے اور اسی حالت میں ملا حسام الدین کو یہ لکھ بھیجا کہ ایک آدمی کے آگ لگ رہی ہے اگر ہو سکے تو آکر بجھاؤ۔ ان کو بڑا غصہ آیا کہ توبہ کر کے پھر توڑ دی۔ وہ پھر احتساب کے لئے خانقاہ میں آئے تو خود ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ شیخ کے مرید ہو گئے شیخ نے بھی کچھ عذر نہیں کیا مرید کر لیا۔ تو یہ رنگ تھا شیخ کا۔ وہ معذور تھے پھر اس استفسار پر کہ آیا شیخ مزامیر کے ساتھ سماع سنتے تھے یا بلا مزامیر کے یہ فرمایا کہ ہمارے مولانا گنگوہیؒ کی تو یہی تحقیق ہے اور یہی اقتباس میں ہے کہ ہمارے مشائخ میں سے کسی نے مزامیر کے ساتھ سماع نہیں سنا۔ لیکن میں نے ایک خط قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کا دیکھا واللہ اعلم اس کی نسبت قاضی صاحب کی طرف صحیح بھی ہے یا نہیں بہر حال اس میں لکھا تھا کہ حضرت شیخ مع مزامیر کے سماع سنتے تھے۔ اگر یہ نسبت صحیح ہے تو میں نے اس کے متعلق یہ توجیہ کی ہے کہ مزامیر قبیح تو ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ قبیح لعینہ ہیں یا قبیح لغیرہ۔ شامی نے ان کے متعلق کچھ عذر لکھا ہے۔ اسی لئے قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ شامی کے معتقد نہ تھے۔ حضرت شیخ کے کمال میں

مزامیر کے ساتھ سماع سننے کی بناء پر تردد تھا اور مولانا ان کے بہت معتقد تھے کامل سمجھتے تھے میں نے حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق یہ روایت بھی سنی ہے۔ راوی کی تعیین یاد نہیں رہی کہ حضرت شیخ کے صاحبزادے مولانا رکن الدین عالم ہو گئے تھے۔ خود حضرت شیخ نے تحصیل علم کے لئے ان کو دہلی بھیجا تھا۔ ایک بار وہ ایسے وقت حاضر ہوئے کہ حضرت شیخ سماع سن رہے تھے مولانا رکن الدین نے آلات کو توڑ دیا شیخ نے اس غلبہ میں یہ شعر پڑھا۔

خشک تار و خشک چوب و خشک پوست
از کجامی آید ایں آواز دوست

بس ہوا میں وہ نغمات پیدا ہو گئے فرمایا رکن الدین اب انہیں بھی توڑو۔ یہ ایک مشہور حکایت ہے واللہ اعلم کیسی ہے۔

(ملفوظ ۲۷) دماغ سے انتظام نکل جانے پر اظہار افسوس

ایک بار حضرت اقدس نے ایک عزیز سے ایک ضرورت سے فرمایا کہ اندر یہ اطلاع کر دیجائے کہ صرف دو منٹ کے لئے دروازہ کھولنا ہے پردہ رکھا جاوے انہوں نے صرف یہ اطلاع کی کہ دروازہ کھولنا ہے اور دو منٹ کا لفظ نہیں کہا اس پر تنبیہ فرمائی کہ پوری بات نہیں پہنچتی یہ بھی تو کہہ دیا جاتا کہ صرف دو منٹ کے لئے کھولنا ہے۔ تاکہ انہیں زیادہ دیر تک پردہ میں رہنے کے احتمال سے تنگی نہ ہو۔ کیا دو منٹ کی قید جو میں نے لگائی تھی فضول تھی اس کو کیوں چھوڑ دیا گیا۔ پھر فرمایا کہ دماغوں سے انتظام کا مادہ ہی نکل گیا۔

(ملفوظ ۲۸) بزرگوں کے اختلاف مشرب کا سبب

ایک صاحب علم نے تیسری صدی ہجری کے ایک محقق صوفی کی جو عالم بھی تھے کتاب اللمع فی التصوف کا ابتدائی ترجمہ بطور نمونہ کے حضرت اقدس کی خدمت میں بغرض مشورہ و اصلاح بھیجا اور لکھا کہ تصوف کے متعلق ان کی

تحقیقات بالکل اپنے حضرات اکابرؒ سے ملتی جلتی ہیں بالخصوص خود حضرت اقدس کی تحقیقات سے۔ حضرت اقدس نے اس نمونہ کو دیکھ کر فرمایا کہ واقعی بڑے محقق ہیں۔ ان کی تحقیقات کو دیکھ کر تو میری روح تازہ ہو گئی انہوں نے محدثین اور فقہاء اور صوفیہ تینوں کو اپنے اپنے درجہ پر رکھا ہے۔ اور سب کی عظمت کو قائم رکھا ہے بالخصوص محدثین اور فقہاء کی صوفیہ سے زیادہ عظمت ثابت کی ہے میرا بھی بالکل یہی مذاق ہے میں محدثین کا اور فقہا کا درجہ صوفیہ سے زیادہ سمجھتا ہوں محبت تو صوفیہ کی زیادہ ہے اور عظمت محدثین اور فقہاء کی زیادہ ہے۔ ان سے باپ کا سا تعلق ہے اور صوفیہ سے بڑے بھائی کا سا عظمت تو باپ کی دل میں زیادہ ہوتی ہے لیکن محبت اتنی نہیں ہوتی جتنی بھائی سے اور بھائی کی عظمت اتنی نہیں ہوتی جتنی باپ کی لیکن محبت زیادہ ہوتی ہے۔ بس یہ رنگ ہے میرے مذاق کا۔ میرا جی شامل رہنے کو تو چاہتا ہے فقہاء اور محدثین ہی میں کہ ان کے ساتھ حشر ہو مگر کشش ہوتی ہے صوفیہ کی طرف۔ استفسار کیا گیا کہ علماء محققین صوفی بھی تھے اور بڑے کامل صوفی تھے کیونکہ صوفی اخلاق ہی کی وجہ سے تو صوفی ہوتا ہے۔ فرمایا ان حضرات کے اخلاق اللہ اکبر بہت ہی اعلیٰ درجہ کے تھے اس لئے صوفی بھی اعلیٰ درجہ کے تھے مگر وہ حضرات صوفی اس لئے مشہور نہیں ہوئے کہ ان کو مشغولی علم میں زیادہ تھی۔ وہ دوسروں کی اصلاح باطن بھی کرتے تھے لیکن ایک فرق یہ تھا کہ اس وقت عوام کو اتنی ضرورت بھی اصلاح کی نہیں تھی کیونکہ ان کے اخلاق اتنے گندے نہ تھے جتنے آج کل کے لوگوں کے ہیں اس لئے ان حضرات کو ان کی اصلاح بھی کم کرنا پڑتی تھی اس وجہ سے بھی ان کی شہرت حیثیت صوفی اور مصلح کے نہیں ہوئی استفسار پر فرمایا کہ ابن تیمیہ بھی بہت بڑے صوفی ہیں مگر خشک صوفی ہیں۔ مزاج میں تشدد ہے۔ اہل کمال کا رنگ مختلف ہے کسی کا مزاج نرم ہے کسی کا مزاج شدید ہے۔ مگر یہ فطری اختلاف ہے۔ اس اختلاف کے متعلق مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمتہ اللہ علیہ نے جو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمتہ اللہ علیہ کے

خلیفہ تھے خوب بات کہی۔ فرمایا کہ یہ جو بزرگوں میں اختلاف مشرب ہے یہ فطری اختلاف مزاج کی بناء پر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مختلف مزاج کے لوگ پیدا فرمائے ہیں۔ انہی میں سے بعض لوگ بزرگ بھی ہو گئے تو چونکہ جبلت بدلتی نہیں اس لئے بعد اصلاح اخلاق اور حصول بزرگی کے بھی مزاج کا فطری رنگ کچھ نہ کچھ ضرور رہتا ہے۔ بس اسی طرح ابن تیمیہ میں فطری طور پر سختی معلوم ہوتی ہے اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ انہوں نے ایک جگہ یہاں تک لکھ دیا ہے کہ یہ جو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف جنگ کی تھی وہ سلطنت کے واسطے تھی حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر یہ ٹھیک بھی ہو کہ سلطنت کے واسطے لڑے تھے مگر وہ سلطنت بھی تو دین ہی کے واسطے تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ الخ

اس لئے یوں نہ کہا جاوے کہ وہ دنیا کے لئے لڑے۔ غرض ابن تیمیہ اور ابن قیم بھی بزرگ ہیں لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے۔ تعبیر میں سخت عنوان اختیار کرتے ہیں۔ جیسے ایک تو یہ عنوان ہے کہ کھانا نوش جان فرما لیجئے اور ایک یہ عنوان ہے کہ ٹھونس لیجئے نگل لیجئے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی شان ادب دیکھئے کہ کسی نے ان سے سوال کیا کہ اسود افضل ہیں یا علقمہ فرمایا کہ ہمارا منہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان حضرات کا نام بھی لے سکیں نہ کہ ان میں تفاضل کا فیصلہ کریں۔ دیکھئے امام صاحب میں ادب کا کتنا غلبہ تھا۔ یہ ان کی فطری بات تھی۔ اسی طرح ایک صحابی کو دیکھئے جب ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہیں یا آپ۔ مراد یہ تھی کہ عمر میں کون بڑے ہیں اس کے لئے اکبر کا لفظ استعمال کیا ان صحابی نے فرمایا کہ رسول اللہ اکبر وانا اسن۔ یعنی بڑے تو حضور ہی ہیں لیکن سن میرا زیادہ ہے۔ اب یہ رنگ ہر ایک کا تو نہیں ہے۔ ابن تیمیہ بزرگ ہیں عالم ہیں متقی ہیں اللہ و رسول پر فدا ہیں دین پر جان نثار ہیں۔ دین کی بڑی خدمت کی ہے مگر ان میں بوجہ فطرۃً تیز مزاج

ہونے کے تشدد ہو گیا۔ کامل اور محقق شخص وہ ہے جو جامع ہو ادب اور علم کا دونوں کی رعایت رکھتا ہو۔ ہمارے حضرات سبحان اللہ دونوں کے جامع ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ وہ ابن تیمیہ کے بھی معتقد اور حسین ابن منصور کے بھی معتقد کوئی دکھلائے تو ایسے جامع حضرات جو ان دونوں کے معتقد ہوں۔ جو حسین ابن منصور کو بھی قدس اللہ سرہ کہیں اور ابن تیمیہ کو بھی قدس اللہ سرہ کہیں حالانکہ ان میں اتنا اختلاف ہے کہ اگر دونوں کا آمنا سامنا ہو جائے تو شاید لڑائی ہو جائے۔ تو دیکھئے یہ حضرات متحاربین کے معتقد ہیں۔ مولوی اسماعیل کاندھلوی ابن حجر کا قول نقل کرتے تھے کہ کثرت اعتراض دلیل ہے قلت علم کی۔ کیونکہ جس کا علم کافی ہو اس کی نظر ہر ایک کے قول اور فعل کے منشاء پر ہوتی ہے اور وہ منشاء اکثر صحیح ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے بالخصوص اکابر کے اقوال و افعال کا۔ چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحب سے میں نے ایک دفعہ ایک صوفی کی شکایت کی جس کی حکایت میں نے ایک کتاب میں دیکھی کہ اس کے پیر نے پوچھا کہ تم خدا تعالیٰ کو جانتے ہو اس نے کہا میں کیا جانوں خدا کو میں تو تمہیں جانتا ہوں۔ میں نے جب یہ حکایت دیکھی تو مجھے بڑا غصہ آیا اور مولانا کے پاس جا کر کہا کہ دیکھئے صوفی ایسے گمراہ ہونے لگے ہیں جو کہتے ہیں کہ میں خدا کو کیا جانوں۔ میں یہ سمجھ کر حاضر ہوا تھا کہ مولانا کو بھی میری طرح بہت غصہ آئے گا۔ لیکن بجائے غصہ کرنے کے ہنسے اور ایک خاص لہجہ سے فرمایا اور تم خدا کو جانتے ہو کچھ ایسے لہجہ سے فرمایا اور شاید کچھ تصرف بھی ہو کہ میں حضرت کے جواب کو سمجھ گیا اور عرض کیا کہ واقعی حضرت خدا کی کنہہ تو میں بھی نہیں جانتا۔ فرمایا پھر اس کے قول کو بھی اسی پر کیوں نہ محمول کیا جائے۔ یہی تو اس نے بھی کہا کہ میں کیا جانوں خدا کو۔ یہ لہجہ تو تم نے بنا لیا غصہ میں آکر جس سے سننے والا کچھ کا کچھ مطلب سمجھ جائے۔ تمہیں کیا معلوم کہ اس نے بھی اسی لہجہ سے کہا تھا۔ یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ اس نے بھی اسی لہجہ سے کہا ہوگا جس لہجہ سے تم نے یہی بات کہی۔ فلاں شاہ صاحب پر ہمارے یہاں تو کفر کے فتوے لگائے جاتے تھے اور

حضرت حاجی صاحب کے یہاں ان کا ذکر آیا تو فرمایا کہ صاحب باطن ہیں غلطی میں مبتلا ہو گئے ہیں اگر میرے پاس آجائیں تو میں انہیں غلطی سے نکال دوں میں نے کہا لے بھائی یہاں تو ایسے لوگ بھی جنہیں ہم اہل باطل سمجھتے تھے اہل باطن نکلے۔ بات یہ ہے کہ اپنے عیوب پر جس کی نظر ہو گی اس کی دوسروں کے کمالات پر نظر ہو گی۔ میں شیخ اکبرؒ کا معتقد ہوں ان کی حمایت بھی میں نے بہت کی ہے لیکن جس کو کشش کہتے ہیں وہ نہیں۔ پھر بھی جو میں نے حمایت کی تو اس واسطے کہ کوئی وجہ شرعی نہیں ان سے بد گمانی کی۔ جیسے قورمہ بڑا عمدہ ہو جس میں گھی بھی بہت سا پڑا ہو اور مصالحے بھی کثرت سے ہوں مگر ایسے قورمہ کو میرا دل قبول نہیں کرتا۔ اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ میں اس کے اچھے ہونے کا معتقد نہیں اس کی مذمت تھوڑا ہی کر سکتا ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہ واقعی بہت قیمتی اور اچھا کھانا ہے۔ لیکن کیا کروں اس کو میرا دل نہیں لیتا۔ تو بعضے بزرگوں کے ساتھ بھی میرا ایسا ہی عقیدہ ہے جیسا قورمہ کیساتھ کہ اس کو لطیف کھانا سمجھتا بھی ہوں اور کہتا بھی ہوں لیکن اس کے کھانے کو جی نہیں چاہتا۔ اسی سلسلہ میں حضرت شیخ اکبرؒ کی پیشین گوئیوں اور مکاشفات کے متعلق استفسار کرنے پر فرمایا کہ پیشین گوئی کا صحیح ہونا دلیل بزرگی کی نہیں پیشین گوئیاں تو نجومی بھی کرتے ہیں اور جوگی بھی کرتے ہیں اور بہت سی صحیح بھی ہوتی ہیں لیکن اس میں کیا رکھا ہے۔ اب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی اہل کتاب نے بھی کی اور کاہنوں نے بھی کی اور وہ صحیح تھی۔ ان چیزوں میں کچھ نہیں رکھا۔ اسی طرح مکاشفات میں کیا رکھا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کشف رابر کفش می زنیم۔ جس سے خدا کا قرب بڑھے بس وہ چیز ہے ان چیزوں سے خدا کا قرب نہیں بڑھتا۔ اگر کسی کو عمر بھر بھی کشف نہ ہو تو اس کی مقبولیت میں کیا نقص واقع ہوا کچھ بھی نہیں۔

ملفوظات ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۰ھ

(ملفوظ ۲۹) حدیث سے تاویل کا ثبوت

سلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ ایک اہل حدیث نے مجھ سے کہا کہ حضرت حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا رومی رحمتہ اللہ علیہ وغیرہما کے کلام کی جو توجیہات و تاویلات کی جاتی ہیں اس کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جو کلام ظاہراً قرآن و حدیث کے خلاف ہو وہ بہر حال قابل رد ہے۔ میں نے کہا کہ ایک حدیث کی وجہ سے تاویل کی ضرورت ہے وہ اس پر چونکے اور کہا کہ حدیث میں ان کا ذکر کہاں۔ میں نے کہا کہ حدیث میں ہے۔

انتم شہداء اللہ فی الارض

یہ حضورؐ نے اس وقت فرمایا تھا جب دو شخصوں کے بارے میں جن کا قریب ہی زمانہ میں انتقال ہوا تھا لوگ اظہار خیال کر رہے تھے ان میں سے ایک کی تو اکثر لوگ تعریفیں کر رہے تھے اور ایک کی برائیاں پہلے کے متعلق حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ جنتی ہے اور دوسرے کے بارے میں فرمایا کہ وہ دوزخی ہے اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ

انتم شہداء اللہ فی الارض

یعنی تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں شاہد ہو۔ مطلب حضورؐ کا یہ تھا کہ چونکہ ایک شخص کی تو تم تعریفیں کر رہے تھے اس لئے یہ علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی وہ اچھا تھا اور جس کی برائی کر رہے تھے یہ اس کی علامت ہے کہ وہ خدا کے نزدیک بھی برا تھا۔ اھ مگر قواعد کلیہ سے یہ سمجھنا چاہئے کہ اچھا اور برا کہنا خالی الذہن لوگوں کا معتبر ہو گا۔ کسی غرض سے یا عداوت کی بناء پر اچھا یا برا کہنا معتبر نہ ہو گا۔ تو بس اسی حدیث کی بناء پر تم جامع مسجد کے دروازہ پر جا کر کھڑے ہو جاؤ اور جو نمازی نکلتے جائیں ان میں ایک ایک سے پوچھو کہ حضرت مولانا رومی اور حضرت حافظ شیرازی کے متعلق مثلاً تمہاری کیا رائے ہے تم انہیں کیسا سمجھتے ہو۔ پھر یہ دیکھو کہ ان حضرات کی تعریف کرنے والے

اور ان کو بزرگ سمجھنے والے زیادہ ہیں یا برا سمجھنے والے۔ تم دیکھو گے کہ شاید ہی کوئی شاذ و نادر ایسا ملے جو ان حضرات کو بزرگان دین اور اولیاء اللہ میں سے نہ سمجھتا ہو اگر ایسے نکلیں گے بھی تو دو چار سے زیادہ نہ ہوں گے۔ کثرت سے بزرگ سمجھنے والے ہی ملیں گے۔ تو اس حدیث کی وجہ سے ان حضرات کے کلام کی تاویل کرنی ضروری ہے۔ ہر کس و ناکس کے کلام کی تاویل ہم تھوڑا ہی کرتے ہیں۔

(ملفوظ ۳۰) مقولہ ننانوے محل کفر کے عدم اعتبار کا ثبوت

بہ سلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ فقہاء کا جو یہ حکم ہے کہ اگر کسی میں ننانوے وجوہ کفر کے اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو ان ننانوے وجوہ کا اعتبار نہ کیا جائے گا اور اس ایک وجہ کا اعتبار کیا جائے گا اس کا مطلب لوگ غلط سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ایمان کے لئے صرف ایمان کی ایک بات کا ہونا بھی کافی ہے بقیہ ننانوے باتیں کفر کی ہوں تب بھی وہ مزیل ایمان نہ ہوں گے۔ حالانکہ یہ غلط ہے اگر کسی میں ایک بات بھی کفر کی ہو گی وہ بالاجماع کافر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر کسی کلام میں ننانوے محمل کفر کے ہوں اور صرف ایک محمل ایمان کا ہو تو اس پر حکم ایمان ہی کا لگایا جائے گا نہ کہ کفر کا۔ کیونکہ ایمان کا کم از کم ایک احتمال تو ہے۔ یہ معیار تو کسی کی تکفیر کرنے کے لئے مقرر کیا گیا ہے کہ ایمان کے ادنیٰ سے ادنیٰ احتمال کے ہوتے ہوئے بھی کسی کی تکفیر نہ کریں اور متکلم کی ذات کے اعتبار سے اگر وہ ایک محمل کفر کا بھی معتقد ہو گا تو کافر ہو گا۔

(ملفوظ ۳۱) کفارہ صوم ادا کرنے کا احتیاطی حکم

بہ سلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ کفارہ صوم ادا کرنے کے لئے اختلاف کی بناء پر احتیاط اس میں ہے کہ ہر روزہ کا کفارہ جدا جدا ادا کیا جائے ایک تاریخ میں ایک مسکین کو دو حصے نہ دیئے جاویں چنانچہ میں ایسا ہی کرتا ہوں گو

روز روز تقسیم کرنے میں مجھے بڑی زحمت ہوتی ہے مگر دوسرے کی امانت میں احتیاطی پہلو ہی اختیار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۳۲) رقم زکوٰۃ کی تقسیم کتب میں احتیاط

بعض کتب مشترک رقم سے طبع ہوئی ہیں جن میں سے اکثر نے تو حضرت اقدس کو اختیار کلی دے دیا ہے کہ جہاں چاہیں تقسیم فرما دیں اور بعض نے زکوٰۃ میں دینے کے لئے عرض کر دیا ہے۔ اس کے متعلق یہ سوال پیدا ہوا کہ کس قیمت پر زکوٰۃ میں دی جائیں۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ ان لوگوں کو کوئی نفع اٹھانا تھوڑا ہی مقصود ہے ایک مفید کتاب کو زکوٰۃ کے روپیہ سے شائع کرا دینا مقصود ہے اور چونکہ اس وقت اور شرکاء نے مفت تقسیم کرنے کے لئے میرے پاس یہی کتابیں رکھوا دی ہیں جو بلا قیمت شائقین کو پہنچ جائیں گی اس لئے جو قیمت اس کتاب کی تجویز کی گئی ہے اس قیمت پر سہولت سے بکنا مشکل ہے۔ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ زکوٰۃ ادا کرنے میں صرف لاگت پر یہ کتابیں دی جائیں تاکہ ہر صورت میں قریب قریب یقیناً پوری زکوٰۃ ادا ہو جائے کیونکہ اس صورت میں یہ احتمال ہی نہ رہے گا کہ اس قیمت پر سہولت سے نہ بک سکیں گی۔ جن صاحب کے اہتمام سے یہ کتابیں طبع ہوئی ہیں ان سے فرمایا کہ اس کا مشورہ ان صاحبوں کو دے دیا جائے۔

(ملفوظ ۳۳) سب سے زیادہ قابل نفرت چیز تکبر ہے

بہ سلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ سب سے زیادہ نفرت کی چیز میرے ذہن میں تکبر ہے اتنی نفرت مجھے کسی گناہ سے نہیں جتنی اس سے ہے۔ یوں اور بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جیسے زنا۔ شرب خمر وغیرہ لیکن نفرت طبعی جتنی تکبر سے ہے کسی سے نہیں۔ اور اس میں یہ ہے کہ تکبر شعبہ شرک کا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا خدا کے بڑے ہوتے ہوئے ایک درجہ کا شرک نہیں تو اور کیا ہے

کیونکہ متکبر آدمی بندہ ہوتے ہوئے بھی اپنے لئے وہ صفت ثابت کرتا ہے جو خدائے تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ ایک اور سلسلہ میں فرمایا کہ ابو جہل کا تکبر فرعون سے بھی بڑھا ہوا تھا کیونکہ فرعون تو مرتے وقت کچھ ڈھیلا بھی ہو گیا تھا گو اس وقت اس کا ایمان مقبول نہ ہوا لیکن ابو جہل نے تو مرتے وقت بھی یہ حسرت کی کہ کاش میرا قاتل کاشتکار نہ ہوتا کیونکہ انصار کے ایک نوجوان لڑکے نے اس کو قتل کیا تھا۔ ان حضرات میں زیادہ کاشت کار ہوتے تھے۔ نیز میں نے اپنے استاد سے سنا تھا کہ جب ایک صحابی اس کی گردن کاٹنے لگے تو اس نے یہ خواہش کی کہ میری گردن ذرا نیچے سے کاٹی جاوے تاکہ جب مقتولین کے سر رکھے جاویں تو میرا سر سب سے اونچا نظر آوے۔ کیا ٹھکانا ہے اس تکبر کا۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جس وقت اس کا سر کاٹ کر حاضر کیا گیا تو آپ نے بھی فرمایا کہ مات فرعون ہذہ الامتہ۔ اھ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ آج کل بھی فرعون دماغ رکھنے والے موجود ہیں اھ۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس کے فیض و برکت اور دعا و توجہ سے اس ارذل الناس احقر جامع کے اور سب دوستوں کے قلب و دماغ سے بھی اس رذیلہ خبیثہ کو زائل فرمائے آمین ویرحم اللہ عبداً قال امینا۔

(ملفوظ ۳۴) عدل و ترحم کی تعلیم

رنگون پر بمباری کی خبر سن کر فرمایا کہ عام رعایا پر بمباری کرنے سے کیا فائدہ کیونکہ عوام محارب تھوڑا ہی ہیں۔ شریعت نے تو غیر محاربین کے قتل کرنے کی بالکل ممانعت فرما دی ہے یعنی بچے بوڑھے۔ عورتیں بلکہ راہب بھی قتل سے مستثنیٰ ہیں جو محض اپنے دین کے کاموں میں لگے ہوئے ہیں سیاست سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ لیکن جو بوڑھے یا راہب لڑائی کی ترکیبیں بتلاتے ہوں ان کو قتل کر دینے کی اجازت ہے۔ غرض قتل صرف ان کو کیا جاتا ہے جو محارب ہوں عملاً یا عرفاً یا محارب بالا رادہ ہوں۔ قتل عام جو سراسر ظلم ہے اور

اس سے کوئی فائدہ نہیں شریعت اسلامیہ میں بالکل ممنوع قرار دیدیا گیا ہے۔ سبحان اللہ کیا عدل اور ترحم کی تعلیم ہے۔

(ملفوظ ۳۵) حضرت حکیم الامت کی غایت احتیاط

استفسار پر فرمایا کہ گو تمول سے بعض اوصاف مثلاً فراخ دلی عالی دماغی استغناء وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں لیکن یہ منافع زیادہ تر دنیویہ ہی ہیں۔ اور قرآن و حدیث میں جو دنیا طلبی کے انہماک اور تمول کی کوشش سے جا بجا منع فرمایا گیا ہے وہ اس لئے کہ اس سے باوجود ان دنیوی فوائد کے اخروی نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً تکبر ظلم بے دینی اس تمول ہی سے پیدا ہوتے ہیں البتہ اگر کسی کی دینی تربیت اعلیٰ درجہ کی ہو پھر اس کا نشوونما تمول کی حالت میں بھی ہوا ہو تو اس میں ایسے خاص اوصاف جیسے فراخ حوصلگی عالی دماغی اور استغناء اکثر حالات میں بلا زیادہ ریاضت و مجاہدہ کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ بلکہ یہ گویا اس کی فطرت ہی میں ہوتے ہیں اور وہ مفاسد پیدا نہیں ہوتے۔ پھر فرمایا کہ الحمد للہ مجھ کو جو اللہ تعالیٰ نے بقدر ضرورت یہ جذبات عطا فرمائے ہیں یہ سب والد صاحب کی ثروت کا اثر ہے۔ کیونکہ نشوونما ہی ایسی حالت میں پایا ہے اور اس کے ساتھ ہی خود ان کی تربیت مشائخانہ تھی۔

(ملفوظ ۳۶) حضرت اور اسماء الٰہیہ کی تحقیق

اسماء الٰہیہ کا ترجمہ ایک صاحب کر رہے ہیں انہوں نے کسی اسم صفاتی کا ترجمہ اس عنوان سے کیا کہ مالک فلاں صفت کا اس پر فرمایا کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات مملوک ہونے سے منزہ ہے ویسے ہی اس کی صفات بھی مملوک ہونے سے منزہ ہیں کیونکہ مملوک کی تو یہ شان ہے کہ مالک جب چاہے مملوک کو بر طرف کر دے اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کو کسی صفت کا مالک کہا جائے تو یہ لازم آئے گا کہ وہ جب چاہیں اس صفت کو زائل کر دیں اور یہ عقائد حقہ کے خلاف ہے اھ۔

اسی سلسلہ میں ان صاحب نے اسم مقدم کو بفتح الدال پڑھ دیا تو حضرت اقدس نے فوراً تنبیہ فرمائی کہ نعوذ باللہ حق تعالیٰ کو اس نام سے پکارنا فی نفسہ کلمہ کفر ہے اب ہرگز یہ نہ کہئے گا۔ یہ میں نے اول بار مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی ہی سے سنا تھا کہ یہ کلمہ کفر ہے کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ نعوذ باللہ کسی دوسرے نے اللہ تعالیٰ کو مقدم کیا حالانکہ وہ خود دوسروں کو مقدم کرنے والے ہیں یعنی مقدم ہیں (بکسر الدال) نہ کہ بالعکس۔

(ملفوظ ۳۷) لوگوں کی عدم بیدار مغزی پر اظہار افسوس

اسماء الہیہ کے ترجمہ کے سلسلہ میں اس عرض پر کہ مثنوی شریف کا فلاں شعر ایک خاص دعوے کی دلیل کے طور پر نقل کر دیا جائے فرمایا کہ شرائع میں صوفیوں کے قول سے استدلال تھوڑا ہی کر سکتے ہیں۔ وہ حضرات تو بس محبت میں مسلم ہیں باقی قرآن و حدیث کی شرح صوفیہ کے اقوال سے کرنا پھاٹک ہے گمراہی کا میں نے جب کبھی وعظوں میں تصوف کے مضامین کو بیان کیا ہے تو علم کے تحت میں کبھی نہیں بیان کیا بلکہ صاف کہہ دیا کہ یہ محض لطیفہ ہے اور نکتہ ہے حجت نہیں ہے اور علم نہیں ہے اور محبت تو صوفیہ سے مجھے اتنی ہے کہ کسی سے بھی نہیں مگر اس کے یہ معنی تھوڑا ہی ہیں کہ قرآن حدیث کے جو خاص مدلولات انہوں نے غلبہ محبت میں بیان کئے ہیں ان کو بھی حجت قرار دیدوں اس میں تو علماء محققین ہی کے اقوال حجت ہوں گے۔

(ملفوظ ۳۸) معالجہ نفس

بہ سلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ معالجہ نفس کبھی خلاف تحقیق تقریر سے بھی ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ نافع ہونا دلیل ہو اس تقریر کے صحیح ہونے کی۔ اس مسئلہ سے بہت کم لوگ واقف ہیں اھ۔ یہ اس موقع پر فرمایا جب ایک صاحب علم کو ایک صاحب کی غیر محقق تقریر سے بہت نفع باطنی محسوس

ہوا جس کی بعد کو حضرت اقدس نے محققانہ تقریر جواب عریضہ بھیجی تاکہ علمی غلطی رفع ہو جائے اور اس کی مثال کے لئے ایک حکایت بیان فرمائی وہ حکایت یہ ہے کہ کسی مریض کو مالیخولیا کے غلبہ سے یہ وہم ہو گیا کہ میرا بدن آبگینہ کا ہے کوئی تدبیر موثر نہیں ہوئی ایک طبیب نے نوکروں کو حکم دیا کہ جب اس کو لایا جاوے اس پر کمبل ڈال کر گرا دیا جاوے اور کمبل پر بوتلیں توڑ دی جاویں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اس کے بعد کمبل اتار کر وہ شیشہ کے ٹکڑے اس کو دکھلا کر کہا گیا کہ یہ شیشہ کا خول تمہارے بدن پر چڑھ گیا تھا وہ اتر گیا اب اصل بدن رہ گیا چنانچہ وہ اپنے بدن کو دیکھ کر کہنے لگا کہ واقعی اب اصلی بدن رہ گیا۔ دیکھئے یہ بیان طبیب کا بالکل خلاف واقع تھا مگر نافع ہوا۔ اسی طرح تدبیر اور چیز ہے اور تحقیق اور چیز۔

(ملفوظ ۳۹) حضرت حکیم الامتؒ کا اطباء پر کامل اعتماد

ایک طبیب صاحب نے حضرت اقدس کے لئے نسخہ لکھ کر عرض کیا کہ اس کو ملاحظہ فرما لیا جاوے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ دیکھیے تو وہ جو طب جانتا ہو میں تو فن نہ جاننے کی حالت میں آپ کے لکھے ہوئے نسخہ کو دیکھنا خلاف ادب سمجھتا ہوں۔ ایک بار ایسے ہی موقع پر جب کہ ایک صاحب نے پوچھا کہ طبیب نے کیا مرض تشخیص کیا فرمایا کہ میں نے کبھی طبیبوں سے پوچھا ہی نہیں کہ کیا مرض تشخیص کیا کیونکہ تحقیق تو وہ کرے جو تنقید کر سکے میں تو طبیبوں سے پیر کا سا برتاؤ کرتا ہوں۔ ایک بار لکھنؤ میں حکیم شفاء الملک صاحب مرحوم نے بھی نسخہ دیکھنے کے لئے عرض کیا تھا وہاں اس عنوان لطیف سے انکار فرمایا کہ میں تعمیل حکم کرنے کے لئے تیار ہوں لیکن آنکھیں بند کر کے دیکھ لونگا۔

(ملفوظ ۴۰) حضرت تھانویؒ کی غایت احتیاط

ایک صاحب نے کوئی عمل پوچھا تو حسب معمول تحریر فرما دیا کہ میں

عامل نہیں ہوں۔ ایک عامل کا پتہ لکھتا ہوں لیکن یہ معلوم نہیں کہ وہ کچھ خرچ بھی کراتے ہیں یا نہیں اھ اس کے بعد حاضرین سے فرمایا کہ میں نے یہ فقرہ احتیاطاً بڑھا دیا ہے کیونکہ ایک بی بی راوی ہیں کہ کسی رئیس کے لئے ان عامل صاحب نے تعویذ لکھا اور لکھنے کے بعد کہا کہ اس کے ایک سو ایک روپیہ ہوئے۔ گو میں نے اس روایت کو باوجود راوی کے معتبر ہونے کے یقین نہیں کیا لیکن پھر بھی ان کو فقرہ مذکورہ لکھ بھیجا کیونکہ اس میں بہر حال احتیاط ہے میں کسی کے خسارہ کا سبب نہیں بننا چاہتا۔

(ملفوظ ۱۴۱) قرض دینے یا لینے کے وقت تحریر میں حکمت

ایک خادم کے قرض لیکر بھول جانے کے واقعہ پر فرمایا کہ جب کسی سے قرض لے اس کو اپنی یادداشت میں لکھ لے اور جب ادا کرے تب بھی لکھ لے۔ اس میں بڑی مصلحتیں ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کے متعلق بہت مفصل ہدایات اس آیت میں ارشاد فرمائیں ہیں۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ

حضرت اقدس اس آیت کے ہر ہر جزو کا ترجمہ فرماتے جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے ہر ہر جزئی حکم کی مختصرا توضیح فرماتے جاتے تھے جو اس آیت میں دین کے معاملات میں لکھ لینے کے بارے میں مذکور ہیں پھر فرمایا کہ چاہے چھوٹا ہی معاملہ ہو لیکن اس کو بھی لکھ لے کیونکہ لکھ لینے سے بہت مدد ملتی ہے اور پھر کوئی شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ سب شبہات کا علاج یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ تو ارشاد ہے اب آگے فقیہ کا کام ہے۔ اہل فقہ نے یہ طے فرما دیا ہے کہ یہ مشورہ ہے واجب نہیں۔ محض ہماری مصلحت کے لئے یہ دستور العمل بتا دیا گیا ہے۔ باقی اگر کوئی اپنی مصلحت ہی کو فوت کرنا چاہے تو وہ جانے اختیار ہے۔ فقہاء نے تو اس کے متعلق یہ حکم لگایا۔ اہل ظاہر ظاہر پر گئے۔ انہوں نے فاکتبوہ کے لفظ سے یہ سمجھا کہ لکھنا واجب ہے۔ اب رہ گئے صوفی صاحب انہوں نے کہا کہ میاں یہ تو ساری تفسیریں مدلول و مقصود ہیں ہی مگر ہمیں تو اس آیت سے ایک سبق بھی ملا وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی رحیم ہیں وہ ہمارا ذرہ برابر اور ایک پیسہ کا بھی نقصان نہیں چاہتے جب ایسے رحیم کریم ہیں تو امید ہے کہ ہمارا اس سے زیادہ ضرر یعنی عذاب کب پسند کریں گے صوفیہ کے نزدیک سب سے زیادہ امید کی آیت یہی ہے۔ امید کی آیت تو عموماً سب لوگ لاتقنطوا من رحمة اللّٰه کو سمجھتے ہیں لیکن صوفیہ کے نزدیک اس سے بھی بڑھ کر امید کی آیت یہ آیت ہے۔ اسی طرح صوفیوں کی نظر ہر جگہ ایسی جگہ پہنچتی ہے جہاں دوسروں کی نہیں جاتی چنانچہ ایک حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ پچھلی رات کو اللہ تعالیٰ عرش سے آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اس کے متعلق محدثین اس تحقیق میں مشغول ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ نزول ظاہری بلا تاویل ہے گو اس نزول کی حقیقت ہم نہیں سمجھ سکتے جس قسم کا نزول ظاہری بلا تاویل ہے۔ جس قسم کا نزول ان کی ذات کے لائق ہے ویسا نزول فرماتے ہیں متکلمین کہتے ہیں کہ نزول کے معنی توجہ خاص کے ہیں ظاہری نزول سے وہ منزہ ہیں صوفی اور ہی طرف گئے وہ کہتے ہیں کہ

اس بحث ہی کی ضرورت نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا نزول کس طرح کا ہوتا ہے ہمیں تو بس یہ سوچنا چاہئے کہ ہماری وجہ سے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تشریف لاویں اور ہم پڑے سوتے رہیں یہ ہمیں کب زیبا ہے کہ اتنے بڑے بادشاہ کی تو تشریف آوری ہو اور ہم استقبال سے غافل رہیں۔ اس تحقیق کو چھوڑو کہ کس طرح نزول فرماتے ہیں بلکہ اس وقت جاگ کر ان کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ غرض اپنے اپنے موقع پر تینوں کی ضرورت ہے محدث کی بھی فقیہ کی بھی صوفی کی بھی اور جو تینوں کا حق ادا کرے وہ شخص جامع ہے اھ۔ پھر سائق کی طرف عود کیا گیا یعنی آیت مذکورہ میں جو دو شاہدوں کے ساتھ لکھ لینے کی ہدایت ہے اس کے سلسلہ میں یہ واقعہ بھی نقل فرمایا کہ کسی مقدمہ میں قاضی کیساتھ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ مع ایک دوسری عورت کے گواہی دینے کے لئے تشریف لائیں تو حسب معمول ایک کی گواہی کے وقت دوسری کو علیحدہ ہو جانے کی ہدایت کی گئی اس پر امام صاحب کی والدہ نے قاضی کو متنبہ کیا کہ ہم دونوں کی گواہی ایک دوسرے کے سامنے ہو گی۔ کیونکہ شرعاً دو عورتیں ایک ہی گواہ کے برابر ہیں۔ اس صورت میں اگر ہم میں سے ایک کو الگ کیا گیا تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ایک گواہ کے دو ٹکڑے کر دیئے گئے جس کی شریعت میں کیسے اجازت ہو سکتی ہے بلکہ عورتوں کے لئے فتذکر احداھما الاخری کا حکم ہے یعنی اگر گواہی دیتے وقت دونوں میں سے ایک کسی واقعہ کو بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلادے۔ اگر ہم دونوں کی شہادت ایک دوسری کی غیبت میں لے گئی تو یہ کیونکر ممکن ہو گا اھ تو اس پر قاضی کو تنبہ ہوا اور دونوں کی شہادت اجتماع ہی کی حالت میں لی گئی۔ اس سے قبل قاضی صاحب کا ذہن بھی اس طرف نہ گیا تھا۔ ان بزرگوں کی فقاہت کی یہ حالت تھی۔

(ملفوظ ۴۲) آجکل لوگوں کے دماغ بیدار نہیں۔

حضرت اقدس کے ایک ملازم کے ساتھ روپیہ کہیں گم ہو گئے تو گو

اس رقم سے زیادہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس ہی کے ہاتھوں دلوا دیئے لیکن بہت افسوس فرماتے رہے کہ بہت ہی غافل ہے طبیعت بیدار نہیں اور یہی ایک کیا آجکل کثرت سے یہی ہے کہ لوگوں کے دماغ بیدار نہیں یہ مرض عام ہے کوئی اس سے نہیں بچا نہ امیر نہ غریب نہ عالم نہ جاہل مگر یہ لوگ بڑی راحت میں رہتے ہیں جیسے مفلوج بڑی راحت میں رہتا ہے کہ اس کی کھال میں کوئی چھری بھی بھونک دے تب بھی کوئی تکلیف نہیں تو یہ لوگ مفلوج ہیں انہیں کچھ حس ہی نہیں اور صاحب مجھے تو اس سے بڑی ہی نفرت ہے کیونکہ اس میں اپنا تو ضرر ہے ہی ایسے شخص سے دوسروں کو بھی ضرر ہی زیادہ ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۴۳) معاملہ کرتے وقت لکھنے کا فائدہ

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ ایک مشہور عربی مثل ہے کہ

تعاشروا کالاخوان و تعاملوا کالا جانب

کہ باہم گذران تو کرو مثل بھائیوں کے لیکن معاملہ کرو مثل اجنبیوں کے اس میں بڑی مصلحتیں ہیں معاملات کی صفائی بڑی اچھی چیز ہے جب کسی سے قرض لے یا دے یا ادا کرے اس کو فوراً لکھ لے مثلاً دھوبی کو کپڑے دیتے وقت لکھ لینے سے یہ فائدہ تو ہے ہی کہ بھول نہیں ہوتی۔ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر کاغذ کھو بھی جائے تب بھی دھوبی پر رعب رہتا ہے اور وہ پورے ہی کپڑے لا کر حوالہ کرتا ہے حساب اور آلات حساب اور لکھنا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے بڑے احسانات ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اپنے احسانات ہی میں بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ۔

اور فرماتے ہیں

وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ

(ملفوظ ۴۴) معاملات کی صفائی بڑی چیز ہے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ نقل کرتے بھی صدمہ ہوتا ہے کہ ہمارے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ ایسے تو بے نظیر بزرگ اور پھر بھی ان کی تنخواہ کیا تھی صرف چالیس روپیہ ماہوار جو آج ایک نو آموز طالب علم بھی مشکل سے قبول کرتا ہے اور اگر تنخواہ کی کمی بھی منظور کرتا ہے تو اس طرح سے کہ اثر میں کمی نہ ہو چنانچہ ایک مدرسہ میں بوجہ قلت آمدنی مدرسین سے کہا گیا کہ اپنی تنخواہوں میں تخفیف منظور کر لیں۔ صدر مدرس صاحب نے کہا کہ اس طرح تو تخفیف نہیں کروں گا۔ میں تنخواہ تو پوری لوں گا لیکن جتنی تخفیف ضروری سمجھی جائے اتنی رقم اپنی طرف سے مدرسہ میں داخل کر دیا کروں گا تاکہ نام تو رہے کہ تنخواہ اتنی ہے تو یہاں تک باتیں نظر میں آنے لگیں کہ چاہے تنخواہ کم ہو جائے لیکن شان ویسی ہی رہے اب تو اتنی تنخواہ کو کوئی خاطر میں بھی نہیں لاتا اور وہاں اس کی بھی بڑی قدر تھی وجہ کیا کہ وہ حضرات اپنے کو صاحب کمال ہی نہیں سمجھتے تھے اس واسطے صاحب مال ہونا نہیں چاہتے تھے۔ غرض چونکہ مولانا کا کنبہ بہت بڑا تھا اس لئے خرچ میں بہت تنگی ہوتی تھی اور چونکہ وہاں صفائی اور سادگی بہت زیادہ تھی۔ یہ گھر والوں کی شکایت بھی سب کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ کنبہ والے زیادہ طلبی کرتے ہیں میری چالیس روپیہ تو تنخواہ ہے اور ہر شخص یہی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ چالیس روپیہ مجھے دیدو تو میں چالیس کی صرف ایک رقم کو چالیس چالیس کی اتنی ساری رقمیں کیسے بنا سکتا ہوں پھر بطور تحدث بالنعمتہ کے فرمایا کہ اللہ اکبر ہمارے بزرگوں نے تو اس طرح بسر کیا ہے اور یہاں تو اللہ تعالیٰ نے نوابی کیا بادشاہی دے رکھی ہے اور قلب اور تنگی خدا کے فضل سے کہیں ارد گرد بھی نہیں حالانکہ نہ کوئی لیاقت ہے نہ کمال بس وہ جو مشہور ہے وہ حال ہے کہ اللہ میاں نے اپنے گدھوں کو بھی حلوا دے رکھا ہے اور اتنا دے رکھا ہے کہ بعض ڈپٹیوں کو بھی کئی کئی سو روپیہ قرض دے رکھے ہیں

اور جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی وصیت میں تحریر فرمایا تھا کہ الحمد للہ بندہ کسی کا مقروض نہیں ہوتا اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اللہ نے مجھ کو بھی یہ دولت عطا فرمار کھی ہے الحمد للہ میں بھی کسی کا مقروض نہیں ہوتا اھ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے مقروض رہنے کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ جب میں دیوبند پڑھتا تھا تو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے والد صاحب کو وہ مجھے فراغت کا خرچ بھیجتے تھے گو تکلف اور تنعم تو نہیں تھا لیکن آرام اور فراخی کے ساتھ رہتا تھا۔ چنانچہ کھانا پکانے کے لئے ایک مدت تک باورچی بھی تھا۔ ایک بار مولانا نے مجھ سے پوچھا کہ کچھ خرچ میں گنجائش بھی ہے۔ یہ ایسے آہستہ لہجہ میں فرمایا کہ میں بجائے خرچ کے خط سمجھا اور سمجھا کہ والد صاحب کو جو میں خطوط لکھا کرتا ہوں اس میں بھی گنجائش ہے۔ میں نے اسی بناء پر عرض کیا کہ جی حضرت بہت گنجائش ہے اس پر فرمایا کہ دس روپیہ دیدو۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ خرچ کی گنجائش کو دریافت فرما رہے تھے۔ چونکہ الحمد للہ میرے پاس خرچ کی بھی فراغت تھی اس لئے میں نے فوراً دس روپیہ حاضر کر دئے جو مولانا نے تنخواہ ملتے ہی ادا فرما دئے۔ پھر تو اکثر مہینوں میں ایسا ہی ہوا کرتا۔

(ملفوظ ۴۵) بعض ملفوظات قلم زد فرمانے کی حکمت

بعض ملفوظات جن کے متعلق یہ احتمال تھا کہ عوام کو غلط فہمی نہ ہو جائے قلمزد فرما کر فرمایا کہ فقہاء نے بھی بہت سے مسائل میں یہ تصریح کر دی ہے کہ یعرف ولا یعرف اھ

پھر فرمایا کہ صوفیہ نے تو اس کی پروا نہیں کی کیونکہ ان کو اپنے حال میں اسقدر مشغولی ہے کہ کسی دوسرے کی خبر ہی نہیں۔ لیکن اس میں فقہاء کا مسلک بہت احتیاط کا ہے۔

(ملفوظ ۴۶) عرفی ادب سے گرانی ہوتی ہے

ایک نو وارد حضرت اقدس کے مجلس سے اٹھنے کے وقت خود بھی ادب کی وجہ سے کھڑے ہو گئے حالانکہ اور سب حاضرین حسب معمول بیٹھے رہے کیونکہ حضرت اقدس کو اس قسم کے عرفی ادب سے بہت گرانی ہوتی ہے۔ حضرت اقدس نے ان صاحب کو تنبیہ فرمائی کہ کیا یہ جتنے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں یہ سارے بے ادب ہی ہیں۔ اگر خود قاعدہ معلوم نہ تھا تو ان کو دیکھ کر تو یہ سمجھ لینا چاہئے تھا کہ یہاں کا یہ دستور نہیں۔

(ملفوظ ۴۷) انگریزی محاورات کے استعمال پر اظہار ناگواری

ایک گاؤں کے ایک رئیس کے فرستادہ دیہاتی ملازم نے ان الفاظ سے واپس جانے کی اجازت چاہی کہ کیا میں جا سکتا ہوں۔ اس پر تنبیہ فرمائی کہ یہ محاورہ تم نے کہاں سے سیکھا ہے گاؤں کی بولی بولنا چاہئے۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ مجھ سے ایک صاحب نے انہیں الفاظ سے رخصت چاہی تو میں نے کہا کہ آپ خود اپنی ٹانگوں کو دیکھ لیجئے کہ آپ جا سکتے ہیں یا نہیں میں کیا جانوں اسی طرح بعض حضرات کھانے کے لئے پوچھا کرتے ہیں کہ میں کھا سکتا ہوں۔ میں کہہ دیتا ہوں اپنا معدہ دیکھ لیجئے۔ یہ سب تکلفات عجمی ہیں۔ اور اس قسم کے محاورے تو انگریزی ہیں۔ ان سب کو چھوڑ کر عرب کی سی سادی معاشرت اختیار کرنی چاہئے۔

(ملفوظ ۴۸) مولانا محمد رشید صاحب کا ادب

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ مولوی محمد رشید مرحوم جنہوں نے مجھ سے پڑھا تھا بڑے حق گو لیکن اس کے ساتھ ہی بڑے با ادب تھے۔ ایک بار میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہاں ریزگاری کی ضرورت پڑی۔ ایک صاحب کے پاس موجود تھی ان کو روپیہ دیکر میں نے ریزگاری لے لی۔ مولوی صاحب بھی اس وقت

موجود تھے وہ آگے بڑھے اور مجھ سے پوچھا کہ یہ معاملہ کیا بیع میں تو داخل نہیں مجھے فوراً تنبہ ہوا۔ میں نے کہا کہ خیال نہیں رہا۔ یہ معاملہ تو واقعی بیع میں داخل ہے جو مسجد میں جائز نہیں۔ پھر میں نے ان صاحب کو جن سے معاملہ ہوا تھا ریزگاری واپس کر کے کہا کہ میں اب اس معاملہ کو فسخ کرتا ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ مسجد سے باہر چلو وہاں پھر اس معاملہ کو ازسر نو کریں گے چنانچہ مسجد سے باہر آکر اور روپیہ دیکر میں نے پھر ان سے ریزگاری لے لی۔ مولوی محمد رشید کی اس بات سے میرا بڑا جی خوش ہوا کیونکہ ظاہر کرنا تو ضروری ہی تھا لیکن انہوں نے نہایت ادب سے ظاہر کیا۔ یہ پوچھا کہ کیا یہ بیع میں تو داخل نہیں۔ ایسے ہی حیدرآباد میں فخریار جنگ نے کیا۔ میں نے وعظ میں ایک مضمون بیان کیا جو محض نکتہ تھا استدلال نہ تھا انہوں نے گھر پر آکر مجھ سے پوچھا کہ یہ مضمون جو بیان کیا گیا یہ کس درجہ کا استدلال ہے میں ہنسنے لگا اور یہ کہا کہ یہ استدلال نہ تھا یہ تو لطیفہ تھا۔ گو جب میں یہاں آیا تو میں نے اس لطیفہ کو بھی ایسا لباس پہنا دیا کہ وہ سچ مچ استدلال ہو گیا مگر مجھے ان کا ادب بہت پسند آیا۔ یہی تو ایک چیز ہے۔ وعظ اسرار العبادہ میں اس کی تفصیل شائع ہوئی ہے۔

(ملفوظ ۴۹) مسلم لیگ اور کانگریس کی شرکت سے متعلق جامع جواب

ایک صاحب نے اس مضمون کی جو حضرت اقدس نے مسلم لیگ اور کانگریس کی شرکت کے متعلق تحریر فرمایا ہے تعریف کی کہ بہت ہی گٹھا ہوا اور سب پہلوؤں کا جامع مضمون ہے۔ فرمایا کہ میں دعوی تو کرتا نہیں کیونکہ یہ میرا منہ کہاں لیکن سچی بات یہ ہے کہ وہ تو وہبی عبارت ہے کیونکہ رات کے دو بجے دفعتہً بلا کسی خاص داعیہ کے خودبخود قلب میں تقاضا پیدا ہوا کہ اس وقت اٹھ کر لکھ اور میں اسی وقت بیٹھ کر بیساختہ جو عبارت ذہن میں آتی چلی گئی بلا تامل قلم

برداشتہ لکھتا چلا گیا۔ تو وہ تو بالکل وارد ہے جو سچی بات ہے اس کے کہنے میں مجھے کچھ تامل نہیں ہوتا چنانچہ میں تو اپنے محاسن بھی اور نقائص بھی دونوں بیان کرتا رہتا ہوں اور اس میں حرج ہی کیا ہے اگر کسی کے پاس روپیہ ہوں اور وہ کہہ دے کہ میرے پاس روپیہ ہیں تو اس میں جھوٹ ہی کیا ہے ہاں اگر ہوں تو صرف روپیہ اور کہہ دے کہ میرے پاس اشرفی ہے تو یہ البتہ جھوٹ ہے جو سچی بات ہے وہ کہہ دیتا ہوں کہ میرے پاس روپیہ تو ہیں اشرفی نہیں ہے جو ہے ہے جو نہیں ہے نہیں ہے نہ تکبر نہ عرفی تواضع بس سچ بولنا چاہئے تاکہ دوسرے کو دھوکا نہ ہو۔

(ملفوظ ۵۰) عرفی ادب جو حدود سے متجاوز ہو باعث نفرت ہے

عرفی ادب سے جو حدود سے متجاوز ہو حضرت اقدس کو بڑی نفرت ہے اور اس سے حضرت اقدس کو بڑی اذیت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ یہ ادب ایسا ہے جیسے بدعتیوں کی عبادت کہ وہ صورت میں تو عبادت ہی ہے اور بہ نیت عبادت ہی کی بھی جاتی ہے لیکن چونکہ اس میں غلو اور حدود سے تجاوز ہے اس لئے وہ مقبول نہیں بلکہ موجب گرفت ہے۔

(ملفوظ ۵۱) عملیات قریب قریب سب اجتہادی ہیں

فرمایا کہ عملیات قریب قریب سب اجتہادی ہیں روایات سے ثابت نہیں جیسا کہ عوام کا خیال ہے بلکہ عاملین نے مضمون کی مناسبت سے ہر کام کے لئے مناسب آیات وغیرہ تجویز کر لی ہیں چنانچہ والشمس کا جو مشہور عمل حفاظت حمل کے لئے ہے اس کے متعلق میں سوچا کرتا تھا کہ اس سورت کو اس غرض کے لئے کیوں تجویز کیا گیا ہے اس میں تو بظاہر کوئی ایسا مضمون نہیں جس کو حفاظت حمل سے کوئی مناسبت ہو لیکن پھر اس طرف ذہن گیا کہ اس میں یہ الفاظ ہیں ونفس وما سواھا۔ بس محض اتنی سی مناسبت سے اس سورۃ کو اس

کام کے لئے تجویز کر لیا گیا میں یہ آیت بھی بڑھا دیتا ہوں۔

يَا اَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَاغَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ الَّذِىْ خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ

اسی طرح وضع حمل کے لئے عموماً یہ آیت لکھی جاتی ہے والقت مافیھا وتخلت کیونکہ اس کا مضمون وضع حمل کے مناسب ہے میں اس میں یہ بھی بڑھا دیتا ہوں۔ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ

کیونکہ اس کا مضمون تو بالکل اسی موضوع پر ہے میں نے اسی طرح بہت سے عملیات میں اپنی طرف سے اضافے کر دئے ہیں اور بہت سے خود میں نے مناسبات کی بناء پر ایجاد بھی کر لئے ہیں سوائے ایک دو کے جو خواب میں کسی بزرگ نے بتائے تھے سب اجتہادی ہیں۔ جب کانپور میں طاعون کا زور تھا اور گھر کے لوگ میرے پاس نہ تھے تو مجھے وحشت سی تھی۔ اسی زمانہ میں مجھے خواب میں معلوم ہوا کہ کوئی بزرگ فرمارہے ہیں کہ سورہ انا انزلنا پڑھ کر کھانے پر دم کر لیا کرو۔ اور ایک بار کسی بزرگ نے خواب ہی میں کسی کام کے لئے یہ آیت بتائی تھی سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰا هُمْ الخ وہ کام اب یاد نہیں رہا اھ۔

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ میں نے عملیات کے اس قسم کے سب قیود کو حذف کر دیا ہے کہ پیر کا دن ہو۔ دوپہر کا وقت ہو کیونکہ میرا یہ خیال ہے کہ یہ نجوم کا شعبہ ہے اس لئے ناجائز سمجھ کر چھوڑ دیا۔

(ملفوظ ۵۲) بغیر اجازت مجلس خاص میں ایک صاحب کی شرکت پر اظہار افسوس

ایک صاحب صبح کی مجلس خاص میں شرکت کے لئے جو دولت خانہ پر ہوتی ہے در دولت پر حاضر ہو گئے۔ جب حضرت اقدس کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ بدون پہلے سے اجازت لئے کیوں آگئے۔ اس کے تو یہ معنے ہوئے کہ ہم اوروں

سے کس بات میں کم ہیں۔ یہ تو کبر ہے۔ یہ احتمال ہونا چاہئے تھا کہ ممکن ہے کوئی فارق ہو۔ کم سے کم احتمال تو پیدا ہونا چاہئے تھا کہ معلوم نہیں کیا مصلحت ہے کیا نہیں ہے مگر آج کل غباوت حد سے زیادہ ہے کچھ ذہن ہی میں نہیں آتا۔ آدمی جس کا معتقد ہو اس کی اجازت تو لینا چاہئے۔ اور اگر وہ اجازت لیتے تو میں دیدیتا اور اتنا ناگوار نہ ہوتا۔ ناگواری تو اس بات کی ہے کہ اپنے اختیارات سے مجھے مغلوب کرنا چاہتے ہیں ورنہ مجھے تو از خود خیال رہتا ہے یا خالی الذہن ہو کر ابتداء ہی سے اوروں کیساتھ آنا شروع کر دیتے جب سے آئے ہیں کئی دن تک تو اس وقت آئے نہیں پھر آج آئے تو گویا اپنے اختیار میں ہوا جب چاہئیں آئیں جب چاہئیں نہ آئیں بس یہ بات ناگوار ہوئی معاشرت کا سلیقہ ہی نہ رہا۔ ماشاء اللہ یہ عالم فاضل ہیں لیکن پھر بھی ایسے ضروری امور ذہن میں نہیں آتے۔

(ملفوظ ۵۴) حشو عبارت سے مضمون کی وقعت کم ہو جاتی ہے

ایک رسالہ کی سیدھی سادی تمہید لکھ کر ایک خادم کو دی جو اس کو مرتب کر رہے ہیں۔ اور فرمایا کہ گو مختصر ہے لیکن اس میں سب ضروری باتیں آگئیں۔ حشو و زوائد سے یا رنگین عبارت سے مضمون کی وقعت جاتی رہتی ہے اور اس کا وزن کم ہو جاتا ہے۔ مضمون ایسا ہونا چاہئے جس کو آج کل کی اصطلاح میں ٹھوس کہتے ہیں یا میری اصطلاح میں یوں کہئے کہ سنگین ہو رنگین نہ ہو۔ عرض کیا گیا کہ کلام مجید میں بھی تو مقفےٰ عبارت ہے فرمایا کہ بہت جگہ قافیہ چھوڑ دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ قادر تھے بلکہ بعض مقامات پر تو قافیہ آسانی سے لایا جا سکتا تھا۔ پھر بھی چونکہ اس قافیہ کے لانے سے معنے میں وہ زور نہ رہتا اس کو چھوڑ دیا گیا۔ سورہ ق ہی میں جا بجا دال کے قافیے ہیں لیکن بہت جگہ قافیہ چھوڑ دیا ہے اسی طرح قرآن میں باہم آیات میں ظاہری ربط کا بھی التزام چھوڑ دیا گیا ہے اور در حقیقت ربط کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ قرآن کا جو اصل مقصود ہے وہ ربط پر موقوف نہیں اس لئے بلا التزام ربط اس میں کام کی باتیں جمع کر دی ہیں گو میں

نے ربط آیات اپنی تصنیف سبق الغایات فی ربط الایات میں دکھلایا ہے جس کو بہت لوگوں نے پسند کیا ہے مگر وہ سب ظنی تخمینی ہے جس پر کوئی دلیل قوی نہیں اعتقاداً میں یہی سمجھتا ہوں کہ باہم آیات میں کسی ربط کی ضرورت ہی نہیں۔ اب جو کلام مجید میں ایک آیت کا دوسری آیت سے ربط ظاہر نہیں اس میں یہ خوبی پیدا ہو گئی کہ ہر آیت میں ایک مستقل مضمون ہے۔ اگر باہم ربط ہوتا تو اس میں یہ خوبی نہ ہوتی۔ وہاں یہ خیال ہوتا کہ ایک مضمون تو مقصود اور مستقل ہے دوسرا اس کا تابع۔ اب سب مضمون مستقل ہی ہیں۔ کسی مضمون کی اہمیت دوسرے مضمون سے کم نہیں۔ دیکھئے باپ جو اپنے لڑکے کو نصیحت کرنے بیٹھتا ہے تو کیا ان نصیحتوں میں باہم کوئی ربط بھی ہوتا ہے۔ بس چند نصیحتیں جو ضروری ہوتی ہیں کر دی جاتی ہیں کہ بیٹا یہ کرنا یہ نہ کرنا باہم نصیحتوں میں کوئی ربط تھوڑا ہی ہوتا ہے سب مفید باتیں حسب مصلحت بتا دی جاتی ہیں اور جو ربط کا اہتمام ہو تو سمجھو کہ شفقت زیادہ نہیں صرف حسن کلام کی رعایت ہے زیادہ نظر بس کلام کے حسن پر ہے فائدہ پر نہیں۔ اس واسطے یہ تو خوبی قرآن کی ہے کہ اس میں ربط ظاہر نہیں۔ البتہ باہم تناسب کی نفی نہیں کی جاتی مگر وہ بھی کسی دلیل سے متعین نہیں اجمالاً ایک دلیل سے ثابت ہے اور وہ دلیل تلاوت کی ترتیب کا نزول کی ترتیب سے مختلف ہونا ہے توقیفاً آیتوں کے مواقع بتلائے جاتے تھے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان مواقع سے خاص مناسبت ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ استفسار پر فرمایا کہ یہ جو رکوع قرآن شریف میں جگہ جگہ لکھ دیئے گئے ہیں یہ بزرگوں کا صرف عمل ہے کہ جہاں انہوں نے رکوع کر دیا متبعین نے وہیں رکوع بنا دیا۔ یہ رکوع کسی نص سے ثابت نہیں بلکہ بعض تو بالکل بے محل ہیں مثلاً ایک رکوع اس سے شروع ہوتا ہے۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ

حالانکہ مضمون کے اعتبار سے

وَاَصْحَابُ الشِّمَالِ مَآ اَصْحَابُ الشِّمَالِ

سے شروع ہونا چاہئے چنانچہ معنے سمجھنے والوں پر مخفی نہیں۔ تو دیکھئے
یہی بے جوڑ رکوع ہے مگر خیر امت کے خلف نے بزرگوں کے تعامل کی بھی
بہت حفاظت کی ہے ورنہ پھر نئی نئی باتیں نکالنے کی جرات ہوتی۔ اب بھی لاہور
میں ایک شخص نے گو دیوبند کے رہنے والے ہیں ایک یہ بدعت ایجاد کی کہ
قرآن مجید کی ترتیب ہی کو بدل دیا ہے اور اس کو مضامین کے اعتبار سے مرتب کیا
ہے میں نے ان کو خط بھی لکھا تھا اور متنبہ کیا تھا مگر کچھ جواب نہیں دیا سو اس
جرات کا سدباب کرنے کے لئے بزرگوں نے تعامل امت کا بھی اتباع کیا ہے۔
اس کا یہی مقصود تھا کہ بس جو ہو گیا ہو گیا اب کوئی نئی بات نہ نکالیں اور حضرت
اگر ظاہر ربط نہ ہونا موجب قدح ہوتا تو سب سے زیادہ دشمن اول اول عرب
کے قریش تھے وہ ضرور نقص نکالتے مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی اور خود عرب کے
شاعروں میں بھی صرف ضرورت پر نظر ہے ربط کا خواہ مخواہ کا خبط نہیں چنانچہ
سبعہ معلقہ ہی میں یہ شعر ہے ~

هل غادر الشعراء من متردم

امر هل عرفت الدار بعد توهم

دیکھئے ان دو مصرعوں میں باہم کوئی ربط نہیں۔ اول مصرع میں کچھ
مضمون ہے۔ دوسرے میں کچھ وہاں شعراء کا حال بیان کر رہے تھے یہاں گھر کا
حال بیان کرنے لگے۔ متنبّی نے البتہ ان تکلفات کا زیادہ اہتمام کیا ہے اور اسی کو
اہل عرب اچھا نہیں کہتے۔ کہتے ہیں کہ اس کے کلام میں عجمیت ہے عربیت نہیں
عربیت میں تو سادگی ہوتی ہے تکلف نہیں ہوتا۔ اس پر یاد آیا کہ قاری
عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی اپنے صاحبزادہ قاری عبدالعلیم صاحب کے متعلق
فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس کو عجمیت سے تو نکال دیا ہے لیکن یہ عربیت میں
ابھی نہیں آیا۔ وہ خود بھی ایسا سادہ پڑھتے تھے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ قاری
ہیں حالانکہ قاری صاحب قراءت میں کامل تھے اور انہوں نے اس کمال کو
اکتساب سے اس طرح حاصل کیا تھا کہ جب حج کو گئے تو راستہ میں کسی چٹان پر

بیٹھ گئے اور وہاں جو بدوؤں کے بچے کھیلتے ہوتے اور آپس میں بولتے ان کے مخارج کو بہت غور کے ساتھ سنتے اور دیکھتے کہ کس حرف کو کس طرح ادا کرتے ہیں تو اس طرح انہوں نے اس کمال کا اکتساب کیا تھا اور اسی کمال کی بناء پر باوجودیکہ ان کے صاحبزادہ بھی بڑے ماہر قاری تھے مگر ان کے بارے میں بھی یہ فرمایا کہ عجمیت سے تو میں نے نکال دیا ہے لیکن عربیت میں ابھی نہیں لا سکا اھ۔

(ملفوظ ۵۴) سفارش کا ایک بے خطر طریقہ

فرمایا کہ چند روز سے میں نے ایک بہت بے خطر طریقہ سفارش کرنے کا نکال لیا۔ سفارش چاہنے والے سے کہہ دیتا ہوں کہ جس سے تم میری سفارش چاہتے ہو اس کے نام پہلے تم خود ایک درخواست لکھ لاؤ اور ان سے جو کچھ التجا کرنی ہو وہ اس میں تحریر کر دو پھر میں اپنی معلومات کے مطابق اس پر اپنی تصدیق لکھ دوں گا کیونکہ یہ مجھے گوارا نہیں کہ خود تو رہیں مخدوم بنے ہوئے اور ہمیں بنائیں خوشامدی میں کیوں خواہ مخواہ التجا کروں التجا تو وہ خود کرے جس کی غرض ہو باقی تصدیق سفارش کرنے والا کر دے اھ۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ اثر تو اس تصدیق کا بھی ہوتا ہوگا۔ فرمایا کہ جی ہاں لیکن ایک تو اثر ہوتا ہے طیب خاطر سے اور ایک جبر و کراہت سے ایک تو محبت کا اثر ہوتا ہے ایک جبر کا میں چونکہ سفارش میں ہمیشہ آزادی دیتا ہوں اس لئے جو کچھ اثر ہوتا ہے محبت سے اور طیب خاطر سے ہوتا ہے۔ جبر و اکراہ سے نہیں ہوتا۔

(ملفوظ ۵۵) دعا کے لئے خشوع لازم ہے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ میرے چھوٹے بھائی مولوی مظہر قنوج کے سفر میں میرے ہمراہ تھے کیونکہ وہ اس زمانہ میں مجھ سے عربی پڑھا کرتے تھے میں نے ان کو ساتھ لے لیا تھا تاکہ حرج نہ ہو وہاں نماز میں غیر مقلدین کی آمین

بالجہر سن کر انہوں نے ایک بہت اچھی بات کہی کہ آمین تو دعا ہے اور دعا کے لئے خشوع لازم ہے۔ ان کی آمین میں تو خشوع نہیں معلوم ہوتا۔ عاجزانہ لہجہ نہیں لٹھ سا مارتے ہیں۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خانصاحب کے بڑے صاحبزادہ ایک بار جماعت میں شریک تھے نواب صاحب کے ایک معتقد نے زور سے آمین کہی انہوں نے بعد سلام کے اس کے ایک دھول رسید کی اور کہا کہ حدیث میں آمین بالجہر تو آئی ہے لیکن یہ کونسی حدیث میں آیا ہے کہ آمین کی اذان دی جائے۔

(ملفوظ ۵۶) ھدایہ پڑھنے کی حکمت

فرمایا کہ اکبر حسین صاحب جج اور ناظر حسن صاحب رامپوری وکیل کی قابلیت جو حکام میں بھی مسلم تھی وہ عربی ہی کی بدولت تھی چنانچہ وکیل صاحب نے تو خود کہا کہ یہ جو وکالت میں میری نظر ایسی رسا ہے یہ محض ھدایہ پڑھنے کی برکت ہے اھ۔

پھر فرمایا کہ ہمیں یعنی عربی کے طالب علموں کو اپنی ہی دولت کی خبر نہیں یہ بھی فرمایا کہ اگر کتب درسیہ سمجھ کر پڑھیں تو بڑی قابلیت پیدا ہو مگر اکثر طالب علم سمجھ کر نہیں پڑھتے اھ۔ پھر فرمایا کہ قابلیت نئی نصاب سے نہیں پیدا ہوتی۔ دیوبند کے قدیم نصاب سے نصیب ہوتی ہے چنانچہ جدید نصاب کے جو بڑے بڑے مایہ ناز حضرات ہیں وہ اب اس ناکارہ سے رجوع کر کے اپنے علم کو علم ہی نہیں سمجھتے۔

(ملفوظ ۵۷) اصول صحیحہ کی پابندی کا ثمرہ

ایک صاحب نے کچھ ہدیہ ایک معمولی سی ٹوکری میں رکھ کر پیش کیا ان کے چلے جانے کے بعد خادم سے فرمایا کہ گو یہ ٹوکری بہت معمولی سی ہے لیکن ان کو واپس دے آنا۔ پھر حاضرین سے فرمایا کہ میں ایسی چیزوں کے لئے یہ

بھی نہیں پوچھتا کہ واپس ہو گی یا نہیں بلکہ واپس ہی کر دیتا ہوں پھر اگر ان کا ارادہ واپس لینے کا نہ ہو تو واپسی کے وقت بھی تو دے سکتے ہیں پوچھنے میں تو یہ احتمال ہے کہ دراصل تو خیال واپس لینے کا ہو لیکن پوچھتے وقت اس ارادہ کو ظاہر کرتے ہوئے شرما دیں اور بادل نخواستہ رکھ لینے کے لئے کہہ دیں چنانچہ ایک مرتبہ ریواڑی کے سفر میں یہ میرا خیال صحیح ثابت ہوا۔ ایک صاحب نے مجھے ایک چھوٹی سی مستعمل کلھیا میں گھی دیا۔ میں نے ساتھیوں سے کہا کہ اس کلھیا کو خالی کر کے واپس کرو۔ انہوں نے کہا کہ یہ تو بہت ہی معمولی سی کلھیا ہے اس کا کیا واپس کرنا میں نے کہا کہ واہ اس کی قدر تو عورتوں سے پوچھو بہت سا گھی تو پی کر یہ چکنی ہوئی ہے نئی کلھیا پھر اتنا ہی گھی پی کر چکنی ہو گی۔ چنانچہ بعد کو گھی دینے والے نے اس کی تصدیق کی کہ واقعی میرے گھر والوں نے مجھ سے تاکید کر دی تھی کہ کلھیا ضرور واپس لے آنا وہیں مت چھوڑ آنا لیکن میری ہمت نہ ہوئی کہ ایسی معمولی سی چیز کو کیا واپس لوں۔ دیکھئے میرا معمول کیسا کام آیا غرض اصول ہمیشہ قابل رعایت ہیں جو شخص اصول صحیحہ کی ہمیشہ پابندی کرنے کا عادی ہو گا اس کو کبھی پچھتانا نہ پڑے گا۔

(ملفوظ ۵۸) کان پور میں ایک عالم کو امیر ہلال مقرر کرنا

فرمایا کہ جب میں کانپور میں تھا تو وہ وقت ایسا تھا کہ وہاں کے مختلف علماء میں باوجود اختلاف مشرب کے اتنی تہذیب تھی کہ اگر کوئی شخص کسی مولوی کے پاس کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو وہ کہہ دیتا کہ فلاں مولوی صاحب سے جا کر پوچھو یہاں تک کہ ایک شخص نے تنگ آکر ایک مولوی صاحب سے کہا کہ بس جی جب کوئی مولوی مسئلہ نہیں بتاتا دوسرے ہی سے پوچھنے کو کہہ دیتا ہے تو اب میں پادری صاحب سے جا کر مسئلہ پوچھوں گا۔ جب میں نے یہ رنگ دیکھا کہ لوگ پریشان ہوتے ہیں بالخصوص رویت ہلال کے متعلق جس کے فیصلہ کی

فوری ضرورت ہوتی ہے تو میں نے مختلف علماء سے مل کر اور ضرورت ظاہر کر کے ان کی رضا مندی لے لی کہ مولوی محمد عادل صاحب کو جو سب سے زیادہ بوڑھے بھی تھے اور بظاہر ان سے دوسروں کے تابع ہونے کی کم امید تھی امیر ہلال مقرر کرا دیا اور اس کا اعلان کر دیا کہ ہلال کے متعلق جس کو کچھ پوچھنا ہو وہ انہیں سے جا کر پوچھے۔ اگر علماء کو بھی کچھ اختلاف ہو تو وہ بھی براہ راست انہیں کے پاس جا کر ان سے گفتگو کر کے اخیر بات طے کر لیں غرض ہلال کے متعلق انہیں کا قول قول فیصل قرار دیا جائے تاکہ عوام میں تو تشویش نہ ہو جس کے بہت برے نتائج مشاہدہ میں آ چکے تھے تو وہ وقت ایسا تھا کہ باوجود اختلاف مسلک کے سب علماء کو اس بات پر متفق کیا جا سکا آج کل ایسے اختلافات کے ہوتے ہوئے بھلا سب کا متفق کر لینا کہاں ممکن ہے۔

(ملفوظ ۵۹) زمانہ تحریکات میں حضرتؒ کا اعتماد علی اللہ

تحریکات کے زمانہ میں لوگ میرے بہت درپے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کے بھروسہ میں بدستور آمادگی کے ساتھ اکیلا مشی کے لئے جنگل جاتا رہا۔ ایک روز ایک بوڑھا راجپوت مجھے جنگل میں ملا اس نے بہت ہمدردی سے کہا کہ میاں اکیلے کہاں پھرا کرتے ہو کچھ خبر بھی ہے کہ دنیا میں خصوص تمہارے لئے کیا ہو رہا ہے میں نے کہا کہ چوہدری جی مجھے وہ سب معلوم ہے جو تمہیں معلوم ہے لیکن اتنا فرق ہے کہ تم کو تو ایک ہی بات معلوم ہے اور مجھے وہ بھی معلوم ہے جو تمہیں معلوم ہے اور دوسری بھی معلوم ہے جو تمہیں نہیں معلوم۔ اور وہ یہ بات ہے کہ بدون خدا کے حکم کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر وہ ہندو ہو کے کہتا ہے کہ اجی اگر تمہیں اس پر اطمینان ہے تو پھر تمہیں کوئی جو کھم یعنی خطرہ نہیں۔ جہاں چاہو پھرو۔

(ملفوظ ۶۰) کامل کون ہے

بسلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ کامل وہ ہے جو انبیاء کے طریق پر ہو جو انبیاء کے طریق پر نہ ہو وہ کامل نہیں اس لئے دل اسی کی طرف کھنچتا ہے جو جامع ہو شریعت و طریقت کا۔ گو میں نے حضرت ابن منصور رحمتہ اللہ علیہ کی بہت حمایت کی ہے لیکن جس کو دل کا کھنچنا کہتے ہیں وہ نہیں تاہم ان کو برا سمجھنے کی بھی جیسا بعض متشددین نے کیا ہے کوئی دلیل نہیں ہے ان کے اقوال موہمہ ان کو غلبہ حال کی بناء پر نظر انداز بھی تو کیا جا سکتا ہے۔ بالخصوص جب ان میں اور آثار بزرگی کے بھی پائے جاتے ہیں پھر جیسے صوفیوں کے موحش اقوال ہیں ویسے ہی بہت سے علماء ظاہر کے بھی اقوال ہیں میں کتابوں سے نکال کر بتلا سکتا ہوں مگر لوگ علماء سے دبتے ہیں اور صوفیوں کو دباتے ہیں کیونکہ علماء کو اگر چھیڑ دیں تو وہ جھاڑ کی طرح پیچھے پڑ جائیں اور صوفی بیچارے کسی سے کچھ نہیں کہتے انہیں کوئی برا چاہے کہہ لے وہ کچھ نہیں بولتے کیونکہ وہ تو خود ہی اپنے کو ہیچ در ہیچ سمجھتے ہیں۔

(ملفوظ ۶۱) انقلابات میں تکالیف

جنگ کے تذکرہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ سبحان اللہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی حکمت کی تعلیم فرمائی ہے کہ جنگ کی تمنا نہ کرو اور اگر اتفاق پڑ جائے تو پھر استقلال سے کام لو۔ فرماتے ہیں۔

لا تتمنوا لقاء العدو فاذا لقیتم فاصبروا اھ

جنگ کی وجہ سے گرانی وغیرہ اور بدامنی کے خطرات کے تذکرہ پر فرمایا کہ دیکھئے انقلابات میں یہ تکلیفیں ہیں اس لئے تمنا سے منع فرمایا گیا۔ ایک خادم نے عرض کیا کہ انشاء اللہ بدامنی میں بھی خانقاہ تو حضرت کی برکت سے محفوظ ہی رہے گی۔ فرمایا کہ اکیلی خانقاہ کی حفاظت سے کیا ہوتا ہے سارے ہی

مسلمانوں کی حفاظت کا خیال ہونا چاہئے۔ ایک بزرگ کی حکایت ہے کہ ان کے دکان کے قریب آگ لگی جب ان کو خبر پہنچی تو لوگوں سے پوچھا کہ میری دکان تک تو آگ نہیں پہنچی۔ عرض کیا کہ وہ تو بالکل محفوظ رہی اس پر ان بزرگ نے الحمد للہ کہا اس کے بعد خیال ہوا کہ اور مسلمانوں کے گھر اور دکانیں جل جانے کا تو کچھ رنج نہ ہوا بس اپنی دوکان محفوظ رہنے پر خوشی ہوئی اور الحمد للہ کہا ان بزرگ نے اپنے اس واقعہ کو اپنے خدام کے سامنے نقل کر کے فرمایا کہ اس الحمد للہ سے توبہ کرتے مجھے چالیس برس ہو گئے کہ یہ کیوں کہا تھا۔ اللہ اکبر کتنا اہتمام تھا دین کا اور کتنی نگرانی تھی اپنے اقوال و احوال کی۔

(ملفوظ ۶۲) جھک کر بات کرنے سے اذیت

ایک نو وارد نے جھک کر کچھ کہنا چاہا فرمایا کہ جھکنے کی کیا ضرورت ہے جو کچھ کہنا ہو سیدھے بیٹھ کر آواز سے کہو۔ تکلفات نہیں کرنے چاہئیں اھ پھر فرمایا کہ لوگوں نے طالب علموں کی مجلس کو بھی فرعون کا دربار سمجھ لیا ہے۔ آج کل جتنی باتیں ادب میں داخل ہیں قریب قریب سب موجب اذیت ہیں عرصہ ہوا ایک شخص نے بہت آہستہ آواز سے کچھ کہا میں نے جب گرفت کی تو یہ عذر کیا کہ میری آواز پست ہے میں نے کہا کہ اچھا نماز کے وقت کبھی اذان بھی دی ہے اس میں تو آواز پست ہو لیکن نہ اتنی جتنی مجھ سے بات کرتے وقت ہے۔ میں ہر ہر بات کی اصلاح کرتا ہوں جب ہی تو میں بد نام ہوں لوگ سمجھتے ہیں کہ بڑا سخت ہے حالانکہ میری ساری تعلیمات کا حاصل یہ ہے کہ سب کو راحت ہو مجھ کو بھی اوروں کو بھی اگر تحصیل راحت کے لئے میں تشدد بھی کروں تو وہ تشدد نہیں کیونکہ اس سے مقصود سہولت ہے جب مقصود سہل ہے تو اس کے اختلال پر سختی کرنا سختی نہیں بلکہ تسہیل کی تقویت ہے۔

دیکھئے نماز کے ترک پر کیسی سخت وعید ہے یہاں تک کہ بعض کا فتویٰ یہ ہے کہ قتل کر دیا جاوے تو اگر اس پر نماز کو کوئی سخت کہنے لگے اس اعتراض کا

کیا جواب ہے۔ جواب یہی ہے کہ نماز جب اتنی سہل ہے اور پھر بھی اس میں کوتاہی کی گئی تو یہ دلیل ہے نہایت غفلت کی لہذا اس کے ترک پر سزا بھی سخت ہونا حقیقت میں اس کی تسہیل کی تقویت ہے نہ کہ سختی۔ لکھنو میں نماز کی سہولت کی تقریر پر ایک مولوی صاحب نے جو حاضر مجلس تھے یہ اعتراض کیا کہ کلام مجید میں تو نماز کی بابت یہ الفاظ ہیں کہ اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ فوراً یہ جواب دیا گیا کہ اس کے آگے اِلاَّ عَلَی الْخَاشِعِیْنَ بھی تو پڑھ لیا ہوتا۔

غرض نماز کو جب شروع کرو گے تو بالکل آسان نظر آئے گی اور یوں اگر کوئی قصد نہ کرے تو کھانا بھی مشکل ہے جیسے واجد علی شاہ کے احدیوں کی حکایت مشہور ہے کہ سینہ پر بیر پڑا رہا اس کو بھی اٹھا کر نہ کھا سکے دوسرے سے اٹھوانے کی فرمائش کی تو ایسوں کا تو ذکر ہی نہیں پھر معترض صاحب سے فرمایا گیا کہ اگر کوئی خشوع کو مشکل بتلادے تو اس کے متعلق اِلاَّ عَلَی الْخَاشِعِیْنَ کے بعد یہ بھی ہے

اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلَاقُوْارَبِّھِمْ وَاَنَّھُمْ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یعنی یہ اعتقاد رکھے کہ مجھے خدا کے پاس جانا ہے اور اس کے روبرو ہونا ہے اس سے خشوع بھی آسان ہو جائے گا۔ سبحان اللہ اس آیت میں تو پورا سلوک موجود ہے مگر سب میں قصد شرط ہے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے ایک ایسے ہی سوال کا جواب ارشاد فرمایا تھا حدیث کا درس ہو رہا تھا جب یہ حدیث آئی

من صلی رکعتین لایحدث فیھما نفسہ غفرلہ ماتقدم من ذنبہ

یعنی اگر کوئی شخص دو رکعتیں ایسی پڑھے جن میں حدیث النفس نہ ہو یعنی کوئی خیال نہ لاوے تو اس کے گذشتہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اس پر ایک طالب علم نے یہ سوال کیا کہ کیا ایسی نماز ممکن ہے۔

اس کا ضابطہ کا جواب تو اور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خطرات کا آنا یہاں مراد نہیں بلکہ لانا مراد ہے ارادہ اختیاری فعل ہے لیکن مولانا نے ایک

حکیمانہ جواب فرمایا کہ میاں کبھی تم نے ایسی نماز پڑھنے کا ارادہ بھی کیا تھا جب نہیں کیا تو یہ سوال قبل از وقت ہے جب ایسی نماز پڑھنے کی کوشش کرو اور دشواری پیش آوے تب یہ سوال کرنا۔ پہلے کر کے تو دیکھو پھر ممکن ہونے نا ممکن ہونے کو پوچھنا غرض لوگ اپنی اصلاح کا ارادہ ہی نہیں کرتے ورنہ اصلاح کوئی ایسی چیز نہیں جو نہ ہو سکے قصد سے اللہ تعالیٰ سب آسان فرما دیتے ہیں اور اصلاح معاشرت جس کا ذکر شروع ملفوظ میں ہے اس کے آسان ہونے کا ایک معین امر یہ ہے کہ یوں غور کرے کہ جیسا معاملہ میں اس شخص سے کر رہا ہوں اگر میرے ساتھ اور لوگ ایسا ہی معاملہ کریں تو مجھے تکلیف ہو یا نہ ہو اور میں ایسی حالت میں کیا چاہوں گا بس اگر صحیح ذوق ہو گا تو اسی سے اندازہ ہو جاوے گا کہ یہ امر تکلیف دہ ہے یا نہیں اور یہ شخص ایسا معاملہ کرنے پر قادر ہے یا نہیں جس سے تکلیف نہ ہو۔ اب لوگ تعظیم و تکریم کا تو اہتمام کرتے ہیں اور اس کو ادب سمجھتے ہیں راحت کا اہتمام نہیں کرتے بس بڑا ادب آج کل یہ ہے کہ اگر اپنا کوئی بڑا کھڑا ہو تو کھڑا ہو جائے اور جب اس سے رخصت ہو کر جانے لگے تو پچھلے پاؤں چلے تاکہ کہیں پشت نہ ہو جائے حالانکہ یہ کوئی ادب نہیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے صحابہؓ کھڑے نہ ہوتے تھے اس کی وجہ وہ حضرات خود فرماتے ہیں کہ ہم سمجھتے تھے کہ حضور کو ہمارا کھڑا ہونا ناگوار ہو گا حالانکہ نہ کھڑے ہونے سے ان کو ضرور گرانی ہوتی ہو گی۔ مگر اپنی اس تکلیف کو گوارا کرتے تھے تاکہ حضور کو تکلیف نہ ہو۔ بعض لوگ اس سے زیادہ یہ صورت اختیار کرتے ہیں کہ اپنے معظم کے بیٹھ جانے کے وقت بھی کھڑے ہوتے ہیں اس کی ممانعت میں بھی حضور نے فرمایا ہے لاتقوموا کما تقوم الا عاجم یعنی عجمیوں کی طرح کھڑے نہ ہوا کرو۔ اس کے متعلق یہ قول تو تمام علماء کا ہے کہ اس میں کھڑے رہنے کی ممانعت ہے کیونکہ شاہان عجم کے درباری بیٹھ نہیں سکتے تھے بادشاہ کے سامنے برابر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے۔ لہذا اسی سے حضورؐ نے منع فرمایا ہے مگر بعض علماء کا یہ قول بھی ہے کہ کھڑے

ہونے سے بھی ممانعت ہے۔ ایک مولوی صاحب سے اس کے متعلق مجھے خط و کتابت بھی ہوئی تھی ان کا یہی مذہب تھا کہ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا بھی نہ ہونا چاہئے میں نے ایک خط میں ان کو یہ لکھا کہ تم اپنے دل کو ٹٹولو۔ اگر حضور تشریف لے آئیں تو کیا تم اس وقت کھڑے نہ ہو گے اس کا انہوں نے عجیب جواب دیا کہ اس کو نہ پوچھو کھڑا ہونا تو درکنار عجب نہیں میں اس وقت سجدہ میں گر پڑوں لیکن اس وقت تو مغلوبیت ہو گی محض اس بناء پر یہ فعل جائز تھوڑا ہی ہو جائے گا۔ میں نے اس کا جواب دیا کہ یہ تو خیر میں نے محض سمجھانے کے لئے لکھ دیا تھا میرے نزدیک بھی یہ کوئی دلیل نہیں ہے دلیل تو یہ ہے کہ جب عموم کی کوئی دلیل نہیں تو تم یقین کیساتھ اس کا دعوی کیسے کر سکتے ہو۔ خصوص جب کثرت سے علماء اسی طرف گئے ہیں کہ تعظیماً کھڑا ہونا جائز ہے جس کے جواز کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تھے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو جاتی تھیں اور جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں تو خود حضور کھڑے ہو جاتے تھے۔ گو اس کا جواب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ قیام تعظیم سے نہ تھا جوش محبت سے تھا۔ بہر حال مسئلہ اجتہادی ہے لیکن یہ تو متیقن ہے کہ حضور اپنے لئے پسند نہ فرماتے تھے اگر وہ ناپسندیدگی شرعی نہ ہو تو طبعی تو ضرور تھی جس سے بے تکلفی کا پسند ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس وقت اسی دعوے کا اثبات مقصود ہے۔

(ملفوظ ۶۳) ھدیہ دینے میں نیت

بسلسلہ تحریر جوابات خطوط ارشاد فرمایا کہ ایک صاحب نے جو انگریزی میں لفافہ لکھنے سے بظاہر نو تعلیم یافتہ اور جنٹلمین معلوم ہوتے ہیں بذریعہ خط کے مجھ سے ہدیہ بھیجنے کی اجازت طلب کی تھی میں نے اس پر ان سے پوچھا تھا کہ اس ہدیہ دینے میں آپ کی نیت کیا ہے یہ میں ایسے مواقع پر اس لئے پوچھ لیتا ہوں کہ لوگ مختلف نیتوں سے ہدیہ دیا کرتے ہیں مثلاً بعض کی یہ نیت بھی

ہوتی ہے کہ اس سے ہماری آمدنی میں برکت ہو گی اس صورت میں میں ہدیہ نہیں لیتا کیونکہ اگر برکت مزعومہ نہ ہوئی تو وہ دیکر بھی پچھتائیں گے تو میں کیوں ان کے پچھتانے کا سبب ہوں مجھے اس سے بڑی غیرت آتی ہے غرض میں نے تو ان کی اور اپنی دونوں کی مصلحت سے نیت کے متعلق سوال کیا تھا تاکہ معاملہ صاف ہو جائے اور بعد کو جانبین میں سے کسی کو بے لطفی نہ ہو لیکن باوجود انگریزی دان ہونے کے انہوں نے اس معقول سوال کا بھی یہ نا معقول جواب لکھ کر بھیجا ہے کہ آپ جو نیت بتلائیں وہی نیت میں کرلوں میں نے اس کا یہ جواب لکھ کر بھیجا ہے کہ کیا میری غیرت اس کو گوارا کر سکتی ہے کہ آپ سے ہدیہ وصول کرنے کی غرض سے میں آپ کو ایسی نیت بتلادوں جس سے مجھ کو روپیہ مل جائے۔ پہلے آدمیت سیکھو ہدیہ دینا فرض نہیں آدمیت سیکھنا فرض ہے اھ۔ پھر فرمایا کہ ہدایا کے متعلق قیل و قال کرنے سے جی بھی ڈرتا ہے کیونکہ یہ تکبر کی صورت ہے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں اس پر مواخذہ نہ ہو کیونکہ گو استغناء اچھی چیز ہے لیکن چونکہ استغناء اور تکبر صورۃً یکساں ہوتے ہیں اس لئے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں استغناء میں کوئی خفی کید نفس کا نہ ہو اور مواخذہ ہونے لگے چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بار ایک غریب شخص نے ایک دھیلا ہدیۃً پیش کیا شاہ صاحب نے یہ سوچ کر کہ یہ خود بہت حاجت مند معلوم ہوتا ہے جب ہی تو صرف دھیلا دے رہا ہے لینے سے عذر فرما دیا اور فرمایا کہ بھائی تم بہت غریب ہو تم خود ہی اس دھیلے کو اپنے خرچ میں لے آنا۔ وہ مایوس ہو کر چلا آیا۔ اس کے بعد شاہ صاحب کی فتوحات بالکل بند ہو گئیں دو تین روز تک تو یہ خیال رہا کہ توکل میں کبھی کبھی امتحان بھی ہوتا ہے لیکن جب مسلسل تنگی ہونے لگی تو شاہ صاحب کو تردد پیدا ہوا کہ یہ فتوحات کا بند ہو جانا امتحاناً نہیں بلکہ کسی جرم کی پاداش میں معلوم ہوتا ہے اہل ذوق اس فرق کا ایک علامت سے ادراک بھی کرتے ہیں وہ یہ کہ جو ابتلاء بطور امتحان کے ہوتا ہے اس میں ایک قسم کا نور محسوس ہوتا ہے اور جو بطور مواخذہ کے ہوتا ہے اس

میں ظلمت محسوس ہوتی ہے تردد کے بعد اس ظلمت کے محسوس ہوتے ہی شاہ صاحب پریشان ہو گئے اور بہت الحاح کے ساتھ حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ یہ جس جرم کی سزا ہو مجھے معلوم ہو جائے تاکہ میں اس کا تدارک کروں۔ القاء ہوا کہ تم نے فلاں روز فلاں غریب کا دھیلا جو اس نے بہت خلوص اور محبت سے پیش کیا تھا واپس کر دیا اس کی یہ سزا ہے اب جب تک خود اس سے وہ دھیلا نہ مانگو گے فتوحات بند رہیں گی دیکھئے جس عنوان سے شاہ صاحب نے وہ دھیلا واپس فرمایا تھا وہ بظاہر کیسا اچھا تھا لیکن اس کے منشا پر مواخذہ ہوا۔ وہ یا تو نعمت کی تحقیر ہو یا ہدیہ دینے والے کی تحقیر ہو جس پر بوجہ خفی ہونے کے شاہ صاحب کی اس وقت نظر نہ پہنچی ہو ہر وقت ہر پہلو پر نظر رہنا بڑے اہتمام کو چاہتا ہے اسی لئے تو یہ طریق بڑا نازک ہے غرض شاہ صاحب فوراً اس غریب سے ملے اور فرمایا کہ بھائی وہ دھیلا جو تم اس روز مجھے دے رہے تھے اور میں نے اس کے لینے سے انکار کر دیا تھا اگر موجود ہو تو اب مجھے دیدو۔ اس نے عرض کیا کہ حضرت وہ دھیلا تو اب تک میرے پاس رکھا ہوا ہے کیونکہ میں نے تو بڑی محبت سے اس کو آپ ہی کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے پس انداز کیا تھا اور گو آپ نے اس روز لینے سے انکار کر دیا تھا لیکن پھر میں نے اس کو رکھ چھوڑا تھا کہ کسی اور موقع پر پھر پیش کروں گا چنانچہ اس نے وہ دھیلا پھر لا کر پیش کر دیا اور شاہ صاحب نے نہایت خوشی سے اس کو قبول کر لیا یا تو دینے پر بھی لینے سے انکار کر دیا تھا اب خود مانگ کر لیا۔ بس اس دھیلے کا لینا تھا کہ پھر فتوحات شروع ہو گئیں اسی لئے بچ جانئے ہدایا میں تنگی کرتے ہوئے میرا بھی جی ڈرتا ہے لیکن چونکہ توسع میں اور بہت سی خرابیاں ہیں اس لئے مجبوراً احتیاط کرنا پڑتی ہے اگر کوئی خفی کید نفس کا ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں۔

(ملفوظ ٦٤) خاوند کے ساتھ حاکم کا سا معاملہ کرنے کی ضرورت

ایک اہل خصوصیت خادم نے جن کی حضرت اقدس بہت رعایت فرماتے ہیں ایک پھول خدمت اقدس میں پیش کرنا چاہا تو بلا کچھ کہے ہوئے سیدھے حضرت اقدس کے پاس پہنچے حضرت اقدس نے فوراً روکا کہ یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں لے ہی لونگا۔ پہلے زبان سے تو اس کی اطلاع کرتے پھر جب میں اجازت دیدیتا اس وقت پیش کرتے۔ یہ پہلے ہی سے کیسے سمجھ لیا کہ میری دی ہوئی چیز لے ہی لی جائے گی۔ افسوس دنیا داروں کی کیا شکایت کی جائے دیندار بھی تو ملانوں کو ہی ذلیل حریص اور طماع ہی سمجھتے ہیں اور جس کے ساتھ رعایت کی جائے وہ سمجھنے لگتا ہے کہ ہم میں بھی کوئی بات امتیاز کی ہے جب ہی تو ہمارے ساتھ رعایت کی جاتی ہے۔ میں اس کا انکار نہیں کرتا کہ کوئی امتیاز کی بات نہیں۔ ہاں ہو۔ لیکن جب ایک رشتہ مثلاً پیری مریدی کا متعین ہو گیا تو اس کا حق ادا کرنا اور اپنے امتیاز اور استحقاق رعایت سے قطع نظر کرنا ضروری ہے چاہے بیوی رابعہ بصریہ ہو اور خاوند حجاج ہو تب بھی بیوی محکوم ہے اور خاوند حاکم۔ خاوند کے ساتھ حاکم ہی کا سا معاملہ کرنا ہو گا۔

(ملفوظ ٦٥) دین کا کام سرسری طور پر کرنا خطرہ کی بات ہے

ایک اہل علم کے استفتاء کا مفصل جواب تحریر فرما کر لفافہ پر یہ تحریر فرما دیا کہ اب دماغی کام کا تحمل نہیں آئندہ کے لئے عذر قبول کیا جائے اھ۔ پھر فرمایا کہ ان ہی صاحب کے پچھلے استفتاء کے جواب لکھنے کے بعد کئی روز تک میرے سر میں درد رہا اور اس استفتاء کے جواب لکھنے میں بھی مجھ کو تعب ہوا گو اتنا نہیں جتنا پہلے ہوا تھا کیونکہ اہل علم کے اشکالات بھی تو بہت مشکل سے حل ہوتے ہیں۔ اب تو بس میں اسی قابل رہ گیا ہوں کہ مجھ سے صرف دعا کی

خدمت لی جائے باقی اور کسی خدمت کی قوت ہی نہیں رہی میں کیا کروں۔ بالخصوص اس حالت میں کہ جو کام میرے سپرد کیا جاتا ہے جی چاہتا ہے کہ اس کا پورا حق ادا کیا جائے۔ خاص کر دین کے کام کو تو سرسری طور پر کرنا بہت ہی خطرہ کی بات ہے۔ بعض علماء نے ایک ایک مسئلہ کے لئے بڑے بڑے سفر کئے ہیں اور بعض نے ایک ایک تحقیق کے لئے بڑے بڑے تعب اٹھائے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے سوال کیا کہ اجماع امت کا حجت شرعیہ ہونا قرآن مجید سے بھی ثابت ہے یا نہیں اس کے جواب کے لئے آپ نے چار دفعہ کلام مجید ختم کیا جب یہ آیت خیال میں آئی وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَاتَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى جس سے اجماع امت کا حجت شرعیہ ہونا ثابت ہوتا ہے بس جو کچھ محنت اس آیت کے ڈھونڈھنے میں پڑی وہ صرف حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ پر پڑی اس کے بعد سے سب کے لئے راستہ صاف ہو گیا اور اب تک اس مسئلہ میں ہر عالم اسی آیت کو پیش کرتا چلا آتا ہے کسی کو پھر کوئی زحمت ہی نہیں اٹھانی پڑی۔

(ملفوظ ۶۶) بزرگان سلف کے کچھ عجیب واقعات

اپنے خاص حضرات اکابر کے متعلق فرمایا کہ جو بات ان حضرات میں دیکھی کسی میں نہ دیکھی یہ میں نہیں کہتا کہ وہ حضرات علم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے یا ان کے عمل میں کوئی کمی نہ تھی لیکن جو سب سے بڑی بات ان حضرات کے علم میں تھی وہ یہ تھی کہ جو کام بھی کرتے تھے بس محض اللہ کے واسطے کرتے تھے انکے ہر کام میں للٰہیت ہوتی تھی اور یہی تو اصل چیز ہے ورنہ اگر علم میں بلعم باعور ہو اور عمل میں ابلیس ہو تو علم و عمل سب ہیچ ہے۔ ایک کابلی کا قول مجھے بہت پسند آیا وہ کہتا تھا کہ لوگ متمول کافروں کی بڑی تعریفیں کرتے ہیں کہ ان کے پاس بہت مال و دولت ہے بڑا سازوسامان ہے لیکن ہمارے پاس ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے مقابلے میں ان کی ساری چیزیں ہیچ ہیں وہ کیا ہے وہ

لا اله الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ہے- یہ دولت ان کے پاس کہاں اور جب یہ دولت ان کے پاس نہیں تو کچھ بھی ان کے پاس نہیں- نیز جب یہ دولت ہمارے پاس ہے تو سب کچھ ہمارے پاس ہے- اس دولت کے ہوتے ہوئے اگر کچھ بھی ہمارے پاس نہ ہو تو بلا سے نہ ہو کیونکہ اس دولت کے سامنے اور ساری دولتیں گرد ہیں- جب ہمارے پاس یہ ہے تو پھر ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں- یہی سرحدیوں کا حال ہے کہ گو وہ لوٹ مار بھی کرتے ہیں- تقویٰ طہارت بھی نہیں- لیکن ایمان ان کی رگ رگ میں رچا ہوتا ہے- جیسے بخاری شریف میں ایمان کی نسبت کہا گیا ہے کذلك الایمان اذا خالط بشاشة القلوب ایک مولوی صاحب جوہرات کے رہنے والے تھے خود اپنا دیکھا ہوا واقعہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ وہاں سزائے موت کے مجرموں کو توپ کے منہ سے باندھ کر اڑا دیا جاتا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے خود دیکھا کہ جب مجرم کو توپ کے منہ پر باندھ دیا گیا تو اس نے کلمہ شریف پڑھنا شروع کیا- ابھی لاالہ الا اللّٰہ ہی پڑھا تھا کہ اتنے میں توپ چھوٹ گئی اور بدن کے ٹکڑے اڑ گئے سر بھی الگ ہو کر اوپر کو چلا اور جب نیچے آنے لگا تو محمد رسول اللّٰہ پڑھتا ہوا آیا صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان لوگوں کی رگ رگ میں ایمان رچا ہوا ہے ایسے ہی بدوؤں کو دیکھا کہ اللہ و رسول کی محبت ان کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے ہے گو وہ جاہل بھی ہیں- لوٹ مار بھی کرتے ہیں- نماز روزہ بھی ان کے پاس زیادہ نہیں لیکن یہ حالت ہے کہ اگر دو شخص باہم لڑ رہے ہوں اور کوئی شخص صلح کرانے کی غرض سے یہ آکر کہہ دے کہ یا شیخ صلی علی النبی تو عین غصہ کی حالت میں بھی حضورؐ کا نام مبارک سنتے ہی دونوں فریق پانی پانی ہو جاتے ہیں اور فوراً تلوار نیام میں کر کے کہنے لگتے ہیں اللھم صلی علی محمد اب کوئی کیا حقیر سمجھے ان لوگوں کو- ایک بار میں مسجد حرام کو جا رہا تھا کہ راستہ میں سقوں کی کوئی پنچایت ہو رہی تھی- سب لوگ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص تقریر کرنے کے لئے اٹھا تو

سب سے پہلے اس نے کہا الفاتحہ علی النبی یعنی حضور کی روح مبارک کو ثواب پہنچانے کے لئے فاتحہ پڑھو- چنانچہ سب لوگ فاتحہ پڑھنے لگے اسی طرح جب دوسرا شخص اس تقریر کا جواب دیتا ہے تو وہ بھی پہلے ہی کہتا ہے الفاتحہ علی النبی- غرض کسی شخص کی تقریر اس سے خالی نہیں ہوتی- یہ تو وہاں کے جہلوں کا حال ہے جو شاید نماز بھی نہ پڑھتے ہوں- یہ دونوں واقعے تو دیکھے ہوئے ہیں اور ایک واقعہ مولوی سعید صاحب کیرانوی بیان کرتے ہیں کہ جب بدو طواف کرنے آتے تو بعد طواف ملتزم پر کھڑے ہو کر کہتے کہ اے اللہ ہمارے گناہ بخش دے- پھر خود ہی کہتے کہ نہیں کیوں نہیں بخشے گا ضرور بخشے گا کیا وجہ کہ نہ بخشے- انہیں اللہ تعالیٰ پر اتنا بھروسہ اور ناز ہے- اب دل میں ایمان رچا ہوا نہیں ہے تو یہ کون چیز بولتی ہے- مولوی مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری کے بڑے بھائی مولوی مجتبیٰ حسن صاحب نے جو میرے ہم سبق تھے مجھ سے ایک حکایت بیان کی وہ کہتے تھے کہ مولوی عبدالحق صاحب مہاجر مکی جو شیخ الدلائل تھے وہ ان سے کہتے تھے کہ میں جب مدینہ طیبہ حاضر ہوا تو ایک بدوی بزرگ کو روز دیکھتا کہ روضہ شریف کے قریب بیٹھے ہوئے روضہ شریف کو تکا کرتے نہ بہت نوافل پڑھتے تھے نہ کچھ اور پڑھتے تھے بس بیٹھے روضہ شریف کو تکا کرتے تھے- مجھے ان کے ساتھ محبت سی معلوم ہوئی اور کبھی کبھی ان کے پاس جا کر بیٹھنے لگا- رمضان شریف کا زمانہ تھا ایک دن انہوں نے مجھ سے کہا کہ آج تمہاری دعوت ہے میں نے عذر کیا کئی وجہ سے اول یہ کہ یہ بیچارے غریب ہیں ان کا خواہ مخواہ خرچ ہو گا- دوسرے یہ غالباً چاول کھلائیں گے اور میرے پیٹ میں پھوڑا تھا چاول نقصان کرتے- تیسرے وہ جنگل کے رہنے والے تھے رات کو لے جائیں گے- بوڑھے آدمی ہیں تیز چل نہ سکیں گے واپسی میں دیر ہو گی- مسجد نبوی میں تراویح بھی نہ مل سکیں گی- چنانچہ میں نے ان سے یہ عذر کئے لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں نہیں دیر نہیں ہو گی گو مجھے ان کے اس کہنے پر بھی غالب احتمال یہی رہا کہ ان حالات میں دیر ضرور ہو گی اور مجھے تراویح نہ مل سکیں

گی لیکن ان سے محبت ایسی ہو گئی تھی کہ میں نے پھر بھی ان کی دعوت منظور کر لی اور دل میں سوچ لیا کہ خیر ایک دن تراویح باجماعت نہ سہی یا خاص طور سے کوشش کر کے جلدی رخصت ہو لوں گا اور وقت پر پہنچ جاؤں گا۔ غرض مغرب پڑھ کر میں ان کیساتھ روانہ ہوا۔ وہ بوڑھے آدمی تھے آہستہ آہستہ چل رہے تھے میں نے دل میں کہا کہ آج اس گنوار نے مارا۔ خیر اسی طرح چلتے چلتے شہر پناہ سے باہر نکل رہے تھے اور اب ان کا مسکن بہت دور نہ رہا لیکن پھر بھی وہاں پہنچتے پہنچتے خوب جھٹ پٹا ہو گیا۔ گھر پہنچتے ہی انہوں نے آواز دی یا ولد یا ولد اس پر ایک نوجوان لڑکا باہر نکلا اس سے کہا کہ کھچڑی پکاؤ۔ میں نے دل میں کہا کہ لے بھائی ابھی کھانا بھی تیار نہیں اور پکوا بھی رہے ہیں تو چاول کی کھچڑی اور چاول مجھے مضر ہیں۔ بہر حال کھچڑی پکی اور اس کے پکنے میں اچھی خاصی دیر ہو گئی۔ پھر جب کھانے کے لئے بیٹھے تو میں جلدی جلدی کھانے لگا اس خیال سے کہ جماعت تو خیر کیا ملے گی شاید مسجد نبوی کا دروازہ کھلا ہوا مل جائے اور میں اپنی ہی نماز وہاں پڑھ لوں۔ جب میں نے وہاں سے رخصت ہونا چاہا تو بڑے میاں نے کہا کہ نہیں میں بھی پہنچانے جاؤں گا۔ میں نے دل میں کہا کہ لیجئے اب پہنچنے میں اور بھی دیر ہو گی مگر خیر تھوڑی دور چلنے کے بعد ان کے ایک اور مہمان مل گئے اور انہوں نے مجھ کو وہیں سے رخصت کر دیا۔ میں نے غنیمت سمجھا پھر میں جلدی جلدی چل کر سیدھا مسجد نبوی پہنچا دیکھا کہ دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن سناٹا تھا صرف ایک شخص ایک طرف بیٹھا کچھ کھا رہا تھا میں نے سمجھا کہ لوگ تراویح سے فارغ ہو کر چلے گئے ہیں میں نے اس شخص سے جو کچھ کھا رہا تھا پوچھا کہ بھائی تراویح ہو چکیں اس نے کہا انت مجنوں یہ سن کر مجھے تعجب ہوا کہ یہ مجھے مجنوں کیوں کہہ رہا ہے لیکن پھر جو غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ مغرب کا وقت ہے اور وہ شخص افطاری کھا رہا تھا اور لوگ مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے اپنے گھر کھانا کھانے چلے گئے تھے۔ مجھے حیرت ہو گئی کہ اتنی رات گئے تو میں پہنچا اور پھر بھی یہاں ابھی مغرب ہی کا وقت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بدو کوئی بزرگ اور صاحب

کمال شخص ہے اگلے دن اس کو بہت ڈھونڈا مگر وہ پھر نظر ہی نہ آیا۔ تو جناب یہ تو وہاں کے بدوؤں کی حالت ہے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ ان کے استاد حضرت مولانا قلندر صاحب جو جلال آباد میں رہتے تھے وہ صاحب حضوری تھے۔ عوام محاورہ میں ایسے بزرگ کو صاحب حضوری کہتے ہیں جس کو روز حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوتی ہو گو اللہ کے بندے بعضے ایسے بھی ہوئے ہیں کہ جن کو حضور کی زیارت بیداری میں بھی ہوتی رہی ہے لیکن خواب میں زیارت کرنیوالے زیادہ ہوئے ہیں۔ غرض حضرت مولانا قلندر صاحب کو بھی روز خواب میں زیارت ہوا کرتی تھی۔ جب مدینہ شریف جارہے تھے تو کسی غلطی پر اپنے جمال کو جو ایک نوجوان شخص تھا تھپڑ مار دیا۔ وہ سید تھا بس اسی روز سے زیارت بند ہو گئی۔ انہیں اس کا بڑا غم ہوا اور ہائے اس غم کو تو وہ جانے جس کو کچھ ملا ہو اور پھر وہ اس سے لے لیا جائے۔ جس کو کچھ ملا ہی نہ ہو وہ کیا جانے۔

بر دل سالک ہزاراں غم بود   گر زباغ دل خلالے کم بود

اسی غم میں جب مدینہ منورہ پہنچے تو وہاں کے مشائخ سے رجوع کیا کہ کیا تدبیر کی جائے سب نے کہا کہ ہمارے قابو سے باہر ہے البتہ ایک عورت مجذوبہ ہے وہ کبھی کبھی روضہ اقدس کی زیارت کے لئے آتی ہے اور برابر ادھر ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہتی ہے یہی اس کی پہچان ہے۔ اگر کبھی وہ آئے تو اس سے کہو وہ اگر توجہ کرے گی تو ان شاء اللہ پھر زیارت نصیب ہونے لگے گی۔ وہ اس مجذوبہ کے منتظر رہے۔ ایک دن وہ بی بی آئیں ان سے انہوں نے عرض کیا تو انہیں ایک جوش ہوا اور اسی جوش میں انہوں نے روضہ اقدس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ شف یعنی دیکھ انہوں نے جو اس طرف نظر کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضور تشریف فرما ہیں۔ جاگتے میں حضور کی زیارت سے مشرف ہوئے اور اپنی آنکھوں سے حضور کو دیکھ لیا۔ پھر اس کے بعد وہی کیفیت حضوری کی جو جاتی رہی تھی پھر حاصل ہو گئی اور جو خواب میں زیارت ہونا بند ہو گئی تھی وہ پھر

جاری ہو گئی- گو تھپڑ کے مارنے کے بعد مولانا قلندر صاحب نے اس لڑکے سے معافی بھی مانگ لی تھی اور اس نے معاف بھی کر دیا تھا لیکن پھر بھی اس حرکت کا یہ وبال ہوا بعد کو تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ لڑکا سید تھا- اس قسم کی بہت حکایتیں بدووں کی ہیں تو کوئی کیا حقیر سمجھے کسی کو- میرا مطلب ان سب حکایتوں سے یہ ہے کہ کسی میں کوئی خاص بات ایسی ہوتی ہے کہ وہ سرکار کے دربار میں پسند ہوتی ہے چنانچہ ہمارے بزرگوں میں ایسی ایک چیز للّٰہیت تھی اور اپنے بزرگوں کو اس صفت پر نظر کرنے کی اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی توفیق دی بس یہ ہے چیز اور سب چیزوں کی کمی تو معاف بھی ہو سکتی ہے لیکن للّٰہیت کی کمی معاف نہیں ہوتی- اس سے درگذر نہیں کیا جاتا یعنی کمال میں اس کا شرط ہونا نظر انداز نہیں ہوتا- اگر کسی میں یہ چیز کم ہے تو یوں کہئے کہ اس میں بہت کمی ہے- وہاں تو نہ تقریر کو کوئی پوچھتا ہے نہ تحریر کو کوئی پوچھتا ہے نہ اور ادا کو کوئی پوچھتا ہے- بس اصل چیز یہ ہے اسی کا جب غلبہ ہوتا ہے تو اس کا نام فنا ہے- صوفیوں نے تو اس کا نام فناء رکھا اور اہل ظاہر کی اصطلاح میں اس کو للّٰہیت اور اخلاص کہتے ہیں- اب صحابہ رضی اللہ عنہم میں کیا چیز زیادہ تھی یہی للّٰہیت اور خلوص ورنہ کیا وہ سارے حضرات اصطلاحی عالم تھے یا ان حضرات سے عمل میں کوئی کوتاہی کبھی ہوتی ہی نہ تھی مگر اسی للّٰہیت اور اخلاص کی وجہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر نصف مد میرا صحابی اللہ کی راہ میں دے تو وہ غیر صحابی کے احد پہاڑ کے برابر خرچ کرنے سے بھی افضل ہے تو بات کیا ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سب کے سب نہایت مخلص اور حضور کے جان نثار تھے- پہلی امم میں کسی امت کو یہ باتیں نصیب نہیں ہوئی اور لوگ تو بکثرت اپنے انبیاء سے امتی ہو کر بھی قیل و قال کرتے رہے اور یہاں اللہ اکبر حضور کی محبت میں اپنی جان تک کی بھی پرواہ نہیں کی-

نوٹ از جامع- اس ملفوظ کے ختم پر حضرت اقدس نے احقر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ چیزیں ہیں لکھنے کی-

(ملفوظ ۷۶) فلسفہ و معقولات کی عجیب مثال

اپنے معمولات کے متعلق فرمایا کہ بضرورت جیسا جیسا تجربہ ہوتا گیا قواعد و ضوابط تجویز کرتا گیا- اکثر سلطنت کا قانون بھی جبھی سخت بنایا جاتا ہے جب رعایا بد عنوانیاں کرتی ہیں حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے مدرسہ دیوبند کے نصاب سے فلسفہ کی بعض کتابوں کو نام کی تعیین کیساتھ خارج کرا دیا تھا کیونکہ حضرت ان کو مضر دین سمجھتے تھے کسی نے حضرت مولانا محمد یعقوب رحمتہ اللہ علیہ سے اس کی شکایت کی کہ مولانا نے ان کتابوں کو حرام کر دیا تو مولانا نے فرمایا کہ حضرت نے حرام نہیں کیا بلکہ تمہاری طبیعتوں نے حرام کیا ہے خود تمہاری طبیعتوں ہی میں کجی ہے اس لئے یہ کتابیں مضر دین ہو جاتی ہیں ورنہ اگر طبیعت سلیم ہو تو یہ کتابیں بھی بجائے مضر دین ہونے کے معین دین ہو جائیں پھر کج طبعی کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک معقولی طالب علم سے یہاں کے طلبہ نے معقول کے اس مسئلہ کے متعلق کہ الکل اعظم من الجزو یہ اشکال پیش کیا کہ مور کی دم جو کہ اس کا جزو ہے وہ خود مور سے بھی بڑی ہوتی ہے تو یہ کلیہ کہاں صحیح رہا تو اس نے جواب دیا کہ مامن عام الاوقد خص منه البعض اھ پھر فرمایا کہ یہ تو حالت مہم کی ہے پھر ایسے شخص کیلئے بھلا فلسفہ کیوں نہ مضر دین ہو کیونکہ وہ تو کچھ سے کچھ سمجھ لے گا ایسے کوڑہ مغزوں کے لئے تو بیشک فلسفہ پڑھنا جائز نہیں باقی ہم تو جیسا بخاری کے مطالعہ میں اجر سمجھتے ہیں میر زاہد اور امور عامہ میں بھی ویسا ہی اجر سمجھتے ہیں کیونکہ اس کا شغل بھی اللہ کے واسطے ہے اور اس کا بھی- یہ بات بڑی قوت سے فرمائی اور واقعی موٹی بات ہے دیکھئے باغ کی رونق کے لئے جیسا کہ پھلوں کے درخت لگانا مقبول خدمت ہے ویسے ہی یہ بھی مقبول خدمت ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے کانٹے جمع کر کے باغ کے چاروں طرف باڑہ لگا دے تاکہ جانور آ آ کر اس کو ویران نہ کر دیں- بس فلسفہ و معقولات کی یہی مثال ہے کہ وہ کانٹوں کی باڑہ ہے

اور یہ خدمت بھی اس اصل خدمت کے ساتھ ملحق ہے۔

(ملفوظ ۶۸)بوجہ ضعف مصافحہ سے معذرت

حضرت اقدس مدظلہم العالی بعد نماز فجر اپنی آرام گاہ میں تشریف فرما تھے اور روشنی و ہوا کے لئے صحن کی طرف دروازہ کھول رکھا تھا اس وقت حسب معمول پردہ کرا کے بعض اہل خصوصیت کو حضرت اقدس زیارت کی اجازت مرحمت فرما دیتے ہیں اور اس طرح تھوڑی دیر کے لئے مجلس خاص منعقد ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت اقدس تو اپنے کمرہ کے اندر تشریف فرما تھے اور حاضرین سامنے کی سردری میں۔ ایک صاحب جو باہر سے تشریف لائے ہوئے تھے رخصتی مصافحہ کے لئے کمرہ کے اندر جانے لگے تو حضرت اقدس نے روک کر پوچھا کہ تم جو اندر آرہے ہو تو کیا تم اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھتے ہو۔ یہ جو میں نے اور سب کو سردری میں بٹھایا ہے یہاں نہیں بٹھایا آخر اس میں کوئی مصلحت ہی تھی جو میں نے ایسا کیا اور تم ہو کہ سیدھے بے فکری سے اندر چلے آرہے ہو اس کا جواب دو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں سمجھا کہ گرمی کی وجہ سے سب کو سردری میں بٹھلایا ہے۔ فرمایا کہ یہ وجہ اپنی طرف سے کیوں تراش لی اور دوسرا احتمال کیوں نہ ہوا خصوص جبکہ اس کے قرائن بھی موجود تھے۔ دوسری مجلس میں جبکہ ان کا عریضہ معذرت آیا فرمایا کہ اخلاق اور معاشرت کے متعلق عام طور سے لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ تخمینیات کو تحقیقات سمجھ لیتے ہیں اور دوسرا احتمال ہی ذہن میں نہیں آتا۔ وہ عقل ہی کیا ہوئی جو دوسرا احتمال ہی ذہن میں نہیں آتا۔ پھر آدمیوں میں اور جانوروں میں فرق ہی کیا ہوا۔ جانوروں میں اور کس بات کی کمی ہے یہی تو ہے کہ انہیں جانب مخالف کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ جہاں کوئی ہرا بھرا کھیت دیکھا بس فوراً جامنہ مارا اور یہ احتمال نہ ہوا کہ اوپر سے ڈنڈے بھی پڑیں گے تو ضرورت اس کی ہے کہ جب کوئی کام کیا جائے سب احتمالات کو ذہن میں حاضر کر لیا جائے۔ یہ عام مرض ہے اور کثرت سے اس کا

سبب یہی ہے کہ لوگ تخمینیات کو تحقیقات سمجھ لیتے ہیں- دوسری غلطی یہ ہے کہ مصافحہ کو ضروری سمجھتے ہیں- حالانکہ وہ اتنا ضروری نہیں- کیا کہوں جب قوت تھی تو چار چار ہزار کے مجمع سے میں نے مصافحہ کیا ہے اور نیت یہ ہوتی تھی کہ ممکن ہے اس مجمع میں کوئی مقبول بندہ ہو اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے شاید میری نجات ہو جائے اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جس کا یہ اعتقاد ہو کیا وہ مصافحہ سے گھبرائے گا مگر یہ جب ہے کہ جب تحمل ہو پہلے تحمل تھا اب تحمل نہیں- میں نے تو بہت بڑے بڑے مجمع سے مصافحہ کیا ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ کتنا ہی بڑا مجمع ہوا میری آواز اتنی ہی دور پہنچ گئی-

اب بحالت ضعف بلا ضرورت مصافحہ کرنے کا تحمل نہیں- متنبی تو کہتا ہے ع

واسکت کی مالا یکون جواب

یعنی میں سلام سے خاموش رہتا ہوں تاکہ میرے محبوب کو جواب نہ دینا پڑے یعنی مجھ کو اس کی اتنی تکلیف بھی گوارا نہیں- خیر یہ تو شاعر کا قول ہے جو حجت نہیں- فقہاء کا قول تو حجت ہے- انہوں نے تصریح کی ہے کہ فلاں فلاں مواقع پر سلام نہ کیا جائے- حالانکہ سلام فی نفسہ مصافحہ سے زیادہ ضروری ہے- جو مواقع ترک سلام کے ان حضرات نے تجویز کئے ہیں ان میں یہ دیکھنا چاہئے کہ امر مشترک کیا ہے سو اکثر میں امر مشترک یہی ہے کہ جس موقع پر سلام کرنے سے قلب مشوش ہو جائے اس موقع پر سلام نہ کرو اور جو ایسے موقع پر کسی نے سلام کیا تو ان حضرات نے اس کی بھی تصریح کردی ہے کہ اس کا جواب واجب نہیں- انہیں مواقع میں سے یہ بھی ہے کہ جب کوئی پانی پی رہا ہو یا کھانا کھا رہا ہو تو اس وقت سلام نہ کرو- اب دیکھئے یہ بھی کوئی بہت شغل تھا لیکن اتنی سی تشویش سے بھی دوسرے کو بچانے کا حکم فرمایا گیا چنانچہ ایسے مواقع پر اگر کوئی سلام کرے تو اس کو فقہاء مکروہ کہتے ہیں- اسی طرح اگر کوئی وظیفہ پڑھتا ہو یا قرآن پڑھتا ہو تو ایسی حالت میں بھی ان کا فتویٰ ہے کہ سلام نہ کرو اور یہ امور ایسے ہیں کہ ان کے لئے تعلیم کی حاجت نہیں کیونکہ یہ امور

طبعیہ اگر طبیعت سلیم ہو تو وہ خود تجویز کر لے گی کہ کس موقع پر کیا کرنا چاہئے اور فقہاء تو ایسے اوقات میں سلام کرنے کو صرف مکروہ ہی کہتے ہیں لیکن صوفیہ بعض مواقع کے سلام کو مکروہ سے آگے بڑھ کر موجب وبال بتلاتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ من شغل مشغولا مع اللّٰہ ادرکہ المقت فی الوقت

یعنی جو مشغول مع اللہ کو اپنی طرف مشغول کرے اس میں بات کرنا اور سلام کرنا بھی داخل ہو گیا اس پر فوراً ہی غضب الٰہی نازل ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون محبوب ہو گا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ کون محبّ اور جان نثار ہو گا مگر حضورؐ پھر بھی ان کی اس قدر رعایت فرماتے تھے کہ جس کی انتہا نہیں۔ چنانچہ حضرت مقدادؓ خود اپنا ایک چشم دید واقعہ حضورؐ کے برتاؤ کا نقل فرماتے ہیں۔ یہ روایت صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار کچھ فاقہ زدہ مہمان حاضر خدمت ہوئے ان کو حضورؐ نے صحابہؓ میں تقسیم کر دیا اور ان میں سے چند مہمان خود اپنے حصہ میں بھی آپ نے لے لئے انہیں میں حضرت مقدادؓ بھی تھے۔ ان مہمانوں کے ٹھہرنے کے لئے حضورؐ نے اپنے دولت خانہ ہی کا ایک حصہ دے رکھا تھا۔ حضورؐ بعض اوقات عشاء کے بعد دیر میں تشریف لاتے اور مہمانوں کو لیٹا ہوا پاتے تو اس وقت یہ احتمال ہوتا کہ شاید آنکھ لگ گئی ہو۔ اس لئے حضورؐ سلام تو کرتے مگر اتنا آہستہ کہ اگر جاگتے ہوں تو سن لیں اور سوتے ہوں تو آنکھ نہ کھلے۔ اس طرح سلام کا حق بھی ادا فرما دیتے اور راحت رسانی کا بھی۔ تو دیکھئے حضورؐ سلام کرنے میں بھی اتنی رعایت فرماتے تھے۔ حالانکہ سلام کیا اگر آپ نعوذ باللہ ان کی ساتھ سخت سے سخت تکلیف کا معاملہ فرماتے تو صحابہؓ اس کو بھی خوشی سے گوارا کر لیتے اور بزبان حال یہ کہتے۔۔

سر بوقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے
کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

کیوں نہ ہو حضور کی محبوبیت ہی ایسی تھی اور بھلا آدمیوں کی نظر میں تو

آپ کی محبوبیت کیوں نہ ہوتی اللہ تعالیٰ نے تو منکرین کو دکھا دیا کہ جانوروں کی نظر میں بھی آپ محبوب تھے چنانچہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے کہ اکیلے حضور نے اپنی طرف سے سو اونٹ سو سو روپیہ کے بھی ہوں تو دس ہزار کے ہوتے ہیں اور اگر نصف ہی رکھا جائے تو پانچ ہزار کے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے امراء کو دکھلا دیا کہ تم کیا امارت کا دعویٰ کرتے ہو۔ فقراء الی اللہ اغنیاء سے بھی بڑھ کر ہوتے ہیں اور واقعی اتنی قربانیاں تو کسی بڑے سے بڑے بادشاہ نے بھی کبھی نہیں کی ہونگی ان سو اونٹوں میں سے تریسٹھ اونٹ تو حضور نے خود اپنے دست مبارک سے ذبح فرمائے بقیہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد فرمادیا۔ اس کے متعلق یہ نکتہ میرے ذہن میں آیا ہے کہ تریسٹھ اونٹ جو خود دست مبارک سے ذبح فرمائے اس میں حضور نے لطیف اشارہ اپنے سن مبارک کی طرف بھی فرما دیا کیونکہ اس وقت حضور کا سن شریف ۶۳ سال کا تھا اور چونکہ وہ حج حضور کا حج وداعی تھا۔ اس لئے اس عدد کے اختیار کرنے میں حضور نے گویا اس طرف بھی ایک لطیف اشارہ فرما دیا کہ میری عمر ۶۳ سال کی ہوگی۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے علم نہیں ہے۔ مجھے یہ بیان کرنا ہے کہ حضور کی محبوبیت اس درجہ تھی کہ آدمی تو آدمی جانور بھی اس سے متاثر تھے۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ جب آپ نے حجۃ الوداع میں اپنے دست مبارک سے مذکورہ بالا اونٹوں کو ذبح کرنا شروع فرمایا تو ہر اونٹ حضور کی جانب اس شوق میں بڑھتا تھا کہ پہلے میں حضور کی دست مبارک سے ذبح کیا جاؤں۔ بخاری کے الفاظ یہ ہیں کلھن یزدلفن الیہ اونٹ کو کھڑے ہوئے ذبح کیا جاتا ہے اور اس کا بڑا اہتمام کرنا پڑتا ہے کہ بھاگ نہ جائے چنانچہ اسی لئے پاؤں بھی باندھ دئے جاتے ہیں لیکن پھر بھی وہ بندھے ہوئے پیروں سے کھسک کھسک کر حضور کی جانب ذبح ہونے شوق میں بڑھتے تھے اور اس منظر سے ان پر ذرا وحشت طاری نہ ہوتی تھی کہ آنکھوں کے سامنے ان کے ساتھی ذبح کئے جارہے ہیں اور گلوں سے خون کے فوارے نکل رہے ہیں مجھے تو اس واقعہ پر یہ شعر یاد آیا کرتا ہے۔ ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

دیکھئے جو لایعقل جانور تھے ان کو بھی حضور سے اتنی محبت تھی تو پھر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت اور جان نثاری کا تو کیا ٹھکانا ہوگا لیکن پھر بھی حضور نے ان کی اتنی رعایت فرمائی کہ سو جانے کے محض احتمال پر بھی سلام زور سے پکار کر نہ فرمایا اور اس کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ آج کل کے پیروں کی طرح آتے ہی حکومت شروع کر دیتے کہ بستر بچھاؤ- پانی لاؤ- یہ کرو وہ کرو- توبہ- نیز حضور کے پاس جو بکریاں تھیں حضور نے ان مہمانوں سے فرما دیا تھا کہ کھانے کے وقت بے تکلف ان کا دودھ دوہ کر پی لیا کرو- اس کا انتظار نہ کیا کرو کہ جب میں خود آجاؤں اس وقت پیو اور خود پی کر میرے لئے کچھ رکھ چھوڑا کرو- جب میں آیا کروں گا خود پی لیا کروں گا- دیکھئے حضور نے اپنے اس برتاؤ سے ہم لوگوں کو مہمانی کا طریقہ سکھلایا چنانچہ حسب ارشاد حضور وہ حضرات حضور سے پہلے ہی دودھ پی لیتے اور حضور بعد عشاء کے جب تشریف لاتے بلا ان کو جگائے بطور خود نوش فرماتے اب اگر کوئی خادم ایسا کرے تو یہ اس کے لئے خوش اخلاقی کے خلاف سمجھا جائے اور اس کو بے ادبی قرار دیا جائے- ارے کس کی بے ادبی- محبت ہونی چاہئے جب محبوب کی خوشی اسی میں تھی تو ادب یہی تھا جیسا کہ ان حضرات نے کیا- اب تو لوگوں نے تکلف کا نام ادب رکھ چھوڑا ہے جو محض صورت ادب ہے حقیقت ادب نہیں- حقیقی ادب تو راحت پہنچانا اور دل خوش کرنا ہے- حضرت مقداد ایک دن کا لطیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضور کو بعد عشاء تشریف لانے میں کسی وجہ سے دیر ہو گئی تو شیطان نے ان حضرات کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ غالباً کسی نے حضور کی دعوت کر دی کھانا تناول فرما کر تشریف لائیں گے- اب حاجت حضور کے واسطے دودھ رکھ چھوڑنے کی نہیں- کیوں خواہ مخواہ دودھ بچائیں- آج حضور کا حصہ بھی خود ہی پی لینا چاہئے چنانچہ جتنا دودھ بکریوں نے دیا تھا وہ سارا خود ہی پی

گئے- جب پی گئے تب ہوش آیا کہ یہ کیسے خود ہی گھڑ لیا کہ حضور کو جو تشریف
لانے میں دیر ہوئی ہے وہ اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ کسی نے دعوت کر دی ہے-
اب کم بختی آوے گی حضور بھوکے ہوں گے اور دودھ نہ ملے گا تو حضور بددعا
کریں گے- اس قدر بے چین ہوئے کہ نیند بھی نہ آئی اتنے میں حضور تشریف
لے آئے اور اسی طرح سلام کیا جس طرح معمول تھا کچھ نفلیں پڑھ کر حضور
کھانے کی طرف بڑھے برتن دیکھے تو ان کو خالی پایا- ادھر مقداد سہم گئے کہ اب
آئی آفت مگر حضور نے کچھ نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی اللھم اطعم
من اطعمنی واسق من سقانی اے اللہ جو اس وقت مجھے کچھ کھانے کو دے
اس کو آپ کھانے کو دیجئے اور جو مجھے اس وقت کچھ پینے کو دے اس کو آپ پینے
کو دیجئے- بس یہ دعا مانگ کر آپ نے پھر نفلوں کی نیت باندھ لی مقداد یہ سن
کر توکل پر اٹھے اور بکریوں پر ہاتھ ڈالا تو وہ سب دودھ سے بھری ہوئی تھیں-
حالانکہ ان کا سب دودھ تھوڑی ہی دیر پہلے نکال کر پی لیا جا چکا تھا- حضرت
مقداد یہ دیکھ کر خوش ہو گئے اور مکرر دودھ نکال کر حضور کی خدمت میں پیش
کیا حضور نے قبول فرما لیا اور کچھ کہا نہیں بلکہ آپ نے اس وقت بھی اپنے
مہمانوں کی یہ رعایت کی کہ مقداد سے بھی فرمایا کہ تم بھی پیو- کیونکہ دودھ اتنا
تھا کہ خود نوش فرمانے کے بعد بچ رہا اس سے ان پر ایک ایسی انشراحی کیفیت
پیدا ہو گئی کہ بے اختیار ہنسنے لگے اور ہنستے ہنستے بیتاب ہو گئے حضور نے پوچھا کاہے
سے ہنستے ہو تب انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا - غرض حضور اتنی رعایت اپنے
خادموں کی کرتے تھے- اب تو جس کو لوگ بڑا سمجھیں وہ اپنا ہی مرغا جتانا اور
اپنا ہی الو سیدھا کرنا چاہتا ہے کہ ہمارے ساتھ برتاؤ بڑوں کا سا کیوں نہیں کیا
گیا-

میرے پاس کچھ لوگ آئے تھے ان کے بے ڈھنگے پن پر ان سے باز
پرس کی گئی تو یہاں سے جا کر مجھے برا بھلا لکھا کہ ہمارے ساتھ ایک بڑے عالم
بھی تھے آپ نے ان کی بڑی توہین کی- میں کہتا ہوں کہ کیا ان عالم کے ذمہ کوئی

حق نہیں تھا جو مجھے پریشان کیا بلکہ عالم کی تو اور زیادہ شکایت ہے بس ان بے عنوانیوں کے دو ہی سبب ہیں یا تو تہذیب ہی نہیں رہی یا تہذیب میں غلو ہو گیا جب تہذیب میں غلو ہو گیا تو پھر وہ تہذیب ہی کہاں رہی۔ فرض کیجئے دہلی پہنچنا ہے جب دہلی میں پہنچ کر بھی زور سے آگے کو دوڑیں گے تو اس کا نتیجہ کیا ہو گا یہی ہو گا کہ دہلی سے بھی باہر نکل جائیں گے۔ یا تو اتنا سکون کہ دہلی جانا ہے لیکن قدم ہی نہیں اٹھاتے یا ایسی دوڑ کہ قلانچیں مارتے مارتے دہلی سے بھی گذر گئے غرض مقصود سے بہر حال دوری ہی رہی۔ یہ حالت ہو گئی ہے لوگوں کی۔ مجھے شرم بھی آتی ہے ایسی موٹی موٹی باتوں کی تعلیم کرتے ہوئے جو امور طبعی ہیں اور جن کے لئے کسی تعلیم کی ضرورت ہی نہ ہونا چاہئے تھی طبعی طور پر ان کو خود اختیار کرنا چاہئے تھا ان میں مشغول ہو کر نوبت ہی نہیں آتی تعلیم طریق کی۔ اور ان سب سے زیادہ خرابی نہ سوچنے کی ہے اگر سوچیں سب طرف نظر پہنچے۔ یہ میں نہیں کہتا کہ پھر کوتاہی نہیں ہوتی لیکن ہاں اس نوع کی نہیں ہوتی کہ اذیت ہو کیونکہ سوچنے سے آخر اس کے ضروری پہلوؤں کی ایک حد تک تو رعایت ہو ہی جاتی ہے اور جو پھر بھی نظر انداز ہو جاتے ہیں اس وقت ان کے غیر اختیاری ہونے کا نیز فکر و اہتمام کرنے کا دوسرے کو احساس ہو جاتا ہے جس سے اثر اذیت میں بہت تخفیف ہو جاتی ہے بس جڑ ساری خرابی کی یہ ہے کہ سوچ نہیں۔ اب تو یہ نوبت پہنچ گئی ہے کہ بزرگی اور حماقت مرادف سمجھے جانے لگے ہیں بس بزرگ وہی سمجھا جاتا ہے جو احمق ہو یہ حالت ہو گئی ہے۔ غرض لوگ فکر سے کام نہیں لیتے اسی لئے دوسروں کو اذیت پہنچتی ہے۔ میں نے تو ایک رسالہ لکھا ہے آداب المعاشرت جس میں ضروری ضروری اصول و آداب معاشرت لکھ دئے ہیں لیکن دیکھے کون۔ میں نے اس کے مقدمہ میں قرآن و حدیث سے ثابت کر دیا ہے کہ اصلاح معاشرت نہایت ضروری ہے اور ایک مہتم بالشان جزو دین ہے خیر آخرت کی فکر تو اللہ والوں کو ہوتی ہے۔ کم سے کم یہ فکر تو ہو کہ ہمارے کسی فعل سے دوسرے کو اذیت نہ ہو بس اس کی تو پرواہ ہی نہیں۔ موٹی موٹی باتیں

بھی سمجھ میں نہیں آتیں حضرات صوفیہ کے یہاں تو دوسروں کے جذبات کی بہت ہی رعایت ہے ایسے ایسے دقائق تک نظر پہنچتی ہے کہ کیا کسی اور کی پہنچے گی۔ یورپ والے بڑے ماہر نفسیات سمجھے جاتے ہیں انہوں نے مختلف جذبات کی تحقیق اور ان کے متعلق احکام اور رعایتیں لکھی ہیں۔ جب میں نے سنا تو میں ہنسا کہ صوفیوں کے یہاں جو جذبات کی رعایتیں ہیں ان کی تمہیں ہوا بھی نہیں لگی۔ ان کے یہاں کا طفل زیادہ ماہر ہے تمہارے اس ماہر نفسیات سے غالباً قشیریہ میں حکایت لکھی ہے کہ ایک بزرگ سفر میں تھے راستہ میں دم لینے کے لئے ٹھیرے تو انہوں نے اپنا عصا زمین میں گاڑ دیا تاکہ جب پھر چلنا شروع کریں تو سہولت سے کھڑے کھڑے اکھاڑ لیں اور چل دیں۔ پیندے میں لوہا لگا ہوا ہوگا تاکہ نماز کے لئے سترہ کھڑا کرنے کو کوئی خاص اہتمام نہ کرنا پڑے اسی اثنا میں ایک دوسرے بزرگ تشریف لائے اور اسی طرح انہوں نے بھی اپنا عصا گاڑ دیا لیکن اتفاق سے وہ کم گڑا اور گر گیا اور پہلے عصا پر گرا اور اس کے جھوک سے ان پہلے بزرگ کا عصا بھی گر گیا۔ اس پر یہ بزرگ جو بعد کو پہنچے تھے ہاتھ جوڑ کر معافی چاہنے لگے کہ آپ کو میں نے بہت تکلیف دی اب اس عصا کو لینے کے لئے آپ کو جھکنا پڑے گا ورنہ کھڑے کھڑے اکھاڑ لیتے۔ (حضرت اقدس اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اگر عصا گر گیا تھا تو وہ پھر گاڑ دیتے معافی کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ عزیز الحسن۔ جواب ظاہر ہے کہ گاڑنے کے قبل تو ان پہلے بزرگ پر تھوڑا زمانہ تشویش کا گذرتا اس کو بھی گوارا نہ کیا) خدا کے واسطے مجھے معاف کر دیجئے۔ اب اس کی نظیر وہ یورپ کے نفسیات والے لائیں۔ اتنی رعایت جذبات کی وہ کہیں اپنے یہاں دکھا سکتے ہیں ایک اور بزرگ کی حکایت ہے ان کی بیوی بہت بد مزاج تھیں ان کی اکثر شکایت کیا کرتے تھے خدام نے عرض کیا کہ پھر حضرت طلاق کیوں نہیں دیدیتے۔ فرمایا جی میں تو بہت دفعہ آیا لیکن میں نے سوچا کہ جوان ہے اگر اس نے طلاق کے بعد نکاح نہ کیا تو اسے تکلیف ہوگی اور جو نکاح کیا تو پھر اسے جس کے ساتھ وہ نکاح کرے گی وہی تکلیف ہوگی جو مجھے اس کی بد مزاجی

سے ہے اور اس کی اس تکلیف کا میں سبب ہوں گا۔ سو اپنے بھائی مسلمان کی اذیت کا سبب نہیں بنا چاہتا بھلا اس کی نظیر تو لائیں وہ نفسیات والے۔ ایک بزرگ نے کسی عورت کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا اس نے عذر کر دیا۔ پھر اس کا اور کہیں نکاح ہو گیا تو وہ بزرگ اس شوہر کے پاس گئے اور کہا کہ میں آپ کا قصور وار ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ میرا آپ نے کیا قصور کیا۔ کہا کہ علم الٰہی میں یہ عورت تمہاری بیوی تھی اس کو پیغام دیکر میں نے غیر کے حق پر یعنی جو تمہاری بیوی ہونے والی تھی اس پر نظر کی۔ خدا کے لئے میرا قصور معاف کر دو۔ کیا انتہا ہے ان رعایتوں کی۔ ان حضرات صوفیہ کے بہت واقعات عجیب و غریب لکھے ہیں کیا منہ ہے کسی کا ان حضرات کی ریس کرنے کا۔ اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ ان حضرات کی نظر ہر وقت اللہ جل جلالہ پر ہوتی ہے۔ مخلوق پر کچھ زیادہ نظر بھی نہیں ہوتی پھر بھی مخلوق پر اتنی نظر اور اس کے ساتھ اتنی رعایتیں کہ جس کی رات دن مخلوق ہی پر نظر ہو وہ تو ایسی ایسی دقیق رعایتیں کرنا بھول بھی جائے لیکن یہ حضرات باوجود ہر وقت مشغول حق رہنے کے بھی نہیں بھولتے بات یہ ہے کہ یہ جو مخلوق کے حقوق پر اتنی نظر ہے اس کا مشغولی حق ہی سبب ہے کیونکہ یہ حضرات جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے واسطے کرتے ہیں اور وہاں سے الہامات اور القاء ہوتے ہیں وہ خود تھوڑا ہی سوچتے ہیں ان کی طبیعت ایسی پاک صاف اور معتدل ہو جاتی ہے کہ جی کو وہی بات لگتی ہے جو مناسب ہوتی ہے کہ ہر موقع پر بلا سوچے ان کے دل میں خود بخود یہ آتا ہے کہ ایسا ہونا چاہئے جیسے کسی کو خوشبو دار چیز سے خوشبو اور بدبو دار چیز سے بدبو آوے تو سوچنے سے تھوڑا ہی آتی ہے بلکہ خود ہی آتی ہے۔ اسی طرح ان حضرات کو بری چیز سے نفرت اور اچھی چیز سے رغبت طبعاً اور ذوقاً اور وجداناً ہوتی ہے سوچنا نہیں پڑتا اور اس سے مشغولی حق میں بھی کوئی فرق نہیں آتا بلکہ یہ مخلوق کی سب رعایتیں بھی اللہ ہی کے راضی کرنے کو ہوتی ہیں۔

(ملفوظ ٦٩) حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت رائے پوریؒ کا پسندیدگی اصول تھانہ بھون

حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ذہانت ظرافت شجاعت اور تواضع کے واقعات بیان فرما کر فرمایا کہ باوجود غایت حلم و تحمل تجربوں کی بناء پر اخیر میں وہ بھی یہ فرمانے لگے تھے کہ وہاں جاؤ متکبرین کا علاج وہاں خوب ہوتا ہے (یعنی حضرت اقدس مدظلہم العالی کے یہاں ۱۲ جامع) اسی طرح جب حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ بیمار ہوئے اور عیادت کرنے والے وقت بیوقت ان کو گھیرے بیٹھے رہے تو فرمایا کہ تجربہ سے یہ معلوم ہوا کہ تھانہ بھون میں جو قواعد و ضوابط ہیں انہیں کی ضرورت ہے۔

(ملفوظ ۷۰) قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی کی نازک مزاجی میں اعتدال

بہ سلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی بہت نازک مزاج تھے لیکن بزرگوں کی ہر شئے اپنی حد پر ہوتی ہے نزاکت کے وقت نزاکت اور رعایت کے وقت رعایت نزاکت کا تو یہ عالم تھا کہ وعظ میں کسی کی مجال نہ تھی کہ بلا ضرورت کھنکارے یا کوئی اور ایسی حرکت کرے ورنہ فوراً ڈانٹ دیتے تھے۔ اور رعایت کے موقع پر اس قدر رعایت فرماتے تھے کہ ایک دفعہ کسی دیہاتی نے کھیر میں خوشبو کے واسطے بجائے کیوڑہ کے کافور ڈالدیا تھا جس سے اتنی تلخی پیدا ہو گئی تھی کہ اور لوگوں نے تو صرف ایک ایک چمچہ ہی کھا کر چھوڑ دی زیادہ کھا ہی نہ سکے لیکن قاری صاحب محض اس خیال سے کہ میزبان کی دل شکنی نہ ہو برابر کھاتے رہے۔ اسی طرح سقے بھنگیوں وغیرہ کو عموماً کمین ہی کہتے ہیں لیکن قاری صاحب کمین کہنے سے روکا کرتے اور فرماتے کہ

کمین کہنا غرباء کی اہانت ہے متعلقین کہنا چاہئے چنانچہ جب کبھی غلہ وغیرہ ایسے لوگوں کو تقسیم ہوتا تو فرماتے کہ متعلقین کو بھی پہنچ گیا یا نہیں اس نزاکت پر بھی اتنی دقیق رعایت تہذیب کی فرماتے تھے۔ ایسے شخص کا پہچاننا بہت مشکل ہوتا ہے کیونکہ ایسا شخص کسی جلسہ میں تو سخت نظر آوے گا اور کسی جلسہ میں نرم نظر آوے گا تو پتہ نہیں چلتا کہ یہ سخت ہے یا نرم۔ وہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہو جاتا ہے جیسے کوئی جج اجلاس پر کسی خون کے مقدمہ کی پیشی کے وقت سرخ کپڑے پہنے ہوئے بیٹھا ہو اور آخر میں پھانسی کا حکم دیدے تو ایسا شخص جس نے پہلی ہی بار اس کو دیکھا ہو اور اتفاق سے ایسی حالت میں دیکھا ہو تو وہ اسکے بارے میں یہی رائے قائم کرے گا کہ اف بڑا سخت ہے لیکن اس کی یہ رائے اس لئے معتبر نہ ہوگی کہ اس کو دیکھنے کے لئے پہنچا ہی ایسے وقت جبکہ اس کے اجلاس پر ایک پھانسی کا مقدمہ پیش تھا اگر وہ دوسرے وقت مثلاً گھر پر ملاقات کرتا تب اس کے اخلاق کا اندازہ ہوتا۔

(ملفوظ ۱۷) واردات و کیفیات اضیاف غیبی ہیں

بہ سلسلہ کلام کوئی بات فرمانے کو تھے کہ دفعتہً وہ بات ذہن سے نکل گئی اور کچھ دیر سوچنے پر بھی یاد نہ آئی اس پر فرمایا کہ بزرگوں کی وصیت ہے کہ جس مضمون کو بھول جاوے اس کے پیچھے نہ پڑے یوں سمجھے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کو اس مضمون کو بیان کرانا منظور نہیں ان حضرات کا مسلک یہ ہوتا ہے ؎

چونکہ بر میخت بہ بندد بستہ باش　　چوں کشاید چابک و برجستہ باش

پھر اسی سلسلہ میں فرمایا کہ قلب کے تقاضے پر عمل کرنے نہ کرنے کے متعلق بھی یہ تفصیل ہے کہ جو سالک فنائے نفس تک نہ پہنچا ہو اس کو تو اپنے قلب کے تقاضے کے خلاف کرنا چاہئے اور جس پر خدا نے فضل کر دیا ہو اس کو وہی کرنا چاہئے جو تقاضا قلب پر ہو۔ مثلاً اگر رونے کا جوش ہو تو اس کو روکو مت خوب روؤ۔ ایسے ہی مقام والوں کے متعلق ایک بزرگ یوں کہتے ہیں

کہ واردات اور کیفیات اضیاف غیبی ہیں ان کا اکرام یہی ہے کہ ان کے مقتضا پر عمل لیا جاوے ورنہ یہ ایسے نازک مزاج مہمان ہیں کہ ادنیٰ بے التفاتی سے خفا ہو کر چلے جاتے ہیں۔ مگر مقام مجاہدہ والوں کا حکم اس کا عکس ہے۔

(ملفوظ ۲۷) علماء کے وقار کا قائم رہنا حفاظت دین کے لئے ضروری ہیں

لاہور کے جلسہ جمیعتہ العلماء کا یہ حال سن کر کہ وہاں پتھر اور جوتے پھینکے گئے بہت افسوس ظاہر فرمایا اور فرمایا کہ چاہے میری رائے کو کم ہمتی پر محمول کیا جائے لیکن میری رائے تو رنگ زمانہ دیکھ کر یہی ہے کہ علماء حجرہ میں بیٹھ کر بس اپنا یجوز لایجوز ہی کا کام کریں ورنہ ایسے حال میں عوام کی نظر میں علماء کی کیا وقعت رہ جاوے گی اور علماء کے وقار کا قائم رہنا حفاظت دین کے لئے نہایت ضروری ہے عالمگیریہ وغیرہ میں ہے کہ اگر کسی بلدہ میں صرف ایک ہی عالم ہو جو مسئلہ مسائل بتاتا ہو اور اس کے جہاد میں چلے جانے سے یہ اندیشہ ہو کہ پھر کوئی مسئلے بتانے والا نہ رہے گا تو ایسے شخص کو جہاد میں جانا جائز نہیں۔ علماء کو چاہئے کہ وہ اپنا کام کریں کیونکہ اگر سپاہی کا کام ویسرائے کرے تو پھر ویسرائے کا کام کون کرے۔ ایک بار شاہ جہاں بادشاہ کے پاس مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک دیوار کے گرنے کے آثار معلوم ہوئے مولانا یہ دیکھتے ہی فوراً ہٹ گئے۔ اور شاہ جہاں اپنے شاہانہ وقار سے اٹھے اس پر شاہ جہاں نے ان سے شکایت کی کہ آپ کو اپنی جان کی میری جان سے زیادہ فکر ہوئی انہوں نے صاف کہا کہ واقعی میری جان تمہاری جان سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ اگر میں نہ ہوں گا تو میرا کام کون کرے گا اور اگر تم نہ ہو گے تو تمہارے بیٹے عالمگیر اور دارا شکوہ موجود ہیں وہ سلطنت کا کام سنبھال لیں گے اھ پھر فرمایا کہ اس کا بہت افسوس ہوتا ہے کہ اپنی ہی جماعت میں

افتراق ہو گیا ہے اگر حضرت مولانا گنگوہیؒ رہتے تو افتراق نہ ہوتا وہ جو فرماتے اسی پر سب کا اتفاق ہو جاتا۔ رہی یہ بات کہ وہ کیا فرماتے تو ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ وہ یوں کہتے کہ اپنا کام کرو۔ علماء کے لئے تو اس زمانہ میں یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بقول حضرت مولانا گنگوہیؒ بس مٹی کا مادہ بنا بیٹھا رہے یہ محاورہ میں نے مولانا ہی سے سنا ہے۔ علماء کی تو عزت جس کی ضرورت ابقاء دین میں ہے گھر بیٹھنے ہی میں ہے اب اس کو اگر کوئی کم ہمتی پر محمول کرے تو اس کو اختیار ہے میں اس میں نزاع نہیں کرتا۔ اچھا بھائی ہمت کرو۔ جب میں کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں تھا تو اس زمانہ میں ایک متمول رئیس کانپور آئے۔ وہاں کے جتنے مدرسے تھے ان سب کے مہتمم اور مدرسین اپنے اپنے طلبہ کو لیکر چندہ کی غرض سے ان رئیس کے استقبال کے لئے اسٹیشن پہنچے۔ مجھ سے بھی کہا گیا لیکن میں نے صاف انکار کر دیا کہ میں تو اپنے مدرسہ سے ایک چڑیا کے بچہ کو بھی نہ جانے دوں گا۔ میرے نزدیک مال سے زیادہ عزت ہے اور اس صورت میں عزت تو یقیناً برباد ہو گی اور مال کا ملنا محض محتمل ہے ممکن ہے کہ مل جائے اور ممکن ہے کہ نہ ملے اور دوسری صورت میں عزت تو یقیناً محفوظ ہے چاہے مال ملے چاہے نہ ملے۔ غرض میں نے تو اپنے مدرسہ میں سے کسی کو نہیں جانے دیا دوسرے مدرسہ والے گئے اور اپنی اپنی ضرورتیں ظاہر کیں لیکن انہوں نے سب کی درخواستیں سن کر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ یہاں ایک مدرسہ جامع العلوم بھی ہے اور اس کا کوئی ذمہ دار نہیں اس کے لئے میں دو سو روپیہ سال مقرر کرتا ہوں۔ لیجئے اور سب کو تو جواب دیدیا اور ہمارے مدرسہ کے لئے دو سو روپیہ سال مقرر کر دئے پھر دو سو روپیہ سال برابر آتے رہے جب ان رئیس کا انتقال ہو گیا تو میں نے ان کے ورثہ کو اس چندہ کے قائم رکھنے کے لئے نہیں لکھا۔ اہل مدرسہ نے کہا بھی کہ لکھ دینا چاہئے لیکن میں نے کہا کہ یہ بے عزتی کی بات ہے چنانچہ نہ یہاں سے لکھا گیا نہ وہاں سے پھر کچھ آیا۔ میں تو علماء کے لئے اینٹھ مروڑ ہی کو اچھا سمجھتا ہوں تواضع تو درویشوں کو کرنی چاہئے کیونکہ اس سے دین

کی ذلت نہیں ہوتی وہ تو ان کی خوبی سمجھی جاتی ہے لیکن اگر علماء ایسی تواضع اختیار کریں تو اس سے دین کی ذلت ہوتی ہے لوگ انہیں ذلیل سمجھنے لگتے ہیں۔

(ملفوظ ۷۳) دیوان حافظ اور مثنوی سے مسئلہ فن کا استنباط جائز نہیں

بسلسلہ کلام فرمایا کہ دیوان حافظ اور مثنوی شریف جیسی کتابوں میں اور فن کی دوسری کتابوں میں یہ فرق ہے کہ ان سے کوئی مسئلہ فن کا استنباط کرنا جائز نہیں ہاں پہلے فن کی کتابو ں سے مسائل معلوم کر کے ان کی تائید ان کتابوں سے کی جا سکتی ہے۔

(ملفوظ ۷۴) حضرات صحابہؓ میں روحانی کیفیات غالب تھیں

فرمایا کہ حضرات صحابہ میں روحانی کیفیات غالب تھیں اور متاخرین صوفیہ میں نفسانی یعنی مادی لیکن لطیف۔

(ملفوظ ۷۵) شیخ کی تعلیم کی اتباع کی ضرورت

بسلسلہ کلام فرمایا کہ طریق کا مسئلہ تو یہ ہے کہ شیخ کی تعلیم کا اتباع کرے چاہے وہ سمجھ میں آوے یا نہ آوے لیکن اس میں میری ایک ترمیم ہے جو اہل طریق سے منقول تو نہیں ہے لیکن ضروری ہے کیونکہ شریعت ایسی چیز نہیں کہ بے سمجھے اس کے خلاف کرے۔ اگر شیخ کی تعلیم میں کوئی خلجان ہو تو اول تو اس کو بطور خود دور کر دے اگر دور ہو جائے فبہا ورنہ شیخ سے ادب کے ساتھ ظاہر کر دے۔ اگر وہ سچا شیخ ہو گا تو سمجھائے گا یا بدل بتلائے گا۔ اگر پھر بھی اطمینان نہ ہو تو اس شیخ کو چھوڑ دے لیکن بدوں گستاخی کئے جس کو ججرا جمیلا کہتے ہیں گو تحقیق اور جانچ کے بعد اگر شیخ کا انتخاب کیا جاتا ہے تو شاذ و نادر ہی ایسا خلجان واقع ہوتا ہے کیونکہ شیخ محقق خود تہمت سے بچنے کا خیال رکھتا ہے اور

اس کا خیال رکھنا ضروری بھی ہے کیونکہ خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا ہے باوجود اس کے حضرات صحابہؓ بالکل حضور کے غلام اور حضور پر فدا ہو جانے والے تھے چنانچہ ایک مرتبہ آپ بحالت اعتکاف مسجد میں حضرت صفیہ سے بیٹھے بات چیت کر رہے تھے کہ اسی اثنا میں دو صحابی ادھر سے گذرے آپ نے فوراً فرمایا علی رسلکما یعنی ذرا ٹھہرو۔ پھر آپ نے حضرت صفیہ کو تو رخصت کیا اور ان دونوں سے فرمایا انها صفية یہ صفیہ ہیں جن سے میں باتیں کر رہا ہوں کوئی اجنبی عورت نہیں ہیں انہوں نے عرض کیا کہ حضرت کو اس فرمانے کی کیا ضرورت تھی بھلا آپ پر توبہ توبہ کوئی اور گمان بھی ہو سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں شیطان انسان کے خون کے ساتھ رگ رگ میں دوڑتا پھرتا ہے مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں میرے خلاف کوئی وسوسہ نہ ڈالدے جس سے تمہارے ایمان میں خلل پڑ جائے۔ اسی لئے میں نے بات صاف کر دی۔

(ملفوظ ۷۶) حضرات اکابر کا تواضع اور خلوص

اپنے حضرات اکابر کے خلوص تواضع اور بے ساختگی کے واقعات بیان کر کے فرمایا کہ ان واقعات کے کوئی نظائر پیش نہیں کر سکتا۔ گو اور حضرات وسعت علم اور مجاہدہ عمل میں ان سے بڑھے ہوئے ہوں چنانچہ خود ان کے زمانہ میں بھی ایسے لوگ موجود تھے لیکن جو للٰہیت اور خلوص ان حضرات میں دیکھا کسی اور میں نہ دیکھا بس یہ جو مشہور شعر ہے ان پر صادق آتا ہے۔

اگرچہ شیخ نے داڑھی بڑھائی سن کی سی
مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی

جو خاص بات ان حضرات میں تھی اس کے سامنے اصطلاحی علم کوئی چیز نہیں بلکہ ہمارے حضور تو اس عرفی علم نہ ہونے پر فخر فرماتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے نحن امة امية لانكتب ولا نحسب

یعنی ہم ان پڑھ جماعت ہیں نہ ہم حساب جانیں نہ کتاب۔ اسی کو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

نگار من کہ بمکتب نہ رفت ودرس نہ کرد
بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

غرض صحابہ کو تو اس پر فخر تھا کہ ہم لکھے پڑھے نہیں ہیں۔ تو یہ علم کوئی فخر کی چیز نہیں ہے ہاں فخر کی چیز ہے تو وہ ہے کہ بس اللہ کا ہو جائے۔ جو اللہ کا ہو جائے وہ اگر فخر بھی کرے تو وہ کبر نہیں ہے بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف اور بڑائی ہے چنانچہ ایک بزرگ کہتے ہیں ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است
افتم بہ پائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

لوگ کرامتوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ان حضرات کے واقعات کو دیکھیں کہ ان کا ہر ہر واقعہ ایک مستقل کرامت ہے اور پھر بڑا کمال یہ تھا کہ اپنے کمالات کو ہمیشہ چھپایا ظاہر نہیں ہونے دیا چنانچہ ایک بار حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمتہ اللہ علیہ مسجد کے حجرہ میں اپنے ایک شاگرد کے پاس تشریف لائے جن کے پاس چارپائی نہ تھی مولانا ان کے لئے خود بہ نفس نفیس گھر سے چارپائی اٹھا کر لائے ابھی لا ہی رہے تھے کہ اتفاق سے ان شاگرد نے دیکھ لیا وہ دوڑ کر چارپائی اٹھانے لگے۔ مولانا نے فوراً چارپائی چھوڑ دی اور فرمایا کہ میں کوئی رعیت کا جولاہا نہیں جو اس کو پہنچاؤں تم خود لے جاؤ۔ دیکھئے یہاں اپنے کمال تواضع کو کس لطافت کے ساتھ چھپا لیا۔ پھر فرمایا میں طالب علمی کے ختم تک اس خیال میں رہا کہ دنیا بھر کے علماء اسی شان کے ہوتے ہوں گے لیکن جب باہر نکلا تو دیکھا کہ اور کسی جگہ یہ رنگ ہی نہیں۔ اسوقت اپنے حضرات اساتذہ کی قدر ہوئی کہ اللہ اکبر یہ حضرات اپنا کہیں نظیر نہیں رکھتے۔

(ملفوظ ۷۷) گناہوں سے حفاظت کے اہتمام کی ضرورت

استفسار پر فرمایا کہ صوفیہ نے گناہوں کے وساوس کے متعلق یہ معیار قائم کیا ہے کہ اگر ایک ہی گناہ کا بار بار وسوسہ آئے تو وہ نفس کی جانب سے ہے ورنہ شیطان کی طرف سے ہے کیونکہ نفس تو اسی گناہ کا بار بار تقاضا کرتا ہے جس سے اس کو لذت ملتی ہے اور شیطان کو لذت سے کچھ مطلب نہیں اسے تو بھکانا مقصود ہے اس لئے کبھی کسی گناہ کا وسوسہ ڈالتا ہے کبھی کسی گناہ کا کیونکہ جو گناہ بھی کوئی کرے گا اس کا مقصود ہر صورت میں حاصل ہے پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اس تحقیق سے کوئی فائدہ نہیں۔ بس گناہوں سے حفاظت کا اہتمام چاہیے۔ چاہے وہ گناہ نفس کی طرف سے ہوں یا شیطان کی طرف سے۔ اگر اس کی تحقیق ہو بھی گئی کہ فلاں گناہ نفس کی طرف سے ہے اور فلاں شیطان کی طرف سے تو اس تحقیق سے فائدہ کیا ہوا۔ ہمت تو ہر صورت میں گناہ سے بچنے کے لیے ضرور کرنا ہوگی سو ہمت کر کے ہر گناہ سے بچے اور اس تحقیق کے درپے نہ ہو۔ معیار مذکور کو سن کر عرض کیا گیا کہ اس کے مطابق تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اکثر گناہ نفس ہی کے تقاضہ سے ہوتے ہیں کیونکہ اکثر یہی ہوتا ہے۔ کہ ایک ہی گناہ کا بار بار تقاضا ہوتا ہے اور جب تک اس کا ارتکاب نہیں ہو جاتا اس کی طرف برابر میلان ہوتا رہتا ہے۔ اس پر فرمایا کہ جی ہاں اصل منبع تو نفس ہی ہے کیونکہ شیطان کو بھی تو اس کے نفس ہی نے نافرمانی میں مبتلا کر رکھا ہے۔ پھر فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ ہر انسان کیساتھ ایک فرشتہ بھی رہتا ہے اور ایک شیطان بھی۔ فرشتہ تو گناہ سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے اور شیطان گناہ کے ارتکاب کی ترغیب دیتا ہے۔ غرض دونوں میں مناظرہ ہوتا ہے بعض کا قول ہے کہ جس طرف یہ خود ہو جاتا ہے اسی کو غلبہ ہو جاتا ہے لیکن میں ہر حال میں یہی کہتا ہوں کہ خواہ تحقیق کا کچھ ہی حاصل نکلے مگر حفاظت کا اہتمام ہر صورت میں چاہیے۔ جب ہمارا مال چوری چلا گیا تو پھر اس سے ہمیں کیا اس گاؤں کا چور لے

گیا یا اس گاؤں کا ہمارا نقصان تو ہو ہی گیا-

(ملفوظ ۶۸) شکر کی مختلف ہیئتیں

ایک صاحب علم و فضل نے یہ اشکال پیش کیا کہ جب خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ شکر کرنا ثابت ہے تو فقہاء حنفیہ نے اس کو مکروہ کیوں قرار دیدیا ہے- فرمایا کہ لزوم مفسدہ کی وجہ سے تاکہ لوگ اس کو سنت مقصودہ نہ سمجھنے لگیں- انہوں نے عرض کیا کہ جو فعل حضور سے ثابت ہے اس کا کرنا تو اتباع سنت ہے- فرمایا کہ خود اس فعل میں اس شرط کا لحاظ چونکہ آپ کے ہی ارشادات سے ثابت ہے اس لئے یہ بھی اتباع ہی ہے ورنہ مطلق اتباع تو اس میں بھی ہے کہ عین دوپہر کو اس قصد سے نماز پڑھے کہ حضور نے بھی نماز پڑھی ہے- گو عین دوپہر کو نہ سہی تو آخر اس کا کیا جواب ہے یہی ہے کہ حضور نے نماز تو پڑھی ہے لیکن حضور کی نماز ایسی نہ تھی اسی طرح حضور کا سجدہ ایسا نہ تھا جس میں کوئی محذور ہوا- پھر فرمایا کہ ان ہی اصول پر قاعدہ فقہیہ یہ ہے کہ جس عبادت کا طریق تحصیل کوئی دوسرا نہ ہو وہاں تو اس عبادت کو ترک نہ کریں گے بلکہ اس میں جو مفسد ہوگا اس کی اصلاح کریں گے اور اگر کسی عبادت کے متعدد طرق تحصیل کے ہوں تو ایسے طریق کو اختیار کیا جائیگا- جس میں مفسدہ نہ ہو اور جس میں مفسدہ ہوگا اس کو ترک کر دیا جائیگا- اسی طرح شکر کی مختلف ہیئتیں ہیں-

شکر منحصر فی طریق واحد نہیں اس لئے اگر ایک ہیئت میں مفسدہ کا اندیشہ ہوگا تو اس کو ترک کر کے دوسری ہیئت کو اختیار کیا جائیگا- ورنہ ویسے تو مثلاً اگر کوئی لوٹ مار کر روپیہ حاصل کرے اور پھر اس کو تصدق کر دے تو گو تصدق مطلقاً شکر میں داخل ہے لیکن تصدق کی یہ ہیئت شکر کی فرد ہی نہیں سمجھی جائیگی بلکہ اس کو احداث فی الدین قرار دیا جائیگا- رہا یہ امر کہ کسی ہیئت میں مفسدہ ہے اور کسی میں نہیں اس کا فیصلہ وہی حضرات کر سکتے ہیں جن کو ذوق

اجتہادی حاصل ہے اور ذوق اجتہادی کا اعتبار خود حضرت شارع علیہ السلام نے بھی کیا ہے چنانچہ حضور نے بنی قریظہ میں پہنچ کر نماز عصر پڑھنے کے لئے صحابہ کو ارشاد فرمایا اور راستہ میں عصر کا وقت ہو گیا اب اس میں اختلاف ہوا کہ راستہ ہی میں نماز عصر ادا کریں یا اسی محلہ میں پہنچنے کے بعد پڑھیں خواہ نماز قضا ہو جائے- اس پر دو فریق ہو گئے- ایک فریق نے تو راستہ ہی میں پڑھ لی اور یہ سمجھا کہ حضور کا مقصود یہ تھا کہ جلدی پہنچو کہ وقت وہاں آوے- دوسرے فریق نے اس محلہ میں پہنچنے کے بعد پڑھی گو وقت نہ رہا- جب اس اختلاف کی اطلاع حضور سے کی گئی تو آپ نے دونوں کی تصویب فرمائی اور کسی فریق کو ملامت نہ فرمائی- اس واقعہ سے ذوق اجتہادی کا معتبر عند الشارع ہونا صاف بظاہر ہے- پھر انہیں فاضل صاحب نے عرض کیا کہ جب سجدہ شکر حضور سے ثابت ہے تو طبعاً جی چاہتا ہی ہے کہ ہم بھی سجدہ شکر کریں- اس پر فرمایا کہ التزام میں عوام کے لئے مفسدہ ہے التزام نہ کرے کبھی کبھی کر لے تو ڈر نہیں- پھر فرمایا اسی واسطے تو عاشق کو مفتی بننا جائز نہیں کیونکہ وہ تو محبت سے مغلوب ہوتا ہے اس کا تو حضور کے ہر فعل کا اتباع ہی کرنے کو جی چاہتا ہے چاہے دوسرے لوگ مفسدہ ہی میں مبتلا ہو جائیں اور فقیہ اس کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ دلیری کیساتھ یہ فتویٰ دے دیتا ہے کہ حضور کے جس فعل کے اتباع سے عوام میں کسی مفسدہ کا اندیشہ ہو وہ اتباع ہی نہیں محض دعویٰ ہے اتباع کا اس لئے وہ فعل ممنوع ہے- پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ اگر نیت و عقیدہ ٹھیک ہو تو جو فعل منہی عنہ نہ ہو نہ کلیاً نہ جزئیاً اور جوش محبت میں کیا جائے اور اس کے لئے تو جائز ہی ہے لیکن اگر جاہلوں تک پہنچ جانے کی اور ان میں مفسدہ پیدا ہو جانے کی اس کو اطلاع ہو جاوے- تو اس کے لئے بھی ممنوع ہے-

(ملفوظ ۹۷) حضرت ابومحجن کی اطاعت وجاںنثاری

بعض واقعات کے وحشیانہ مظالم کے حالات سن کر فرمایا کہ یہ حالت تو

تہذیب و تمدن کی ہے پھر یہ لوگ کیا منہ لیکر اسلامی جہاد وغیرہ پر اعتراض
کرتے ہیں کہ یہ بربریت ہے حالانکہ اسلام نے جہاد میں بھی ایسے ایسے قیود و
حدود مقرر فرمادے ہیں کہ دنیا کی کسی متمدن سے متمدن قوم کے یہاں بھی
نہیں پائے جاتے مثلاً یہ حکم ہے کہ اگر کسی کو بضرورت شرعی قتل کرو تو اچھے
طریق سے قتل کرو۔ بری طرح قتل نہ کرو خواہ دشمن نے کسی مسلمان کو بری
طرح ہی قتل کیا ہو اور اگر ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو۔ بیجا تکلیف نہ پہنچاؤ بلکہ
جہاں تک ہو سکے راحت دو۔ چھری اگر کند ہو تو اس کو تیز کر لو اور مثلاً یہ حکم
ہے کہ اگر جہاد میں عین قتل کرنے کے وقت بھی کوئی کافر کلمہ پڑھ لے تو فوراً
اپنا ہاتھ روک لو گو تمہارے گمان میں اس نے محض اپنی جان بچانے کی غرض
سے کلمہ پڑھا ہو کیونکہ دل کا حال تو کسی کو معلوم نہیں کیا خبر کہ اس نے دل
سے کلمہ پڑھا ہو محض جان بچانے کے لئے نہ پڑھا ہو چنانچہ ایک صحابی نے ایسے
ہی موقع پر باوجود کلمہ پڑھ لینے کے بھی یہ سمجھ کر کہ یہ محض جان بچانے کے
لئے کلمہ پڑھ رہا ہے قتل کر دیا تھا تو حضور کو ان کی یہ حرکت اس قدر ناگوار ہوئی
کہ وہ صحابی اس کو تمنا کرنے لگے کہ کاش میں اس حرکت سے قبل مسلمان نہ
ہوا ہوتا بعد کو ہوا ہوتا تاکہ میرا یہ جرم بھی اسلام لاکر معاف ہو جاتا۔ حضور
نے ان صحابی سے اس عذر پر کہ اس نے دل سے کلمہ تھوڑا ہی پڑھا تھا محض اپنی
جان بچانے کے لئے پڑھا تھا یہ فرمایا کہ هلا شققت قلبه کیا تم نے اس کا دل
چیر کر دیکھ لیا تھا۔ اب دیکھئے ہر کافر کو اسلام نے گویا اپنے آپ کو بچانے کے لئے
ایک سپر دیدی ہے کہ جھوٹ موٹ بھی اگر وہ کلمہ پڑھ لے تو بہت آسانی سے
اپنی جان بچا سکتا ہے کیونکہ اس کے بعد اس کو قتل کرنا حرام قرار دیدیا گیا ہے۔
رہا یہ امر کہ پھر اس طرح تو دھوکے دے دے کر کفار مسلمانوں کو بہت کچھ
نقصان پہنچا سکتے ہیں سو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بالکل مطمئن فرما دیا ہے
چنانچہ ارشاد ہے

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ

یعنی کفار اگر آپ کو دھوکہ دینے کا قصد کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہیں- اسی طرح اللہ تعالیٰ یہ فرما کر حضور کا اطمینان فرماتے ہیں-

وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ

اور اگر وہ آپ سے دغا کرنیکا ارادہ کریں تو کیا ہے وہ اس سے پہلے اللہ سے دغا کر چکے ہیں جس کی سزا میں اللہ نے ان کو پکڑوا دیا تو دیکھئے مخالفین کی دھوکہ بازی کی کچھ پروا نہیں کی گئی بلکہ نہایت قوت کیساتھ مطمئن فرما دیا گیا کہ اگر دھوکہ دیں گے تو اللہ تعالیٰ خود انہیں سمجھ لیں گے آپ بے فکر رہئے- غرض احکام کی تعمیل بلا پس و پیش اور بلا کسی اندیشہ کے کرنا چاہئے پھر اللہ تعالیٰ خود ہی غیب سے بہبودی کا سامان فرما دیتے ہیں کیونکہ انہیں تو سب کچھ قدرت ہے اھ-

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ اس گئی گذری حالت میں بھی مسلمانوں کے اندر اوروں سے زیادہ سلطنت کرنے کی صفات موجود ہیں۔ مثلاً عدل و انصاف ترحم وغیرہ مگر بس کمی یہ ہے کہ ان میں نظم نہیں اور نظم نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان میں اتفاق اور اتحاد نہیں اور اتحاد و اتفاق کی جڑ حضرت حاجی صاحب نے عجیب فرمائی جس کی تمام عقلاء کو بھی خبر نہیں۔ فرماتے تھے کہ اتفاق کی جڑ تواضع ہے۔ اگر ہر شخص دوسرے کو اپنے سے افضل سمجھنے لگے تو پھر نا اتفاقی کی نوبت ہی نہ آوے کیونکہ نا اتفاقی اسی سے تو پیدا ہوتی ہے کہ ہر شخص اپنے کو دوسرے سے افضل سمجھتا ہے اور اس سے بڑھانا چاہتا ہے۔ سبحان اللہ کیا حقیقت ظاہر فرمائی ہے اھ اس پر ایک صاحب نے استفسار کیا کہ تواضع پیدا کیونکر ہو۔ فرمایا کہ تواضع اختیاری چیز ہے۔ دوسروں کیساتھ تواضع کا برتاؤ کرے خواہ نفس کو ناگوار ہو۔ بس اسی سے تواضع کی صفت پیدا ہو جائے گی اور اگر صفت بھی پیدا نہ ہو صرف عمل ہی تواضع کے خلاف نہ ہو تو یہ بھی کافی ہے اب تو یہ ہے کہ کسی کو اپنا بڑا تسلیم کر لینے میں عار آتی ہے اور جب تک کسی کو بڑا تسلیم نہ کر لیا جائے مرکزیت جو نظم کے لئے ضروری ہے قائم نہیں ہو

سکتی اھ خلاصہ یہ کہ تصوف کے بغیر کام نہیں چل سکتا کیونکہ سب سے اول چیز تصوف میں تواضع ہی کی تعلیم ہے جس کو اصطلاح میں فناء کہتے ہیں عموماً تو تصوف میں فنا سب سے آخر مقام سمجھا جاتا ہے لیکن در حقیقت سب سے اول مقام بھی فناء ہی ہے اور سب سے آخر مقام بھی فناء ہی ہے کیونکہ فناء کے بھی درجات ہوتے ہیں۔ باقی بدوں فناء کے تو اس طریق میں کوئی شخص ایک قدم بھی نہیں چل سکتا چاہے لاکھ ورد وظیفے پڑھے لاکھ تسبیحیں پھیرے لوگ کہتے ہیں کہ حجروں میں بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا میدان میں آنا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ حجرہ ہی میں بیٹھنے سے میدان کی قابلیت پیدا ہوتی ہے جیسے ریڈیو حجرہ ہی میں رکھا جاتا ہے اور پھر اسی سے تقریریں نشر کی جاتی ہیں جن سے تمام عالم میں ہل چل پڑ جاتی ہے۔ وہ حجرہ ہی میں بیٹھا کمان کر رہا ہے اور اسی کمان سے چاروں طرف تیر چل رہے ہیں۔ اس پر یاد آیا کہ حضرت سعد بن وقاص ایک معرکہ میں امیر لشکر تھے اور بوجہ ایک دنبل نکل آنے کے نقل و حرکت سے معذور تھے پھر بھی اپنے خیمہ میں بیٹھے بیٹھے ہی فوج کی کمان کر رہے تھے اور وہیں سے لشکریوں کو ضروری احکام پہنچا رہے تھے۔ غرض حجرہ نشینی پر جو آج کل اعتراض کیا جاتا ہے وہ بالکل ہی غلط ہے اور نا حقیقت شناسی پر مبنی ہے اھ۔ تواضع کی ضرورت پر بعض مثالیں بھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنھم کے تواضع اور ایثار کی حضرت اقدس مد ظلہم العالی نے بیان فرمائیں پھر یہ بھی فرمایا کہ بدون تواضع کے امیر کی اطاعت بھی نہیں ہو سکتی اور حکومت کے لئے اطاعت امیر لابدی ہے۔ مسلمانوں میں اس وقت بڑی کمی اسی اطاعت کی ہے۔ اس پر اطاعت کا یہ واقعہ بھی نقل فرمایا کہ حضرت ابو محجن ثقفی اس جرم میں کہ انہوں نے شراب کی تعریف میں اشعار لکھے تھے عین کار زار میں زنجیر سے باندھ دئے گئے تھے کفار میں ایک شخص رستم نامی تھا جس نے کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔

حضرت ابو محجن کو یہ دیکھ کر جوش اٹھا کہ میں جا کر اس کا مقابلہ کروں مگر مجبور تھے کیونکہ زنجیر سے جکڑے ہوئے تھے بالآخر ان سے نہ رہا گیا اور امیر

لشکر کی بیوی سے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ مجھ کو اس وقت چھوڑ دیا جائے میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں صحیح سلامت واپس آگیا تو پھر آکر اپنے آپ کو اسی طرح زنجیر سے بندھوا دوں گا اور اگر شہید ہو گیا تب بھی امیر لشکر کا کچھ حرج نہ ہو گا کیونکہ وہ مجھ سے ناراض ہیں ہی مجھ سے ان کو چھٹکارا مل جائے گا جب بہت منت سماجت کی تو وہ اس پر راضی ہو گئیں پھر انہوں نے عرض کیا کہ مجھے کچھ سامان بھی تو لڑنے کا چاہئے۔ اس وقت سوائے امیر لشکر کے گھوڑے اور تلوار کے اور کچھ سامان فارغ نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے انہیں بیوی سے کہہ سن کر اجازت لے لی اور وہی گھوڑا اور تلوار لیکر رستم کے مقابلہ کے لئے جا پہنچے لیکن اس ڈر سے کہ کہیں امیر لشکر کا سامنا نہ ہو جائے اپنا منہ چھپا لیا رستم کے پاس پہنچتے ہی انہوں نے اس کو قتل کر دیا اور فوراً واپس آکر حسب وعدہ اپنے آپ کو زنجیر سے پھر بدستور سابق بندھوا لیا لشکریوں کو حیرت ہو گئی کہ یہ کون دفعتہً نمودار ہوا اور رستم کا کام تمام کر کے غائب ہو گیا وہ سمجھے کہ کوئی غیبی فرشتہ تھا۔ جب معرکہ سر کر کے لشکر واپس آیا تب سب کو یہ واقعہ معلوم ہوا دیکھئے اطاعت اور جان نثاری اس کو کہتے ہیں کہ باوجود مقید کر دیئے جانے کے برا نہ مانا اور یہ کار نمایاں کر آئے اور پھر آکر اپنے آپ کو مقید کرا دیا۔ ادھر امیر لشکر نے بھی حکم شریعت کے جاری کرنے میں عین موقع کار زار میں بھی پس و پیش نہ کیا اور چونکہ شرعی حکم تھا اس لئے ایسے کارآمد شخص کو بھی قید کر دیا اور اس کے ساتھ کچھ رعایت نہ کی۔ بات یہ ہے کہ وہاں اصل مقصود اتباع احکام اور تحصیل رضائے الٰہی تھا اس کے مقابلہ میں اور کسی مصلحت کی پرواہ نہ کرتے تھے ان حضرات کا تو بس یہ مسلک تھا۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و خم طرہ یارے گیرند

اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ شہادت کے متعلق عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جہاد میں مقتول ہو کر شہید ہو جانا ہی اصل مقصود ہے حالانکہ یہ غلط ہے

مقتول ہونا اصل مقصود نہیں بلکہ قاتل ہونا اصل مقصود ہے اور مقتول ہونا قاتل ہونے کی حد ہے یعنی یہ حکم ہے کہ مقتول ہونے کی حد تک قاتل بنے رہو یعنی اگر قاتل بننے میں مقتول ہو جانے تک کی بھی نوبت آجائے تب بھی کچھ پرواہ نہ کرو۔

(ملفوظ ۸۰) حوادث الفتاویٰ

ایک سلسلہ کلام میں فرمایا کہ میں نے یہ چاہا تھا کہ جو نئی نئی صورتیں معاملات بیع و شرئی و دیگر ذرائع معاش کی اس زمانہ میں پیدا ہو گئی ہیں ان کے جواز و عدم جواز کے متعلق شرعی احکام مدون کر دیئے جائیں اور اس مجموعہ کا نام بھی میں نے حوادث الفتاویٰ تجویز کر دیا تھا۔ ان فتاویٰ کی تدوین کے لئے میں نے یہ صورت تجویز کی تھی کہ ہر قسم کے اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کی صورتیں مثلاً تاجر تجارت کی صورتیں۔ اہل زراعت زراعت کی صورتیں ملازم ملازمت کی صورتیں لکھ لکھ کر میرے پاس بھیجیں چنانچہ میں نے اپنے عام بیانات میں بھی خاص گفتگو کے موقعوں پر بھی اس کی ضرورت کو ظاہر کیا اور وعدے بھی لے لئے لیکن افسوس کسی نے میری مدد ہی نہ کی۔ پھر بھی کچھ نئی صورتوں کے احکام میں نے بطور خود ہی نیز سوالات موصول ہونے پر لکھے جو حوادث الفتاویٰ کے نام سے شائع بھی ہو چکے ہیں لیکن وہ بہت چھوٹا سا مجموعہ ہے جو زیادہ صورتوں کو حاوی نہیں اور ضروریات کے لئے کافی نہیں مگر اس کے مطالعہ سے کم از کم یہ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ معاملات کی جتنی نئی صورتیں ہیں ان سب کے احکام فقہاء کے کلام میں موجود ہیں کیونکہ وہ حضرات کلیات ایسے مقرر فرما گئے ہیں کہ انہیں سے ساری نئی صورتوں کے احکام بسہولت نکل سکتے ہیں یہ ان حضرات کی عجیب کرامت ہے اور اس سے ان کے کلام کا جامع ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح متکلمین نے جو علم کلام مدون کیا ہے اس میں بھی سب کچھ موجود ہے کیونکہ انہیں کے مقرر کردہ اصولوں پہ سارے شبہات

جدیدہ کا بھی جواب دیا جا سکتا ہے۔ اور اسی ذخیرہ سے کلام جدید کی بھی بآسانی تدوین ہو سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی تدوین کا بھی قصد کیا تھا۔ اور علی گڑھ کالج میں جب میرا بیان ہوا تھا تو میں نے وہاں کے طلبہ سے خاص طور پر یہ کہا تھا کہ آپ صاحبوں کو جو جو شبہات ہوں ان کو لکھ کر میرے پاس بھیج دیں اور اس کی یہ سہل صورت بھی میں نے تجویز کر دی تھی کہ مسجد میں ایک رجسٹر رکھ لیا جائے اور ہر اتوار کو جہاں بہت سے اور کام کرتے ہیں ایک یا دو سوال اس رجسٹر میں بھی لکھ دیا کریں پھر جب ایک معتدبہ تعداد ہو جایا کرے ان سوالات کی نقل یا اس رجسٹر ہی کو میرے پاس بھیج دیا کریں میں ان سوالات کا جواب لکھوں گا لیکن باوجود اتنے بڑے مدعی ہونے کے ایک بھی تو خط نہیں آیا بس اہل الرائی باتیں ہی بگھارتے ہیں اور عمل کے نام صفر ہے کوئی خود کچھ نہیں کرتا اور علماء پر الزام کہ یہ کچھ نہیں کرتے علماء کو یوں چاہئے علما کو یوں چاہئے ارے بھائی تمہیں بھی تو کچھ چاہئے یا سب علماء کو چاہئے۔

ایک ریاست کے مدار الہام تھے وہ بھی بہت جنٹلمین تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ کلام جدید کے مدون ہونے کی سخت ضرورت ہے میں نے اس ضرورت کو تسلیم کر کے اس کی مفصل عملی صورت پیش کی اور جو کام ان کے کرنے کے تھے مثلاً علماء کو تنخواہیں دے دے کر ان کو اس کام کے لئے ملازم رکھنا اور ضروری کتابوں کا خرید کر فراہم کرنا اور مدون شدہ کا شائع کرنا ان کا انتظام ان کے سپرد کیا تو بس پھر سکوت اختیار کیا اور پھر کبھی ایسی فرمائش نہیں کی میں تو ایسے معترضین اور مجوزین کو اسی طرح خاموش کرتا ہوں کہ ان کے کرنے کا جو کام ہوتا ہے وہ ان کے سر ڈال دیتا ہوں بس پھر منہ نہ اعتراضات کرنے کا رہتا ہے نہ تجویزات پیش کرنے کا۔ غرض ان جنٹل مینوں سے تو مجھے کوئی مدد ملی نہیں لیکن میں نے بطور خود ہی ان کے بعض ایسے شبہات کے جن کا مجھ کو علم تھا جوابات لکھ کر الانتباهات المفیده عن الاشتباهات الجدیده کے نام سے شائع کر دیا ہے۔ اور اس میں میں نے ایسے اصول موضوعہ قائم کر

دئے ہیں جن سے میرے نزدیک اس قسم کے جتنے شبہات پیدا ہوں بسہولت رفع کئے جاسکتے ہیں اھ۔

حوادث الفتاوئ اور کلام جدید کی مفصل اور مکمل تدوین کی دوبارہ توجہ کی استدعاء پر فرمایا کہ اب مجھ میں قوت کہاں ؎

چوباد صبابر گلستان دزد چمیدن درخت جوان راسزد

پھر فرمایا کہ کام کے لوگ موجود ہیں مگر کام نہ کریں تو اس کا کیا علاج۔ آرام طلبی سے تو کام ہوتا نہیں کام تو کام کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ وہ تو اللہ کا شکر ہے کہ گو میرا دماغ بے کار تھا لیکن چونکہ کام کرنے کا تقاضا میرے قلب میں تھا اس لئے کچھ نہ کچھ کر ہی لیا اور میں نے آرام بھی اوروں سے زیادہ کیا ہے اور مشقت بھی اوروں سے زیادہ اٹھائی ہے لیکن آرام کا استعمال تو بیشک میں نے کیا ہے لیکن اہتمام اس کا زیادہ نہیں کیا۔ باقی اب تو قوت ہی نہیں رہی لیکن الحمدللہ امنگ اور تقاضا قلب میں اب بھی ویسا ہی ہے بلکہ زیادہ ہی ہے ؎

خود قوی ترمی شود خمر کہن خاصہ آن خمرے کہ باشد من لدن

اگر کوئی کام اب بھی ایسا آجاتا ہے جس کا کرنا میرے نزدیک ضروری ہوتا ہے تو اس کو اسی طرح لگ لپٹ کر بہت جلد پورا کر لیتا ہوں اور جب تک پورا نہیں کر لیتا چین نہیں آتا۔ برابر اس کا خیال لگا رہتا ہے گو بعد کو بہت تکان محسوس ہوتا ہے۔ غرض میں تو جیسا مجھ سے بھلا برا ہو سکا دین کی ضروری خدمت کر چکا جو جی میں آیا اللہ نے پورا کر دیا لیکن اب جو اور کام باقی ہے اس کو اور لوگ کریں کیا وہ کر نہیں سکتے ضرور کر سکتے ہیں اور مجھ سے اچھا کر سکتے ہیں لیکن اگر خواہ مخواہ واجد علی شاہ کے احدی ہی بن جائیں تو اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں ؎

مراد مانصیحت بود و گفتیم حوالت باخدا کردیم ورفتیم

اب تو اگر کسی کام میں ذرا کچھ سوچنے کی ضرورت ہوتی ہے تو اس سے بھی تکان ہو جاتا ہے اھ۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ سچ جانئے اس کا تو مجھے وسوسہ

بھی نہیں کہ یہ جو کچھ میں نے کام کیے ہیں وہ اعمال صالحہ ہیں بلکہ یہ ڈر ہے کہ کہیں ان پر مواخذہ نہ ہو اھ اس پر عرض کیا گیا کہ حضرت کی تصانیف سے تو بہت ہی نفع پہنچا ہے۔ فرمایا کہ اندھا مشعلچی بھی تو نفع پہنچاتا ہے اسی واسطے الحمدللہ مجھے کبھی ناز نہیں ہوا بس یہ شعر پیش نظر رہا۔

نہ بہ نقش بستہ مشوشم نہ بہ حرف ساختہ سر خوشم
نفسے بہ یاد تومی زنم چہ عبارت وچہ معانیم

بلکہ ہمیشہ یہی فکر رہی کہ کہیں مجھ سے کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی۔ چنانچہ میں نے اپنے اہل علم احباب کی ایک کمیٹی بنائی تھی اور ان کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ میری ساری تصانیف کو دیکھ کر جو ان میں غلطیاں ہوں ان کو جمع کر لیا جائے اور بعد مشورہ ان کی تصحیح شائع کر دی جائے اور جو میں فتوی لکھوں اس کو بھی دیکھ لیا جائے اس کمیٹی کے لئے میں نے ایک مہر بھی بنوائی تھی جو اب تک موجود ہے۔ یہ انتظام میں نے اپنے اطمینان کے لئے کیا تھا کیونکہ اپنی لیاقت تو مجھے معلوم ہے جیسی ہے جب مولانا خلیل احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے سنا تو میرے سامنے فرمایا کہ خیر کتابوں پر تو میری نظر نہیں لیکن وعظ تو میں نے بہت سنے ہیں وعظ میں تو کہیں کسی کو انگلی رکھنے تک کی بھی گنجائش نہیں ہوتی حالانکہ وعظ میں تو جو کچھ کہا جاتا تھا بے سوچے کہا جاتا تھا اور کتابوں میں تو جو کچھ لکھا ہے سوچ سمجھ کے لکھا ہے۔ جب وعظوں میں مولانا نے کوئی غلطی نہیں پائی تو غالب تو یہ ہے کہ کتابوں میں بھی غلطیاں ان شاء اللہ شاذو نادر ہی ہوں گی اور میں نے تو ترجیح الراجح کا سلسلہ اسی لئے جاری کر رکھا ہے کہ جس کو جو غلطی میری تصانیف میں ملے اس سے مجھے مطلع کرے تاکہ اگر مجھے اپنی غلطی کا اطمینان ہو جائے تو اس سے بالاعلان رجوع کر لوں۔ چنانچہ مجھ سے جہاں کہیں کوئی لغزش ہوئی ہے اس کا دل کھول کر بہت فراخ دلی سے اقرار کیا ہے اور جہاں مجھے شرح صدر اپنی غلطی کا نہیں ہوا وہاں دوسرے کا قول بھی نقل کر دیا ہے تاکہ جو قول جس کے جی کو لگے وہ اسی کو اختیار کرے میں نے ہمیشہ یہی کیا

کہ خواہ مخواہ اپنی بات کو نباہا نہیں۔ یہ برکت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ہے ویسے تو یہ خصلت اپنے سب ہی اکابر میں تھی لیکن جیسا رنگ مولانا میں اس صفت کا نمایاں تھا اور حضرات میں ویسا نہ تھا۔ دوران درس میں جہاں کسی مقام پر شرح صدر نہ ہوا جھٹ اپنے کسی ماتحت مدرس کے پاس کتاب لئے ہوئے جا پہنچے اور بے تکلف کہا کہ مولانا یہ مقام میری سمجھ میں نہیں آیا ذرا اس کی تقریر تو کر دیجئے چنانچہ بعد تقریر کے واپس آکر طلبہ کے سامنے اس کو دھرا دیتے اور فرماتے کہ مولانا نے اس مقام کی یہ تقریر کی ہے اسی طرح اگر کوئی طالب علم کسی مقام کی مولانا کی تقریر کے معارض تقریر کرتا اور وہ صحیح ہوتی تو اپنی تقریر سے فورا درس ہی میں رجوع فرما لیتے اور صاف لفظوں میں فرماتے کہ مجھ سے غلطی ہوئی اور صرف ایک بار ہی نہیں بلکہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد رہ رہ کر جوش اٹھتا اور بار بار فرماتے ہاں واقعی مجھ سے غلطی ہوئی مولانا کو ایسی باتوں سے ذرا عار نہ آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ جن کی بڑی شان ہوتی ہے وہ کہیں ایسی باتوں سے گھٹتی ہے اگر کسی کی ایک من شان ہو اور اس میں سے ایک تولہ گھٹ جائے تو اس کو اس کمی کی کیا پروا ہو گی ہاں جن کی ایک چھٹانک ہی شان ہے اس میں سے اگر آدھی چھٹانک جاتی رہی تو اس کے پاس پھر آدھی چھٹانک ہی رہ جاوے گی۔ اس طبعی تفاوت کے سبب اکابر اپنی غلطیوں کے اقرار سے کبھی نہیں شرمائے۔ چھٹ بھیئے ہی شرمائے ہیں بلکہ ایک عجیب بات ہے کہ وہ تو اقرار کر رہے ہیں غلطی کا اور دوسرے کہہ رہے ہیں کہ نہیں یہ تواضع ہے بلکہ وہ حمایت کے لئے اس طرح کھڑے ہو جاتے ہیں کہ انہیں روکنا پڑتا ہے حمایت سے اتنا اللہ تعالیٰ نے اثر دیا ہے حق میں حق کا اقرار کرنا ایسی ہی موثر چیز ہے۔

(ملفوظ ۱۸۱) سب مسلمانوں کے لئے ایک جامع دعائے خیر

ایک صاحب نے رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت دعا میں یاد

رکھئے گا۔ فرمایا کہ میں یاد رکھنے کا وعدہ نہیں کر سکتا کیونکہ دعا کرنا یاد کیسے رہے گا۔ پھر فرمایا کہ رسموں کا ایسا غلبہ ہو گیا ہے کہ حقائق بالکل نظر سے غائب ہو گئے ہیں۔ اب اسی کو دیکھ لیجئے کہ چلتے وقت یہی کہنے کی رسم پڑ گئی ہے کہ دعا میں یاد رکھئے گا اور اس پر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا۔

میں پوچھتا ہوں کہ دعا کرنا بھلا یاد کیسے رہے گا میں تو جھوٹا وعدہ محض رسماً کبھی نہیں کرتا صاف کہہ دیتا ہوں کہ اس وقت تو دعا کئے دیتا ہوں کہ اللہ ہر طرح کا فضل کرے باقی آئندہ کے لئے عام دعا تو ہر بھلائی کی سب مسلمانوں کے لئے پانچوں وقت بدون کہے ہی کرتا رہتا ہوں چنانچہ اس کے لئے ایک خاص دعا بھی تجویز کر رکھی ہے اللھم کل خیر لکل مسلم و مسلمۃ بجائے اس کے کہ دوسرے کے اوپر یاد رکھنے کا بوجھ رکھا جائے جب جی چاہا کرے خود ہی دعا کے لئے کیوں نہ خط لکھ دیا کریں۔ اب ان کے نفس کو تعجب ہو گا کہ بھلا یہ نیا شخص نکلا اور کسی نے تو کبھی انکار کیا ہی نہیں لیکن میں تو اپنے انکار کا ایک معقول سبب بیان کر رہا ہوں جنہوں نے انکار نہیں کیا ان کے فعل کا سبب ان سے دریافت کیا جائے۔ اور کچھ نہیں جب رسموں کا غلبہ ہو جاتا ہے تو کم و بیش سب ہی ان سے متاثر ہو جاتے ہیں لوگ تعجب کرتے ہیں کہ ہم تو بہت بزرگوں کی مجلس میں گئے لیکن کہیں ایسی باتوں پر روک ٹوک نہیں ہوئی میں کہتا ہوں کہ بھائی میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا۔ آدمیوں کی مجلس بنانا چاہتا ہوں پھر فرمایا کہ یہ تو ان کا حال ہے جو مدت سے یہاں آتے جاتے ہیں حالانکہ یہاں رات دن ایسی ہی چیزوں کی تعلیم ہے اس لئے میں مکرر وہی کہوں گا جیسا میں بارہا اپنا خیال ظاہر کر چکا ہوں کہ اکثر لوگ تو یہاں اسی طرح آتے ہیں جیسے کوئی تھیٹر میں جاوے بس تماشہ کے طور پر آتے ہیں کہ مشہور آدمی ہے لاؤ اسے بھی دیکھ لو۔ اصلاح تو جب ہو جب یہاں بیٹھ کر اس پر توجہ ہو کہ کیا ہمارا مرض بیان ہوا ہے اور کیا اس کا علاج بیان ہوا ہے اھ پھر فرمایا کہ سب سے اول تو رسموں کے مٹانے کی میں اپنے ہی اوپر مشق کرتا ہوں چنانچہ آج ہی کئی منی

آرڈر خلاف اصول ہونے کی بناء پر واپس کر دئے ہیں اور اپنا ہی تئیس روپیہ کا نقصان کیا ہے مگر الحمد للہ میرا قلب مطمئن ہے کہ میں نے خود بھی اصول صحیحہ کی پابندی کی اور دوسروں کو بھی ان کا پابند بنانا چاہا۔ بلا سے روپیوں کا نقصان ہوا۔ لیکن یہ کتنی بڑی مسرت حاصل ہوئی کہ میں نے اصول صحیحہ کے مطابق عمل کیا اس کے مقابلہ میں روپیوں کی کیا حقیقت ہے خصوص جب اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل بھی ساتھ ساتھ عطا فرمادے۔

(ملفوظ ۸۲) آداب معاشرت کی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی عملی تصویر

ایک نو وارد اپنا تعارف کراتے وقت آگے کو جھکے۔ اس پر حضرت اقدس نے تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ بس ایسے ہی ادب و تعظیم سے تو شدہ شدہ شرک و بدعت تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ پہلے جھکے پھر رکوع کیا پھر سجدہ کیا پھر عبادت کرنے لگے یونہی تو خرابیاں بڑھتی ہیں۔ جاؤ اس وقت میں کچھ نہیں سنتا تمیز سیکھ کر آؤ اور آدمیوں کی طرح بیٹھ کر اپنا تعارف کراؤ۔ ان کے بعد بعض اور نو واردوں نے بھی اسی قسم کی موذی حرکتیں کیں۔ مثلاً کسی نے بہت آہستہ سے گفتگو شروع کی کہ ایک حرف سمجھ میں نہ آیا کسی نے پرچہ کھڑے کھڑے پیش کیا جس سے دوسرے پر بار پڑے اور تقاضا ہو کہ سب کام چھوڑ کر اس کے پرچہ کو لے۔ ان سب کو حضرت اقدس نے تنبیہ فرما کر فرمایا کہ دوبارہ ٹھیک طریقہ سے جب آکر کہو گے تو سنیں گے۔ پھر حاضرین مجلس سے فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی عملی تعلیم فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک بار حضور سفر میں تھے کہ ایک ناواقف مسلمان بلا اطلاع کئے اور بلا اجازت لئے حضور کی قیام گاہ میں گھس آیا۔ آپ نے اپنے بعض اصحاب سے فرمایا کہ اس کو باہر لے جاؤ اور استیذان کا طریقہ بتلا کر کہو کہ اس طریقہ سے اندر آئے یہ سب موٹی موٹی اور

فطری باتیں ہیں لیکن جہالتیں اتنی بڑھ گئی ہیں کہ خود عمل کرنا تو درکنار اگر کوئی دوسرا عمل کرے تو اس پر تشدد کا الزام لگایا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ حس ہی نہیں کہ ہمارے اس قول کا کیا اثر ہوگا اور اس فعل کا کیا اثر ہوگا اور اس ہیئت کا کیا اثر ہوگا حالانکہ اس کا سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں کیونکہ یہ سب باتیں فطری ہیں اگر ذرا غور کیا جائے تو بلا بتلائے ہوئے ذہن میں آسکتی ہیں اور آنا چاہئے۔

(ملفوظ ۸۳) اصل مدار فضیلت کا قبولیت عنداللہ ہے

ایک سلسلہ کلام میں فرمایا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا تفاضلوا بین انبیاء اللہ

آپؐ نے انبیاء میں ایک دوسرے پر فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مطلق فضیلت کا بھی اعتقاد رکھنا ممنوع ہے کیونکہ حضور کا تو افضل الانبیاء ہونا نصوص قطعیہ سے مسلم ہے لیکن کسی خاص جزئی پر اس فضیلت کا مدار رکھنا ممنوع ہے کیونکہ اصل مدار فضیلت کا تو قبول عنداللہ ہے جو کسی خاص جزئی پر منحصر نہیں۔ شعراء نے اس میں بہت زیادہ بے احتیاطی کی ہے اور ان سے اتنا بعید بھی نہیں کیونکہ آزاد فرقہ ہے لیکن تعجب ہے کہ بعض مصنفین کتب نے بھی اپنی تصانیف میں جو کہ درس میں داخل ہیں بعض مقام پر اسی قسم کے وجوہ تفصیل بیان کر دیئے ہیں۔

(ملفوظ ۸۴) مشائخ میں شمار ہونے سے زیادہ ملا ہونا پسند ہے

ایک سلسلہ کلام میں فرمایا کہ مجھے مشائخ میں شمار ہونے سے زیادہ کورا ملانا ہونا پسند ہے عرض کیا گیا کہ مشائخ تو بڑے عارف اور محقق ہوتے ہیں فرمایا کہ محقق ہونے پر قرب تھوڑا ہی ہے چنانچہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کتنے بڑے محقق تھے ان کو بعد وفات کسی نے خواب میں دیکھا تو سوال کیا کہ حق

تعالیٰ نے آپ کیساتھ کیا معاملہ فرمایا آپ نے کہا۔

فنیت الحقائق والاشارات و نفدت الرموز والعبارات وماانفعنا الارکیعات فی جوف اللیل

یعنی سارے علوم و حقائق وغیرہ فنا ہو گئے یہاں کچھ کام نہ آئے اگر کام آئیں تو صرف وہ چھوٹی چھوٹی رکعتیں کام آئیں جو میں آدھی رات کو پڑھا کرتا تھا یعنی تہجد تو محقق ہونے پر قرب نہیں بلکہ خلوص پر ہے اھ عرض کیا گیا کہ خلوص تو بہت مشکل ہے کیونکر حاصل ہو۔ فرمایا کہ نہیں خلوص کیا مشکل ہے کیونکہ وہ تو اختیاری ہے۔ خلوص یہی تو ہے کہ جو کام ہو بس محض اللہ کے لئے ہو۔ سو اپنی نیت کو درست کرلے پس خلوص حاصل ہو گیا۔

(ملفوظ ۸۵) اپنی چیز کو تبرکاً دینا حرام ہے

ایک رئیس زادہ کا ایک اونی کرتہ دیا ہوا ان کی رضا مندی سے بعد استعمال واپس فرمایا تو اس خیال سے کہ ان صاحب کی دل شکنی نہ ہو یہ تحریر فرمایا کہ اس کو بطور یادگار محبت کے اپنے پاس رکھئے پھر فرمایا کہ میں نے یہ الفاظ ان کی خاطر سے لکھ دئے تاکہ ان کو واپس لینے میں عار نہ ہو۔ اس پر عرض کیا گیا کہ وہ تو اس کو تبرک سمجھیں گے۔ فرمایا کہ وہ جو کچھ چاہیں سمجھیں باقی میں نے اسی لئے یادگار محبت کا لفظ لکھا ہے کہ اپنی چیز کو تبرکاً دینا حرام ہے یہ میں نے فتوے کی شکل میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہی سے سنا ہے جس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ اس کے معنے تو یہ ہوئے کہ اس نے اپنے کو بزرگ سمجھا حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلا تزکوا انفسکم اپنی چیز کو تبرکاً دینا کبر ہے اور دعویٰ ہے بزرگی کا جو حرام ہے تبرک کے متعلق تو یہ فتویٰ مولانا سے سنا اور کشف کے متعلق ایک اسی بزرگ کا یہ قول نظر سے گذرا کہ اگر کسی کو دوسرے کے معائب کا کشف ہونے لگے تو اس کو چاہئے کہ فوراً اپنی توجہ ہٹائے کیونکہ اس میں خوش کرنا یہ بھی تجسس میں داخل ہے جو ازروئے آیت

لا تجسسوا حرام ہے۔ اھ

(ملفوظ ۸۶) تحقیق کا خاصہ

محققین کے سلسلہ ذکر میں فرمایا کہ تحقیق کا خاصہ یہ ہے کہ محقق سے یا تو دونوں فریق راضی ہوں گے یا دونوں ناراض ہوں گے کیونکہ اہل تحقیق میں غلو تو ہوتا نہیں اس لئے وہ ہر شے کو اس کے درجہ پر رکھتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مختلف فیہ مسائل میں نہ موافقت میں ضرورت سے زائد شدید ہوتے ہیں نہ مخالفت میں محض کسی کے راضی کرنے کے لئے حدود کو بھلا کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔

(ملفوظ ۸۷) اہل لطائف کے نزدیک متحابین سے مراد صوفیاء ہیں

ایک سلسلہ کلام میں فرمایا کہ مولوی محمد اسحاق صاحب بردوانی جنہوں نے مجھ سے پڑھا تھا اور بعد کو مجھ سے بیعت بھی ہوگئے تھے پہلے بہت خشک تھے بعد کو بھی غالب رنگ علم ہی کا رہا چنانچہ انہوں نے لکھا تھا کہ مجھے اول درجہ کی محبت محدثین سے ہے پھر فقہاء سے پھر صوفیہ سے میں نے لکھا کہ میرا حال اس کے بالکل عکس ہے۔ مجھے سب سے زیادہ محبت صوفیہ سے ہے پھر فقہا سے پھر محدثین سے۔ یہ ترتیب تو محبت میں ہے باقی عظمت سو میرے قلب میں سب سے زیادہ علماء کی ہے بالخصوص فقہاء کی اور محبت مجھے صوفیہ سے زیادہ ہے ان کی طرف دل کو کشش علماء سے زیادہ ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ علماء اور فقہاء سے تو مجھے ایسی محبت ہے جیسی باپ سے کہ وہاں محبت تو ہے لیکن اس پر عظمت غالب ہے اور صوفیہ سے ایسی محبت ہے جیسے بڑے بھائی سے اھ پھر فرمایا کہ دین جو زندہ ہے تو علماء ہی کی وجہ سے صوفیہ سے اتنا بڑا کام ہو نہیں سکتا تھا۔ ایک تو ان میں حق تعالیٰ کی محبت اتنی غالب ہوتی ہے کہ دوسروں کی طرف

توجہ کی انہیں فرصت ہی کہاں۔ دوسرے ان میں حسن ظن اتنا بڑھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ روک ٹوک نہیں کر سکتے اور علماء کا یہ حال ہے کہ ؎

نگہدارد آن شوخ در کیسہ در　　　　که داند ہمہ خلق راکیہ بر

اور ان کا اس پر عمل ہے کہ الحزم سوء الظن جہاں ضرورت ہوتی ہے بے دھڑک سب پر جرح قدح کرتے ہیں شاید ہی کوئی بچا ہو گا جس پر دل کھول کر جرح قدح نہ کی ہو مگر وہی دین کے لئے کیونکہ انہیں کسی سے کوئی دشمنی تھوڑا ہی ہے علماء کا بڑا درجہ ہے حضرت شیخ اکبر نے تو لکھا ہے کہ مجتہدین کا حشر انبیاء کے ساتھ ہو گا۔ اور اس کی وہ یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ انبیاء کی طرح فقہاء کی شان بھی ایک گونہ تشریع کی ہے اگرچہ دونوں تشریع میں اثبات و اظہار کا فرق ہے مگر ایک قسم کی مشارکت تو ہے۔ اسی مشارکت کی وجہ سے ان کا حشر انبیاء کے ساتھ ہو گا گو باوجود جلالت شان کے ایک حدیث کی بناء پر یہ بھی احتمال ہے کہ ان کو صوفیہ پر جو ان سے بدرجہا متنزل ہوں گے رشک بھی ہو گا وہ حدیث یہ ہے۔ المتحابون فی اللہ علی منابرمن مسك اونوز يغبطهم الانبياء الخ

جس کی وجہ شراح نے یہ بیان کی ہے کہ قیامت کے دن ان سے زیادہ باز پرس نہ ہو گی بخلاف انبیاء کے کہ ان سے ان کے اتباع کے متعلق بھی باز پرس ہو گی۔ لیکن یہ باز پرس بھی تو ان کی جلالت شان ہی کی وجہ سے ہو گی۔ تو دیکھئے نبی بھی حب فی اللہ رکھنے والوں پر رشک کریں گے اس متحابین کی تفسیر بعض اہل لطائف نے صوفیہ سے کی ہے اور راز اس میں یہ ہے کہ صوفیہ محض اہل محبت ہیں اور فقہاء اور انبیاء کی جماعت انتظامی جماعت ہے گو صوفیہ ان کے ماتحت ہیں لیکن وہ ذمہ دار نہیں ہوں گے اور یہ حضرات ذمہ دار ہونگے اور جیسے گورنر کسی تحصیل کے معائنہ کے لئے آئے تو اس وقت تحصیلدار تو بے حد فکر مند ہو گا چپڑاسی بے فکر ہو گا جس کو دیکھ کر عجب نہیں تحصیلدار کو اس وقت یہ رشک ہونے لگے کہ کاش میں بھی اس وقت چپڑاسی ہوتا اسی پر احمد جام کہتے

ہیں ۔

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

مگر اس رشک سے ان کی جلالت شان تھوڑا ہی کم ہو گی بلکہ جلالت شان ہی اس رشک کا موجب ہو گی کیونکہ وہ حضرات تو اپنے منصب نبوت کی باز پرس میں ہوں گے چنانچہ قرآن مجید میں ہے یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰہُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا

اسی طرح حقیقی ورثۃ الانبیاء چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ابن عباسؓ نے وفات کے پندرہ برس کے بعد خواب میں دیکھا کہ پسینہ پونچھتے ہوئے آرہے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ اب جا کر حساب سے نجات ہوئی ہے۔ اور اگر حق تعالیٰ کی عنایت نہ ہوتی تو بس میرے لئے ہلاکت تھی۔ دیکھئے باوجود انتہاء درجہ کے عدل و انصاف کے کتنی باز پرس ہوئی اور کتنی ذمہ داری تھی حالانکہ آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آخر زمانہ خلافت میں چونکہ کام بہت بڑھ گیا تھا۔۔۔ آپ نے خاص خاص حضرات صحابہؓ کو جمع کر کے مشورہ لیا کہ کام بہت بڑھ گیا ہے مجھے دوسروں سے مدد لینا پڑتی ہے اور اپنے نزدیک میں کام انہیں کے سپرد کرتا ہوں جن کو میں اہل سمجھتا ہوں تو کیا ایسوں کے کام سپرد کر دینے کے بعد میں بری الذمہ ہو جاؤں گا یا اس کی بھی ضرورت ہے کہ میں بعد کو یہ بھی دیکھوں کہ ان لوگوں نے کام کیا بھی یا نہیں۔ سب نے جواب کے لئے مہلت مانگی اور اس مہلت میں جمع ہو کر مشورہ کیا اور باتفاق رائے کہا کہ کام کا دوسروں کے محض سپرد کر دینا کافی نہیں بلکہ خود دیکھنا بھی ضروری ہے کہ آیا وہ کام کیا گیا یا نہیں بخاری میں ہے کہ پھر آپ نے حق تعالیٰ سے دعا کی۔ کبرسنی انتشرت رعیتی فاقبضنی الیک

یعنی اے اللہ میری عمر زیادہ ہو گئی میری رعایا بہت پھیل گئی مجھ سے پوری نگرانی اب نہیں ہو سکتی مجھے آپ دنیا سے اٹھا لیجئے۔ مورخین نے لکھا ہے

کہ گو آپ گورے چٹے تھے لیکن آپ کا رنگ فکروں کیوجہ سے صاف نہ رہا تھا حالانکہ عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی صرف ۶۳ سال ہی کی تھی۔ میں تو شیعوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم تینوں خلفاء راشدین کا احسان مانو کہ انہوں نے خلافت کے بوجھ کو ہٹا لیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چوبیس برس تک بے فکر رکھا اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ بلا فصل خلیفہ ہوتے تو چونکہ ان کی عمر سب سے زیادہ ہوئی تیس برس تک خلافت کی مشکلات میں مبتلا رہتے اب تو صرف چھ برس خلافت کی اور وہاں سلطنت اودھ کی سی تھوڑا ہی تھی کہ رات دن بس عیش و آرام اور ناچ رنگ تھا وہاں تو لوہے کے چنے تھے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس چھ برس ہی کے زمانہ خلافت میں کیسی کیسی مشکلیں پڑیں یہاں تک کہ شہید کئے گئے تیس برس تک اگر خلافت کا زمانہ ممتد ہو جاتا تو کتنی مشکل سے گذرتا اب چوبیس برس تو آرام سے گذار لئے خارجیوں نے یہ سازش کی تھی کہ تین آدمی جائیں اور تین شخصوں کو بہ یک وقت شہید کر آئیں۔ ایک حضرت معاویہؓ کو دوسرے حضرت عمرو بن عاصؓ کو۔ تیسرے حضرت علیؓ کو۔ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص تو موقع سے نہ مل سکے لیکن ابن ملجم کمبخت کامیاب ہوگیا۔ یہ سب آخر حکومت ہی کی تو بدولت ہوا تھا۔ اس پر عرض کیا گیا کہ سوائے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے اور تینوں خلفائے راشدین شہید ہی ہوئے۔ اس پر فرمایا کہ حضرت صدیق کی شہادت کا تو اتنا اونچا درجہ ہے کہ وہ نظر بھی نہیں آتا۔ آپ تو صدیق تھے اور صدیق کا درجہ شہید سے بھی بڑا ہے۔ اول درجہ نبی کا ہے پھر صدیق کا پھر شہداء کا پھر صالحین کا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی ترتیب سے اس آیت میں ان کا ذکر فرمایا ہے۔ اُولٰئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ

اور تفصیل اس کی کتب تفسیر میں ہے۔

(ملفوظ ۸۸) دو احادیث میں لطیف تطبیق

عرض کیا گیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی جماعت کے امی ہونے پر فخر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ نحن امة امية لا نكتب ولا نحسب۔

پھر جا بجا تحصیل علم کی بھی ترغیب فرمائی ہے اور علم کے فضائل بھی بیان فرمائے ہیں اس میں بظاہر تعارض سا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا کہ امی اور ان پڑھ اس کو کہتے ہیں جو کتاب نہ پڑھ سکے جاہل کو تھوڑا ہی کہتے ہیں اھ پھر تائیداً فرمایا کہ حضرت احمد بن حنبل اتنے بڑے عالم اور امام تھے لیکن پھر بھی حضرت بشر حافی کی خدمت میں جو امی تھے جایا کرتے تھے کسی نے اعتراض بھی کیا کہ آپ عالم ہو کر غیر عالم کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ فرمایا ہم تو عالم ہیں کتاب کے اور وہ عالم ہیں صاحب کتاب کے اھ دیکھئے انہیں بھی آپ نے باوجود ان پڑھ ہونے کے عالم ہی کہا۔

(ملفوظ ۸۹) احناف اور حضرات چشتیہ کی جامعیت عجیب ہے

کتاب القول المنصور کے ڈھائی سو نسخے مدرسہ دیوبند میں طلبہ کو تقسیم کرنے کے لئے ارسال فرمائے تھے گو خاص خاص شرائط تجویز فرمادی گئی تھیں تاکہ کم استعداد یا ناقدر کے پاس نہ پہنچ جائیں لیکن پھر بھی کتابوں کی تعداد سے دونی تعداد میں طلبہ کی درخواستیں مہتمم صاحب کے پاس پہنچ گئیں اتفاق سے مہتمم صاحب ایک سفر کے سلسلہ میں خود حاضر خدمت ہو گئے۔ حضرت اقدس نے ان سے پوچھا کہ کس معیار پر درخواست کنندگان میں سے انتخاب کیا جائے گا انہوں نے عرض کیا کہ میں اور مفتی محمد شفیع صاحب ایک ایک کو بلا کر دیکھیں گے اور کچھ سوالات کریں گے جو قرائن سے اور گفتگو سے اس کتاب کے لائق معلوم ہو گا اس کو دیدیں گے۔ فرمایا کہ اس میں علاوہ تطویل کے شکایت پیدا

ہونے کا غالب احتمال ہے جیسا کہ یہاں مجھے تجربہ ہو چکا ہے کیونکہ یہاں بھی بعض موقعوں پر کپڑے وغیرہ تقسیم کرنے کے لئے آجاتے ہیں جن کے سپرد تقسیم کا کام کیا گیا بعض نے ان کی شکایت کی کہ یہ خائن ہیں طرفدار ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب میں یہ کرتا ہوں کہ حصے لگا کر رکھ دئے اور اس ڈھیر کے پاس ایک ایسے بچہ کو جو زیادہ سمجھدار نہ ہو بلا کر سب مستحقین کے نام پرچوں پر لکھ کر اس کو دیدیتا ہوں کہ ان میں سے کیفما اتفق ایک ایک پرچہ نکال کر ہر حصہ پر رکھ دو اب کسی کو کوئی شکایت نہیں ہر شخص سمجھتا ہے کہ جو چیز جس کے حصہ میں آگئی اپنی اپنی قسمت بس آپ بھی اسی طرح قرعہ اندازی کر لیجئے۔ اس تجویز کو مہتمم صاحب نے بہت پسند فرمایا۔ اسی سلسلہ میں حضرت اقدس نے فرمایا کہ حدیث میں جو قرعہ ڈالنا آیا ہے وہ ایسے ہی مواقع پر آیا ہے۔ اور حنفیہ نے جو قرعہ اندازی کی ممانعت کی ہے وہ ان مواقع پر کی ہے جہاں قرعہ سے قمار لازم آتا ہو وہ مطلق قرعہ اندازی کے منکر نہیں جو ان پر حدیث کی مخالفت کا الزام آئے۔ اب اگر کوئی کہے کہ حنفیہ نماز کے منکر ہیں کیونکہ ٹھیک نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں تو اس کا جواب یہی ہے کہ وہ مطلق نماز کے منکر نہیں بلکہ جہاں نماز نصف النہار کی قید سے ہو وہاں منکر ہیں۔ فقہاء درایت سے ایسے ہی مواقع پر تو کام لیتے ہیں۔ اور گو سرسری نظر میں ان کی درایت روایت کے خلاف معلوم ہوتی ہے لیکن بعد تعمق معلوم ہو جاتا ہے کہ روایت کے خلاف کا ایہام تک نہیں رہتا چنانچہ امام صاحب قرعہ کی ممانعت بھی ایسے ہی جزئیات میں فرماتے ہیں جہاں قمار لازم آتا ہو اور جہاں قمار کے موقع پر کوئی روایت آئی ہو اس کو دلائل سے منسوخ کہتے ہیں کیونکہ قمار ایک زمانہ میں جائز بھی تھا جیسے شراب بھی ایک زمانہ میں جائز تھی اس وقت ان دونوں چیزوں کی اجازت تھی بعد کو ممانعت ہوئی۔ تو علماء ایسے امور کو بھی دیکھتے ہیں۔ پھر حنفیہ کے بدنام ہونے کے سلسلہ میں فرمایا کہ علماء میں تو حنفیہ کی جامعیت اور صوفیہ میں چشتیہ کی جامعیت بینظیر ہے اور یہی دونوں جماعتیں بدنام ہیں اور جامعیت ہی کی وجہ سے بد

نام ہیں کیونکہ جہاں یہ پہنچتے ہیں دوسرے ہر وقت نہیں پہنچتے اسی لئے وہ بعضے لوگ ان پر اعتراض کرنے لگے پھر تقسیم کتب کے ہی سلسلہ میں فرمایا کہ کتابیں بانٹنے کی ایک اور صورت بھی ہے لیکن وہ بکھیڑے کی ہے وہ یہ کہ دو دو طلبہ کے درمیان ایک ایک کتاب دی جائے لیکن اس طرح بانٹنے میں بکھیڑا تھا کیونکہ افتراق کے وقت مشکل پڑے گی اس لئے میں نے قرعہ ہی کو تجویز کیا پھر فرمایا کہ بعض تقسیم کے بکھیڑا ہونے پر گو ایک بکھیڑا ظاہری ہے ایک باطنی ایک واقعہ یاد آیا کہ جب نواب محمود علی خاں مرحوم چھتاری سے ہجرت کی نیت سے مکہ معظّمہ گئے تو اپنے بعض معاملات ریاست کو طے کرنے کے لئے بیچ میں پھر چھتاری آئے تھے۔ اس زمانہ میں جو حضرت حاجی صاحب کا خط ان کے پاس آیا تھا وہ عجیب و غریب خط ہے۔ میں نے وہ کہیں شائع بھی کرا دیا ہے علاوہ اور باتوں کے جو اس میں لکھی ہیں تین چیزیں اس وقت ذہن میں ہیں ایک تو ریاست سے اپنے خرچ کے واسطے روپیہ مکہ معظّمہ منگوانے کے متعلق۔ دوسرے مساکین کے تقسیم کے واسطے منگوانے کے متعلق۔ تیسرے ملازموں کی تنخواہوں کے متعلق۔ ملازمین کی تنخواہوں کے متعلق تو حضرت حاجی صاحب نے یہ تحریر فرمایا کہ ان کی ایسی تنخواہ ہو جو ان کے گذر کو کافی ہو ورنہ پھر خیانت کے وسوسے آئیں گے۔ اپنے خرچ کے متعلق تحریر فرمایا کہ حق تو یہ تھا کہ کچھ خرچ نہ منگوایا جاتا کیونکہ تم ہجرت کر کے خانہ خدا میں آرہے ہو اس لئے خدا کے مہمان ہو ایک پیسہ بھی یہاں نہ منگوایا جاتا لیکن چونکہ ہم بچپن سے اسباب کے خوگر ہیں اس لئے اگر ترک اسباب کر دیں گے تو تشویش لاحق ہو جائے گی اور تشویش اس طریق میں سخت مضر ہے اس لئے بقدر حاجت اپنے خرچ کے واسطے منگانے کا انتظام کرا دینا مصلحت ہے۔ اس خط میں سب سے عجیب بات تیسری ہے کہ مساکین کے لئے مکہ معظّمہ کچھ منگائیں جو کچھ اس مد میں خرچ کرنا ہے اس کا انتظام وہیں سے کر دیا جاوے کہ بدوں آپ کے واسطہ کے ان کو پہنچ جایا کرے۔ اس کی وجہ عجیب تحریر فرمائی کہ ہر چند سخاوت ایک محمود خصلت ہے

بالخصوص مکہ معظمہ میں جہاں ایک روپیہ خیرات کرنا ثواب میں اور جگہ کے ایک لاکھ روپیہ خرچ کرنے کے برابر ہے لیکن عاشق کے لئے غیر کی طرف بلا ضرورت توجہ کرنا اس طریق میں سب سے بڑا مخل ہے آگے ایک شعر لکھا ہے ؎

نان دادن خود سخائے صادق ست

جان دادن خود سخائے عاشق ست

خدا کے گھر رہ کر بالخصوص جب اس کو دارالہجرت بھی بنانا ہے مساکین کو خیرات تقسیم کرنے کی تشویش اپنے ذمہ لینا ہرگز مصلحت نہیں کیونکہ یہ تقسیم بھی اس طریق میں ایک درجہ میں مخل ہے اس لئے وہیں انتظام کر کے آئیں اپنے ذمہ یہ کام بھی نہ رکھیں اھ۔

(ملفوظ ۹۰) شرعی رخصتوں کے اختیار کرنے میں طریق اعتدال

ایک اہل خصوصیت سے جو اہل علم بھی ہیں بعض شرعی رخصتوں کے اختیار کرنے پر فرمایا کہ رخصتوں پر عمل کرنے کی ایک حدیث میں تو فضیلت اور محبوبیت وارد ہے اور ایک حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ مجھے بہت دنوں تک اشکال تعارض کا رہا لیکن پھر الحمدللہ ایک بزرگ کے ایک منقول ملفوظ سے یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ جو رخصت منصوص ہو اس کی تو فضیلت ہے اور جو رخصت خود تاویل سے گھڑی ہوئی ہو اس کی ممانعت ہے۔ کیونکہ وہ نفسانیت اور ضعف دین سے ناشی ہے۔ اس تفصیل کے بعد پھر کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔ اس تحقیق سے میرا بڑا جی خوش ہوا کیونکہ بہت دن کا اشکال جاتا رہا۔

(ملفوظ ۹۱) گفتگو میں ضرورت اعتدال

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ جتنے آدمی زیادہ بولتے ہیں ان کا دماغ کچھ معتدل نہیں ہوتا۔ مگر اتنا بھی کم نہ بولنا چاہئے کہ دوسرا آدمی منتظر ہی رہے کہ نواب صاحب کچھ بولتے ہی نہیں۔ ہر چیز میں اعتدال ہی مناسب ہے۔ ایک بار

زیادہ بولنے کی خرابی اس مثال سے واضح فرمائی تھی کہ جو ہانڈی ہمیشہ ابلتی ہی رہے گی اس کا سارا مسالہ نکل جائے گا اور بالکل پھیکی بے لطف رہ جائے گی۔

(ملفوظ ۹۲) اہل بدعت کی عبادت کی عجیب مثال

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ بدعتیوں کی عبادت کی مثال ایسی ہے جیسے خلاف اصول خدمت جو بجائے مقبول ہونے کے الٹی موجب ناخوشی ہوتی ہے اور خدمت کرنے والا سمجھتا ہے کہ میرا مخدوم بہت خوش ہو رہا ہو گا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ آدمی جہاں نیا نیا جائے خواہ مخواہ وہاں کے کاموں میں دخل نہ دے۔ ساکت صامت بیٹھا رہے۔ اور اگر ایسا ہی شوق کوئی خدمت وغیرہ کرنے کا ہو تو پہلے وہاں کے معمولات کی تحقیق کر لے۔ اب آج کل تو یہ احتمال ہی نہیں ہوتا کہ کوئی خدمت نامقبول بھی ہو سکتی ہے حالانکہ ناشناساؤں سے خدمت لینے میں طبعی حجاب ہوتا ہے اور شناساؤں میں بھی جن سے خدمت لینے کی عادت نہیں ہے ان کی خدمت سے راحت نہیں پہنچتی بلکہ قلب پر بار ہوتا ہے پھر کیوں خواہ مخواہ خدمت کرنے کے درپے ہو۔ کوئی فرض ہے خدمت کرنا اور بزرگوں کی خدمت کرنے سے وہ نفع نہیں ہوتا جو اکثر خدمت کرنے والے سوچتے ہیں کیونکہ وہ اس کی خدمت کے منتظر نہیں اور ان پر خدمت کا کوئی خاص اثر بھی نہیں ہوتا۔ جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت پہنچتی ہے لیکن اس قسم کا اثر نہیں ہوتا کہ اس کو وہ اپنا مقرب بنا لیں اور اس کی روایتوں کا کوئی اثر لیں اور بلا تحقیق ان کے مطابق عمل کرنے لگیں خدمت سے جی خوش ہونے پر ایک بہت مزہ کا سوال جواب یاد آیا۔ ایک بے تکلف دیہاتی نے حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے بمقام آبھ جبکہ خدام مولانا کا بدن دبا رہے تھے سوال کیا کہ مولوی جی تم تو بہت ہی دل میں خوش ہوتے ہو گے کہ لوگ خوب خدمت کر رہے ہیں۔ فرمایا بھائی جی تو خوش ہوتا ہے کیونکہ راحت ملتی ہے لیکن الحمدللہ بڑائی دل میں نہیں آتی۔ یہ دل میں نہیں آتا کہ میں بڑا ہوں اور جو خدمت کر رہے ہیں وہ مجھ

سے چھوٹے ہیں یہ سن کر وہ گاؤں والا کیسا صحیح نتیجہ نکالتا ہے۔ بولا کہ اجی اگر یہ دل میں نہیں آتا تو بس پھر خدمت لینے میں کچھ حرج نہیں۔

(ملفوظ ۹۴) چھوٹے بچوں کے سب اخلاق فطری ہوتے ہیں

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ مولانا میں ایسی بیساختگی تھی کہ اپنے مصائب بھی بے تکلف سب کے سامنے ظاہر فرما دیتے تھے اور اپنی محاسن بھی طبیعت بالکل بچوں کی سی تھی کیونکہ بچوں میں بھی بیساختگی ہوتی ہے ان کے اخلاق فطری ہوتے ہیں اور ان کی سب چیزیں اپنی اصل پر ہوتی ہیں۔ ایک صاحب ذوق نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کل مولود یولد علی الفطرۃ کو اس پر منطبق بھی کیا ہے یعنی قبل تغییر اخلاق کی اصل شان یہ ہونا چاہئے جیسے بچہ کے اخلاق ہوتے ہیں کہ ان میں بناوٹ نہیں ہوتی۔ ہنسنے کو جی چاہا ہنسنے لگے۔ رونے کو جی چاہا رونے لگے۔ غصہ کو جی چاہا غصہ کرنے لگے۔ غرض ان کے سب اخلاق فطری ہوتے ہیں۔ خیالی مصالح کے تابع نہیں ہوتے خود حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانگی حالات اور معاملات صحابہ کے مجمع میں بیان فرما دیتے تھے ایسے بے تکلف افعال عرفاً تو عزت کے خلاف سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن اسی کے لئے جس کی عزت تھوڑی ہو اور جس کی ہزاروں من عزت ہو اس کی عزت اگر ایسے افعال سے ایک ایک ماشہ کم بھی ہو جائے تو اس میں کچھ فرق نہیں آتا۔ خدا نے جنہیں عزت دی ہے ان کی عزت ایسی باتوں سے کم نہیں ہوتی اور جن کی کم ہو گئی سمجھ لیجئے کہ ان کی تھی ہی نہیں ایسوں کو ہر وقت یہی فکر رہتی ہے کہ فلاں بات ظاہر نہ کرو کوئی بد نام نہ کر دے۔ فلاں فعل نہ کرو کوئی غیر معتقد نہ ہو جائے بس ہر وقت اسی فکر میں ہیں۔ یہ تو ایک گونہ مخلوق پرستی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ لَکُمْ لِیُرْضُوْکُمْ وَاللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ

يُرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ط

اپنی طرف سے تو یہی چاہئے کہ اللہ و رسول کی رضا حاصل کرنے میں اگر ساری دنیا بھی ناراض ہو جائے تو کچھ پرواہ نہ کرے مگر اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ساری دنیا کو اس کے سامنے جھکا دیتے ہیں بس وہ رنگ ہوتا ہے کہ فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِيْنَ خصوص متکبروں کا ناز تو توڑ ہی دینا چاہئے اہل مال کو مال پر اور اہل جاہ کو جاہ پر ناز ہوتا ہے۔ حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے تو جاہ کا نام کمال وہمی لکھا ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کا کسی کے متعلق وہم اور خیال ہو گیا کہ یہ صاحب کمال ہے بس اس کا نام جاہ ہے یہ جاہ محض دوسروں کے وہم اور خیال پر مبنی ہے۔ ذرا ان کا خیال بدلا پھر کچھ بھی نہیں۔ بخلاف بزرگان دین کے جاہ کے کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے کو مٹایا مگر بڑھتے ہی چلے گئے۔

ہمارے حضرات اس کا نمونہ ہیں اسی لئے میں تو جب اپنے ان اکابر کے خاص امتیازات کا ذکر کرتا ہوں تو اکثر یہ شعر یاد آ جاتا ہے ؎

اولئك ابائی فجئنا بمثلهم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

ان آنکھوں نے جب یہ چیزیں دیکھی ہیں اب اس کے خلاف نظر آتا ہے تو آنکھیں رد کر دیتی ہیں اور ابھی تو ایسی چیزوں کے قدر دان بھی موجود ہیں کہ اگر خود ان کے ساتھ موصوف نہ ہوں تو موصوفین کو کامل تو سمجھتے ہیں۔ آگے چل کر تو عجب نہیں تمسخر کریں اور ان حضرات کو مجنوں سمجھیں چنانچہ کسی بزرگ سے پوچھا گیا کہ صحابہ میں اور ہم میں کیا فرق ہے تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم انہیں دیکھتے تو مجنوں سمجھتے اور اگر وہ تمہیں دیکھتے تو تم پر جہاد کا فتویٰ دیتے۔

(ملفوظ ۹۴) سالک کو تشویش سے بچنا چاہئے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ طریق کے مسائل میں سے ہے کہ سالک کو تشویش سے بچنا چاہئے حضرت حاجی صاحب کے یہاں اس کا بڑا اہتمام دیکھا حتیٰ

کہ اگر کسی کا یہ مذاق دیکھا کہ اس کے قلب کو زیادہ مال کے مالک ہونے سے بھی تشویش ہوتی ہے تو اس کو یہ رائے دی کہ اپنے پاس مال کم رکھو اور اگر کسی کو کم سرمایہ ہونے کی حالت میں تشویش ہوتی تو اس کو یہ مشورہ دیتے کہ زیادہ سرمایہ اپنے پاس رکھا جائے۔ ایک دفعہ مجھے خیال ہوا کہ گو قواعد سے اور تجربہ سے تو جمعیت قلب کا نافع ہونا اور تشویش کا مضر ہونا ظاہر اور مسلم ہے لیکن اس کا ماخذ بھی کہیں قران و حدیث میں ہے چنانچہ ایک دفعہ یہ حدیث ذہن میں آئی کہ اگر عشاء (بکسر عین) اور عشا (بفتح عین) دونوں حاضر ہوں تو پہلے عشا سے فارغ ہو لینا چاہئے اس ماخذ کے ذہن میں آجانے سے میرا جی بہت خوش ہوا دیکھئے یہاں بھی علت یہی ہے کہ پہلے کھانے سے فارغ ہو لے تاکہ نماز میں تشویش نہ رہے اس کو امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے بہت اچھے عنوان سے بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں۔ لان یکون اکلی کلہ صلاۃ خیر من ان یکون صلوتی کلھا اکلا

یعنی میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ میرا کھانا کل کا کل نماز ہو جائے بمقابلہ اس کے میری نماز کل کی کل کھانا ہو جائے حضرت حاجی صاحب بھی ہجرت کی نیت میں عجلت کرنے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کرتے کہ دل مکہ میں رہے اور جسم ہندوستان میں رہے یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم تو مکہ میں رہے اور دل ہندوستان میں رہے اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجی صاحب کو کیا پیدا کیا تھا ایک بڑی نعمت پیدا کی تھی حضرت کے تو بالکل سیدھے سادے الفاظ ہوتے تھے میں جب ان کو نقل کرتا ہوں اس میں تو کچھ اصطلاحی الفاظ بھی مل جاتے ہیں حضرت کے تو بالکل معمولی الفاظ ہوتے تھے جیسے قرآن و حدیث کے کہ ظاہر میں تو بالکل سادہ لیکن معنے اتنے عمیق کہ ان میں جتنے چاہو غوطے لگائے جاؤ۔ سبحان اللہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے سیدھے سادے الفاظ میں سے بدویوں اور وحشیوں تک کو عالم محقق بنا دیا۔

(ملفوظ ۹۵) قدیم صنعتوں کو ترجیح حاصل ہے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ قدیم چیزوں کو ہر اعتبار سے جدید چیزوں پر ترجیح ہے یہ جو جدید صنعتیں ہیں ان کے مفاسد اب نظر آرہے ہیں ان سے بجائے عمارت کے عالم کی تباہی ہے۔ ریڈیو ایک ایسی چیز نکلی ہے کہ اب کسی کا راز ہی محفوظ نہیں۔

(ملفوظ ۹۶) خواب ایک معلق چیز ہے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ بزرگوں کا ارشاد ہے اور حدیث لاتحدث الا حبیبا اولبیبا اور حدیث علی رجل طائر سے ماخوذ ہے کہ اگر اپنا خواب بیان کرے تو کسی خیر خواہ اور عاقل سے بیان کرے تاکہ وہ اس کی تعبیر اچھی دے کیونکہ اکثر تعبیر اسی کے مطابق واقع ہو جاتی ہے جو پہلی بار تعبیر دیدی جائے چنانچہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ میری ایک ٹانگ تو مشرق میں ہے اور دوسری مغرب میں اس نے کسی احمق سے یہ خواب بیان کیا تو اس نے یہ تعبیر دیدی کہ تیری ٹانگیں چیری جائیں گی۔ اس پر وہ بہت گھبرایا اور ایک ماہر معبر کے پاس جا کر تعبیر پوچھی۔ اس نے پوچھا کہ کسی اور سے تو اس خواب کو بیان نہیں کیا اس نے جو واقعہ تھا کہہ دیا اس پر اس نے افسوس کیا اور کہا کہ اب تو یونہی ہو گا لیکن اگر تم میرے پاس پہلے آتے تو اس کی جو ایک دوسری تعبیر ہو سکتی ہے وہ میں دیتا اور پھر اسی کی مطابق تعبیر واقع ہوتی۔ میں یہ تعبیر دیتا کہ تمہارا تسلط مشرق میں بھی ہو گا اور مغرب میں بھی ہو گا۔ تو لیجئے خواب ایسی ضعیف اور معلق چیز ہے اور خواب تو خواب اس سے بھی بڑی چیزیں جن کو کشف و کرامت اور الہام کہتے ہیں اکابر نے تصریح فرمائی ہے کہ وہ بھی زیادہ مہتم بالشان چیزیں نہیں حتیٰ کہ کرامت کے متعلق ہی جس کو بڑی چیز سمجھا جاتا ہے بعض صاف گو حضرات کا یہ فیصلہ ہے کہ الکرامات حیض الرجال یعنی جیسے عورت حیض سے شرماتی ہے

اور اس کے چھپانے کی کوشش کرتی ہے اسی طرح اہل اللہ اپنی کرامتوں کے اظہار سے شرماتے ہیں اور اس کو چھپاتے ہیں۔ بہت سے اہل کرامت بزرگوں نے تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے کسی کرامت کا صدور نہ ہوتا۔ وجہ یہ کہ انہوں نے بقدر اپنی کرامتوں کے اپنے آخرت کے درجات میں کمی محسوس کی کیونکہ غیر اہل کرامت کو آخرت میں کرامت کا حصہ بھی عطا ہوگا اور اہل کرامت کو کرامت کا حصہ یہیں مل گیا۔ یہ راز ہے اس کا۔ البتہ ماذون حضرات اس سے مستثنے ہیں۔ تو جب کشف اور الہام اور کرامت کی یہ حالت ہے تو خواب کی تو کیا ہستی ہے مگر آج کل لوگ اسی کو بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ میری تو واقعی یہی تحقیق ہے بلکہ عقیدہ ہے کہ اگر کوئی خواب میں اپنے کو بدتر سے بدتر حالت میں بھی دیکھے لیکن آنکھ کھلنے کے بعد اس نے وضو کیا نماز پڑھی تو اسی خواب کا کچھ بھی ضرر نہیں اور اگر خواب میں اپنے آپ کو اچھی سے اچھی حالت میں دیکھے لیکن جب اٹھا تو دیکھا کہ رذائل میں مبتلا ہے اور عقائد تک میں شبہات ہیں تو اس خواب سے اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں۔ بس بیداری کی حالت اصل چیز ہے کیونکہ وہ اختیاری ہے اور خواب غیر اختیاری چیز ہے جس پر نہ کچھ عذاب نہ ثواب ؂

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

چو غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم

مگر آجکل خواب کو وحی سمجھتے ہیں بلکہ وحی سے بھی بڑھا رکھا ہے اور جو خواب سے آگے بڑھے وہ کیفیات پر آگئے وہ کیفیات ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اور جو اصل چیز ہے یعنی عمل جس کے لئے وحی نازل ہوئی۔ انبیاء مبعوث ہوئے اس کی وقعت ہی جاتی رہی۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی ہرا بھرا باغ ہو جس میں قسم قسم کے پھل بھی ہیں پھول بھی ہیں اس میں کوئی اپنی طرف سے کھرپا بھی لیجاوے اور پھل پھول سب کو چھوڑ کر گھاس کھودنے میں لگ جاوے اور سر پر گھاس کا گٹھا لاد کر لے آوے تو جن چیزوں کے پیچھے لوگ پڑے ہیں ان کی عمل کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسے گھاس کی نسبت پھل پھول کے مقابلہ میں اور

میں ان چیزوں کی نفی نہیں کرتا۔ یہ چیزیں بھی ہیں طریق میں لیکن اپنے درجہ میں غرض لوگوں نے اس وقت افراط و تفریط کر رکھا ہے چنانچہ پیری مریدی کو بعض لوگوں نے گویا شریعت کے مقابلہ میں ایک مشن بنا لیا ہے۔ اور بعضے ایسے سوکھے ہیں کہ وہ تصوف کو کوئی جگہ ہی نہیں دیتے۔ غرض کہ دونوں طرف جہل ہے۔ ایک طرف زیادہ۔ ایک طرف کم۔ استفسار پر فرمایا کہ بدعتی زیادہ جہالت میں ہیں بہ نسبت وہابیوں کے کیونکہ وہابیوں کے یہاں خیر عمل تو ہے جو اصل چیز ہے گو اور چیزوں کی کمی ہے اور بدعتیوں میں تو روٹی ہی ندارد ہے صرف نمک ہی نمک ہے بس پھانکے جاؤ وہابی روٹی تو کھا رہا ہے گو روکھی پھیکی ہے نمک بالکل نہیں لیکن خیر غذا تو پیٹ میں پہنچ رہی ہے گو مزہ کچھ نہیں۔ بہر حال ضرورت کا درجہ تو پورا ہو رہا ہے اور یہاں تو نرا نمک ہی نمک ہے جس سے ایسے دست لگیں گے کہ قوت بڑھنا تو درکنار رہی سہی قوت بھی نکل جائے گی۔

(ملفوظ ۷۹) اصطلاحات تصوف احداث فی الدین نہیں

ایک سلسلہ کلام میں فرمایا کہ اصل تصوف کوئی نئی چیز نہیں ہے وہی چیز ہے جو قرآن و حدیث میں ہے البتہ کچھ اصطلاحات اور کچھ حالات نئے معلوم ہوتے ہیں سو اصطلاحات تو خود علماء محدثین وفقہاء کی بھی اپنی خاص ہیں جو بضرورت تسہیل مقرر کر لی ہیں جن کو بدعت ممنوعہ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ احداث فی الدین نہیں ہے جو منع ہے احداث للدین ہے جو منع نہیں یہ تفصیل ہمارے اکابر نے کی ہے جو نہایت لطیف ہے اور بالکل صحیح۔ اور اصطلاحوں کی ضرورت جو تسہیل کے لئے ہے اختلاف استعداد کی وجہ سے پڑی۔ چنانچہ جو رنگ علماء مصنفین کی تقریر کا ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نہیں تھا لیکن اس سے مقاصد نہیں بدلے۔ یہی حال تصوف کا بھی ہے کہ صرف بعض اصطلاحیں مختلف ہیں باقی مقاصد وہی ہیں جو قرآن و حدیث میں ہیں اب رہ گئی دوسری چیز یعنی احوال و مواجید خاصہ سو ان کا مسائل فن سے یا بعنوان دیگر مقاصد سے کوئی

تعلق نہیں کیونکہ وہ تو احوال ہیں جو ہر شخص پر اس کی استعداد کے موافق طاری ہوتے ہیں جو ثمرہ غیر لازمہ ہے ذکر و شغل کا۔ ان کو بعض نے اس مصلحت سے مدون کر لیا کہ اگر کسی کے اوپر اسی قسم کے حالات طاری ہوں تو وہ اپنے حالات کو ان احوال پر منطبق کر سکے اور وہ بھی شیوخ کی رائے سے۔ باقی طالبین کے لئے خود ان کا مطالعہ سخت مضر اور ممنوع ہے۔ عرض کیا گیا کہ ایسے احوال حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر کیوں طاری نہیں ہوئے۔ جب ان کا عمل بھی قرآن و حدیث ہی پر تھا فرمایا کہ یہ استعداد کا ہی اختلاف ہے۔ عرض کیا گیا کہ افضل کونسی استعداد سمجھی جاوے گی۔ فرمایا کہ ہر استعداد مصالح خاصہ کے اعتبار سے اور مناسبت ذوق سے صاحب استعداد کا وہی علاج ہے۔ علاج میں افضلیت کا کیا سوال۔

(ملفوظ ۹۸) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب شان

ایک سلسلہ تنبیہ میں فرمایا کہ رانڈ روتا روئے دوسروں کی حکایات سے کیا حاصل۔ جس کو اپنی فکر ہو گی اسے دوسروں کی حکایات کی فرصت ہی کہاں ملے گی۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔

چوں چنیں کا ریست اندر رہ ترا
خواب چوں می آید اے ابلہ ترا

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجود اس کے کہ آپ سے اللہ تعالیٰ کے بڑے بڑے وعدے ہو گئے تھے لیکن پھر بھی حدیثوں میں آپ کی یہ شان آئی ہے کان دائم الحزن وطویل الفکرۃ یعنی آپ ہمیشہ محزون اور ہر وقت سوچ میں رہتے تھے حالانکہ آپ پیغمبر تھے اور پیغمبر بھی ایسے کہ پیغمبروں کے سید۔ لیکن پھر بھی آپ آخرۃ کی فکر سے ہمیشہ بے چین ہی رہتے تھے اور جیسا کہ امور آخرۃ کا علم حضور کو تھا اگر کسی اور کو ہوتا اس کا تو مارے خوف کے دم ہی نکل جاتا مگر یہ آپ کا تحمل تھا کہ باوجود ایسے استحضار اور دوام مشاہدہ اور غلبہ حزن و فکر کے آپ

ہنستے بھی تھے اہل بیت کے حقوق بھی ادا کرتے تھے اپنے اصحاب میں بھی بیٹھتے اٹھتے تھے۔ یہ آپ نے اپنے منصب کی رعایت کی کہ اتنے بڑے غم کو بھی برداشت کر لیا ورنہ بہت سے لوگ تو مر مر گئے ہیں ایک بزرگ رات بھر عبادت ہی میں گذار دیتے ان کی بیوی کہتیں کچھ تو آرام کر لو ان کے کہنے سے تھوڑی دیر لیٹ جاتے لیکن پھر گھبرا کر اٹھ بیٹھتے اور کہتے کہ کیا کہوں تمہارے کہنے سے لیٹا تو تھا لیکن پھر گھبرا کر اٹھ بیٹھتے اور کہتے کہ کیا کہوں تمہارے کہنے سے لیٹا تو تھا لیکن یہ آیت لیٹنے نہیں دیتی قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا اور پھر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ یہاں جب حضرت حاجی صاحب تشریف رکھتے تھے تو حافظ عبدالقادر جو حضرت کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی رات کو یہیں سردی میں حضرت کے چارپائی کے نیچے لیٹتے تھے۔ حضرت کی چارپائی بہت مکلف تھی نواڑ سے بنی ہوئی رنگین پائے پیچ بند کسے ہوئے۔ لوگ یوں سمجھتے تھے کہ نوابوں کی سی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن حال یہ تھا کہ مجھ سے خود حافظ عبدالقادر کہتے تھے کہ عشاء کے بعد حضرت اول میں چارپائی پر آکر لیٹ جاتے بس اس وقت تو سب نے دیکھ لیا کہ حضرت عشاء کے بعد سو رہے ہیں لیکن جب سب نمازی چلے جاتے تو موذن سے دروازہ بند کرا لیتے اور مسجد میں مصلے بچھا کر ذکر میں مشغول ہو جاتے حافظ صاحب کہتے تھے کہ رات بھر میں شاید تھوڑی ہی دیر آرام فرماتے ہوں کیونکہ جب آنکھ کھلی حضرت کو مسجد میں بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول ہی دیکھا اور کوئی دن ناغہ نہ جاتا تھا کہ روتے نہ ہوں اور بڑے درد سے بار بار یہ شعر نہ پڑھتے ہوں۔

اے خدا ایں بندہ را رسوا مکن
گر بدم من سر من پیدا مکن

تو حضرت جس کو منزل پر پہنچنا ہو گا وہ رات ہو یا دن جب وقت ملے گا چل پڑے گا۔ ہم غافل ہیں بس جہاں ہیں وہیں دھرے ہوئے ہیں اب لوگ بجائے اپنی فکر دین کے رات دن اسی مشغلہ میں رہتے ہیں کہ فلانا ہمارا معتقد ہو

جائے ہمارے بزرگ کا معتقد ہو جائے۔ ارے کیا رکھا ہے کسی کے معتقد ہو جانے میں اگر معتقد ہو ہی گیا تو کے ٹکے مل گئے میں دیکھتا ہوں کہ آج کل کسی کے مرنے پر اس کا بڑا حق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کی یادگار بنانی شروع کر دی جلوس نکالا اس کا یوم وفات منایا رزولیشن پاس کر دیا۔ اخباروں میں چھاپ دیا کہ فلانا فلانا شریک ہوا۔ بھلا اس سے اس بیچارے کو کیا نفع پہنچا۔ میری چھوٹی ہمشیرہ کا جب انتقال ہوا تو میں اس زمانہ میں جامع العلوم کانپور میں مدرس تھا۔ جس وقت اس خبر کی اطلاع کا خط آیا میں درس دے رہا تھا۔ گو میں نے درس موقوف نہیں کیا نہ طلبہ کو اس کی خبر ہونے دی لیکن پھر بھی آخر بہن تھیں۔ چہرہ سے غم کے آثار سب پر ظاہر ہو گئے یہاں تک کہ طلبہ نے پوچھا کہ کیا خط میں کوئی رنج کی بات لکھی ہے اس وقت میں نے ظاہر کر دیا کہ ہاں میری بہن کا انتقال ہو گیا۔ اس پر سب نے کہا کہ ہم آج سبق نہیں پڑھیں گے میں نے کہا کہ میاں پڑھو بھی اس کو ثواب ہو گا فائدہ ہو گا لیکن انہوں نے کہا کہ نہیں آج تو جی نہیں چاہتا۔ پھر میں نے اصرار نہیں کیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ اب ہم اجازت چاہتے ہیں کہ ہم سب قرآن شریف پڑھ کر مرحومہ کو ایصال ثواب کریں۔ میں نے کہا کہ بھائی تمہاری خوشی ہے۔ میں تو اپنے دوستوں کو اس کی بھی تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ یوں بطور خود اپنی محبت سے ایصال ثواب کریں تو اختیار ہے۔ ایصال ثواب کی فضیلت بھی بہت ہے اس لئے میری طرف سے اجازت ہے اگر ایک طریق سے وہ یہ کہ جمع ہو کے نہیں بلکہ اپنے اپنے حجروں میں بیٹھ کر تاکہ جس کا جتنا جی چاہے پڑھے جس کا جی چاہے نہ پڑھے۔ پھر میں نے یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے اطلاع نہ کرنا کہ کس نے کتنا بخشا ورنہ اطلاع کی ضرورت سے ہر شخص یہ چاہے گا کہ کم از کم پانچ پارے تو پڑھوں حالانکہ اگر میری اطلاع کے لئے پانچ پارے پڑھے تو ان کا ایک حرف بھی مقبول نہیں بخلاف اس کے اگر کسی نے خلوص سے صرف ایک بار قل ہو اللہ پڑھ کر بخشا تو یہ قل ھواللہ مقبول ہے اور مرحومہ کے حق میں نافع۔ اور وہ پانچ پارے مقبول اور نافع نہیں۔ چنانچہ جس کو

جتنی توفیق ہوئی اس نے بطور خود بلا مجھے اطلاع کئے ہوئے آزادی اور خوشدلی کے ساتھ پڑھ کر بخش دیا تو کسی کے مرنے پر کرنے کے کام تو یہ ہیں۔ اب میں جلسہ کرتا مرحومہ کی تعریفیں کرتا۔ اظہار غم کا رزولیشن پاس کرتا۔ اخباروں میں شائع کرادیتا۔ مدرسہ میں تعطیل کر دیتا تو اس سے اس مرحومہ کو کیا فائدہ ہوتا بلکہ جو مدح سمجھی جاتی ہے اس کے بارے میں تو بصورت خلاف واقع ہونے کے حدیث میں آیا ہے کہ مردہ سے سوال ہوتا ہے ھکذا کنت کیا تو ایسا ہی تھا لیجئے تعریفوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ باز پرس ہو رہی ہے اور ملامت کی جارہی ہے لیجئے یہ انعام ملا ان محبین اور معتقدین کی محبت اور اعتقاد کی بدولت کہ باز پرس میں ڈال دیا۔ گو اس کا کوئی جرم نہیں مگر باز پرس پر آخر اس کو تو خطرہ کا احتمال ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قیامت کے دن یہ سوال ہو گا حالانکہ وہ الزام سے بالکل بری ہیں۔ یٰعِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

یعنی کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو معبود بنا لو۔ جس کا وہ یہ جواب دیں گے۔ سُبْحٰنَكَ مَایَكُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَالَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَافِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ط

لیکن پھر بھی باز پرس سے شرمندگی تو ہو گی۔ یہ کس کی بدولت۔ یہ ان کے اعتقاد کا ثمرہ ہے۔

(ملفوظ ۹۹) مثنوی شریف بڑی جامع کتاب ہے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ میں نے حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق کسی کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھا ہے کہ آپ کی مجلس میں دو تین شخص تک ہوتے تب تو آپ گفتگو کرتے اور جب اس سے زیادہ مجمع ہو جاتا تو زبان بند فرما لیتے کہ عادۃً اتنے لوگ فہیم نہیں ہو سکتے تو ایسی حالت میں سامع کی جانب

یہ مانع ہے کہ احتمال غلط فہمی کا ہے اور متکلم کی جانب یہ مانع ہے کہ اگر مجمع میں ایک شخص بھی غیر فہیم ہو تو دل نہیں کھلتا اھ اب تو حال بالکل برعکس ہے کہ جتنا مجمع زیادہ ہوتا ہے اتنا دل زیادہ کھلتا ہے۔ کیونکہ جتنا زیادہ مجمع ہوگا اتنی ہی زیادہ نیک نامی ہوگی۔ مولانا رومی مثنوی شریف لکھتے لکھتے دفتر اول کے آخر میں فرماتے ہیں ؂

اے دریغا لقمہ دو خوردہ شد
جوشش فکرت ازاں افسردہ شد

معلوم ہوتا ہے لکھتے لکھتے کوئی دنیوی لذت پیش آگئی ہوگی بس پھر انشراح نہیں رہا چنانچہ اس سے آگے فرماتے ہیں ؂

سخت خاک آلودہ می آید سخن
آب تیرہ شد سر چہ بند کن
تا خدایش باز صاف و خوش کند
آنکہ تیرہ کرد ہم صافش کند

پھر مدت کے بعد جب تقاضا ہوا ہے تب دوبارہ لکھنا شروع کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؂

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد
مہلتے بایست تاخوں شیر شد

پھر مثنوی سے اس مسئلہ کا بیان کر کے مثنوی کے متعلق فرمایا کہ مثنوی شریف بڑی جامع کتاب ہے اس میں طریق کے بہت مسائل ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی قابل تنبیہ ہے کہ مسائل کو اس سے اخذ نہ کرنا چاہئے بلکہ جو مسائل پہلے سے دلائل مستقلہ سے ثابت اور محقق ہوں ان پر مثنوی کو منطبق کر لینا چاہئے بس بڑی مثنوی دانی یہی ہے اور اس میں مثنوی کی کوئی تخصیص نہیں مطلقاً اشعار میں مسائل کی توضیح پوری طرح ہو بھی نہیں سکتی۔ چنانچہ اس کو مولانا بھی خود فرماتے ہیں ؂

معنی اندر شعر جز باخبط نیست
چوں فلاسنگ ست آنرا ضبط نیست

باقی مفہوم نہ ہونے سے منکر ہونا لازم نہیں آتا اس لئے اہل اللہ کے کلام کا ادب یہی ہے کہ اگر قرآن و حدیث کے موافق ہو قبول کر لو ورنہ سکوت اختیار کرو کیونکہ ممکن ہے کہ ان کی جو بات بظاہر قرآن و حدیث کے خلاف معلوم ہوتی ہے وہ در حقیقت خلاف نہ ہو لیکن تمہاری سمجھ میں نہ آئی ہو۔

(ملفوظ ۱۰۰) وعظ بڑی نافع چیز ہے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ وعظ بڑی نافع چیز ہے اور یہ دین میں اس قدر اہم خدمت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا درس تدریس وغیرہ سب اسی کے مقدمے ہیں اب آج کل علماء نے تو اس کو اپنی شان کے خلاف سمجھا اس لئے جاہلوں کے ہاتھ میں یہ کام چلا گیا اور انہوں نے لوگوں کو گمراہ کیا۔

(ملفوظ ۱۰۱)

دعاء کے متعلق ذکر تھا فرمایا کہ گو اللہ تعالیٰ کو سب کچھ علم ہے لیکن پھر بھی دعاء کا حکم ہے لو ضرورت کچھ نہ ہو لیکن پھر بھی وہ چاہتے ہیں کہ زبان سے عرض معروض کرو۔ مثنوی میں بادشاہ کی مناجات میں نقل کیا ہے ؂

حال ماوایں طبیبان سر بسر پیش لطف عام تو باشد ہدر
اے ہمیشہ حاجت مارا پناہ بار دیگر ہم غلط کردیم راہ
لیک گفتی گرچہ می دانم سرت زود ہم پیدا کنش بر ظاہرش

یعنی یوں تو اللہ تعالیٰ کو دل کی بھی خبر ہے لیکن وہ زبان سے بھی سننا چاہتے ہیں کیونکہ جہاں وہ یہ جانتے ہیں کہ دل میں کیا ہے اس کو بھی تو جانتے ہیں کہ دل میں رکھنے میں اور زبان سے عرض کرنے میں فرق کیا ہے۔ جہاں

مختلف چیزیں انہوں نے پیدا فرمائی ہیں ان میں مختلف خاصیتیں بھی تو انہیں نے رکھی ہیں۔

(ملفوظ ۱۰۲) شیخ کو بھی ذکر و شغل کی ضرورت ہے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب سے میں نے سنا ہے کہ جو شیخ خود کچھ نہ کرے اس کی تعلیم میں برکت نہیں ہوتی گو خود اس کو حاجت نہ رہے لیکن اس غرض سے اس کو ذکر شغل کرتے رہنا چاہئے کہ خود تلقی کر کے آگے کو القا کرے۔ ورنہ اگر خود کچھ نہ کرے گا تو دوسروں کو کیا القا کرے گا حکیم سنائی اسی کو فرماتے ہیں ع خفتہ راخفتہ کے کند بیدار۔ تو حضرت سعدی علیہ الرحمتہ نے اس کا جواب دیا ہے کہتے ہیں ؎

باطل ست آنچہ مدعی گوید　　خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
مرد باید کہ گیرد اندر گوش　　گر نوشت است پند بر دیوار

لیکن واقع میں دونوں میں تعارض نہیں۔ سنائی اثر کی نفی کر رہے ہیں اور سعدیؒ اثر کے دیکھنے سے نہی کر رہے ہیں۔ پھر اثر کے متعلق بیان فرمایا کہ اگر خود عمل نہ کرے تو کہنے میں قوت نہیں ہوتی اس لئے اثر کم ہوتا ہے یہاں تک کہ جو شخص خود تقوی اختیار کرتا ہے اس کے کہنے کا زیادہ اثر ہوتا ہے بہ نسبت اس کے جو غیر متقی ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا اسماعیل صاحب شہید رحمتہ اللہ علیہ کے دو جملوں میں جو اثر ہوتا تھا وہ دوسرے واعظوں کی لمبی لمبی تقریروں میں بھی نہ ہوتا تھا۔ جو اثر ان کے اس جملہ میں ہوتا تھا کہ خدا سے ڈرو وہ دوسروں کے سالہا سال کے وعظ و پند میں نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ ایک بار جامع مسجد کی سیڑھیوں پر وعظ فرما رہے تھے۔ اتفاق سے وعظ میں ایک زنانہ بھی آگیا۔ مولانا نے اس کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ وضع اور یہ کام شریعت کے خلاف ہے خدا سے ڈرو۔ بس یہ سننا تھا کہ اس نے فوراً انگوٹھی چھلے سب اتار کر پھینک دئے اور کسی سے چادرہ لنگی لیکر زنانہ لباس بھی اتار دیا۔ پھر منہدی جو گئی

ہوئی تھی اس کے چھڑانے کے لئے سیڑھیوں کے پتھر پر ہاتھ رگڑنا شروع کئے یہاں تک کہ کھال چھل گئی اور ہاتھ لہو لہان ہو گئے۔ مولانا نے منع بھی فرمایا کہ شریعت کا یہ حکم نہیں ہے لیکن اس کے تو دل میں آگ لگ گئی تھی اس کو بلا منہدی چھڑائے چین ہی نہ آیا تو دیکھئے یہ کیا جادو بھرا فقرہ تھا کہ خدا سے ڈرو جس نے اس زنانہ کی یہ حالت کر دی۔ وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کو تقوی عطا فرمایا تھا اس لئے ان کے کہنے میں یہ اثر تھا لیکن ہر حال میں اس کے یہ معنے نہیں کہ اگر خود عمل کی توفیق نہ ہو تو دوسرے کو بھی تعلیم و تبلیغ نہ کرے جیسا اکثر لوگ عموماً ایسے موقعوں پر آیت لم تقولون ما لاتفعلون سے استدلال کیا کرتے ہیں جو بڑی غلطی ہے میں نے اس استدلال کے غلط ہونے کی ایک خاص عنوان سے تقریر کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت دعوے کے باب میں ہے دعوت کے باب میں نہیں۔ یعنی جو چیز تمہارے اندر نہ ہو اس کا دعوی نہ کرو یہ نہیں کہ اس کی طرف دعوت بھی نہ دو جیسا سبب نزول بھی اس کا شاہد ہے۔ یہ دو لفظ اللہ تعالیٰ نے ایسے مناسب ذہن میں ڈال دئے کہ گویا دریا کوزہ میں بھر گیا۔

(ملفوظ ۱۰۳) فیض مشائخ سے اکثر چار اشخاص محروم ہوتے ہیں

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ آج کل شیوخ کے یہاں بھی شاہانہ انتظامات ہیں۔ خدام میں کوئی عصا بردار ہے کوئی مصلے برادر ہے کوئی نعل بردار ہے اور منشا صحیح نہ ہونے کی وجہ سے سب بردار ہیں۔ اور ہمارے حضرات کے یہاں الحمدللہ سب دردار ہیں اسی واسطے بزرگوں کے جو خدام خاص ہوتے ہیں وہ اکثر محروم رہتے ہیں کیونکہ شیخ صاحب ان کی اصلاح اس خوف سے نہیں کرتے کہ اگر یہ اینٹھ گئے تو پھر ہمارا کام کون کرے گا۔ کتب فن میں بعض بزرگوں کا قول لکھا ہے کہ مشائخ کے یہاں اکثر یہ چار شخص محروم رہتے ہیں بیٹا بیوی خادم خاص اور ایک کوئی اور لکھا ہے جو اس وقت یاد نہیں آتا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی لکھا

ہے کہ یا تو یہ بالکل محروم رہتے ہیں یا اگر یہ فیض حاصل کرتے ہیں تو پھر دوسرے سب طالبوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ غرض شیخ کی طرف سے تو یہ مانع اصلاح پیش آتا ہے کہ وہ اپنے خدام خاص کی اس ڈر سے اصلاح نہیں کرتے کہ اگر یہ اینٹھ گئے تو پھر ہمارا کام کون کرے گا اور دوسرے معتقدین کی طرف سے یہ مانع پیش آتا ہے کہ لوگ ان کی خوشامد کرتے ہیں کہ حضرت یہ چیز پہنچا دیجئے۔ یہ دعاء کرا دیجئے۔ اس سے ان کا دماغ اور بھی خراب ہو جاتا ہے اور اچھے خاصے مرتشی ہو جاتے ہیں رشوتیں کھاتے ہیں ایسی باتوں کی روک تھام کی سخت ضرورت ہے شیوخ کو اس طرف توجہ کرنی چاہئے۔

(ملفوظ ۱۰۴) سلطنت فقہ حنفی پر بآسانی چل سکتی ہے

ایک نواب صاحب نے بذریعہ تحریر یہ مسئلہ دریافت کیا کہ آجکل روپیہ تو ملتا نہیں صرف نوٹ ملتا ہے جس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ایسی صورت میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے حضرت اقدس نے تحریر فرمایا کہ زکوٰۃ غلہ اور دیگر ضرورت کی اشیاء سے بھی ادا ہو سکتی ہے پھر زبانی فرمایا کہ یہ فتویٰ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اگر یہ فتویٰ نہ ہوتا تو اس صورت حالات میں کیسی دقت ہوتی۔ گو امام صاحب کو ان حالات کی کوئی اطلاع پہلے سے تھوڑا ہی تھی لیکن امام صاحب نے جو اصول قرآن و حدیث سے سمجھے ہیں وہ ایسے جامع مانع ہیں کہ ان میں سب ضروری رعایتیں موجود ہیں چنانچہ ایک انگریز کا قول کسی کتاب کے ترجمہ میں میں نے دیکھا ہے کہ امام صاحب کے مذہب پر تو سلطنت بھی بہت آسانی سے چل سکتی ہے لیکن بعض دوسرے مذاہب پر کسی کسی جگہ رکاوٹیں پیدا ہوں گی اھ۔ اس پر مولانا ظفر احمد صاحب نے عرض کیا کہ ابن شریح شافعی نے بھی قریب قریب یہی لکھا ہے کہ ہمیں بعض جگہ اپنا مذہب چھوڑنا پڑتا ہے اور حنفیہ کو اس کی کہیں ضرورت واقع نہیں ہوتی۔ یہ سن کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ سبحان اللہ کیا منصف حضرات تھے۔ اور واقعی اختلاف

رائے کا تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ کسی نفسانیت سے نہ ہو محض خلوص سے ہو چنانچہ پہلے زمانہ میں یہی حال تھا اور اس زمانہ میں بھی خدا کے بندے ایسے موجود ہیں جو باوجود اختلاف رائے اور اختلاف مسلک کے متعصب نہیں۔ چنانچہ مولوی اسماعیل صاحب کاندہلوی کہتے تھے کہ بھوپال میں ایک حنفی عالم مولوی ایوب صاحب کے یہاں حدیث کا دورہ ہوتا تھا۔ ایک شافعی طالب علم بھی اس دورہ میں شریک تھے۔ مولوی صاحب نے کسی حدیث کی تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فلاں مسئلہ میں سچ یہ ہے کہ حضرت امام شافعی کے پاس تو یہ صریح حدیث موجود ہے اور ہمارے امام صاحب کو غالباً یہ حدیث نہیں پہنچی اس لئے ان کو قیاس کرنا پڑا پھر کئی دن بعد ایک اور حدیث آگئی۔ مولوی صاحب کا ذہن دفعتہً اس طرف منتقل ہوا کہ البتہ امام صاحب کے مسئلہ پر اس حدیث سے استدلال ہو سکتا ہے یہ سن کر وہ شافعی طالب علم جو دورہ میں شریک تھے شگفتہ ہو گئے اور استاد سے کہا کہ مجھے تو اس دن سے ایسا رنج و غم تھا کہ ابو حنیفہ جیسا امام اور حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس پر عمل کرے۔ اس کا اتنا غم ہوا کہ میں نے اس وقت سے کھانا بھی اچھی طرح نہیں کھایا۔ الحمدللہ آج شگفتگی ہوئی آج پیٹ بھر کر کھانا کھاؤں گا۔ یہ تو شافعی کا قصہ ہے۔ اب حنفی کا سنئے مولانا گنگوہی درس حدیث کے وقت حدیثوں کی اس طور پر تقریر کرتے کہ ساتھ کے ساتھ مسائل حنفیہ کی بھی تائید نہایت واضح طور پر کرتے چلے جاتے۔ مولانا کو اس میں بہت ہی شرح صدر تھا۔ یہاں تک کہ ایک بار فرمایا کہ مجھ کو تو حدیثوں میں مذہب حنفی ایسا صاف نظر آتا ہے جیسے نصف النہار کے وقت آفتاب ایک مولوی صاحب نے مولانا کی ایک تقریر سن کر جوش میں آکر کہا کہ آپ کے پاس آکر تو حدیث بھی حنفی ہو جاتی ہے مطلب یہ تھا کہ آپ تو ہر حدیث سے حنفیہ کی تائید فرماد یتے ہیں اگر حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ بھی اس وقت زندہ ہوتے تو اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ اس پر مولانا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ یہ کیا کہا۔ اگر حضرت امام زندہ ہوتے تو کیا میں ان کے سامنے بولتا بھی اور بولتا تو

کیا میں تو ان کی تقلید کرتا اور امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کی تقلید کو چھوڑ دیتا کیونکہ مجتہد حی کے ہوتے ہوئے مناسب نہیں ہے کہ مجتہد غیر حی کی تقلید کی جائے۔ نیز یہ بھی میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ علمائے حجاز دوران درس میں جب دوسرے اماموں کے اقوال نقل فرماتے ہیں تو اگر وہ مثلاً شافعی ہیں تو کہتے ہیں قالت سادا تنا الحنفیة اور اگر حنفی ہیں تو کہتے ہیں قالت ساد اتنا الشافعیة خود حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ ہے۔ جب آپ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو فجر کی نماز میں دعائے قنوت ترک فرما دی کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ اتنے بڑے امام جلیل کے سامنے ان کی تحقیق کے خلاف عمل کرتے شرم آئی۔ کیا ٹھکانا ہے ادب و لحاظ کا حتے کہ بعد والوں کو ان کے اس فعل کی تاویل کرنی پڑی کیونکہ مجتہد کو شرعاً جائز ہی کہاں ہے اپنے اجتہاد کے خلاف عمل کرنا۔ کسی نے اس اعتراض کا بڑا لطیف جواب دیا ہے کہ وہاں پہنچ کر امام ابو حنیفہؒ کی برکت سے امام شافعیؒ کا ترک قنوت کے متعلق تھوڑی دیر کے لئے اجتہاد ہی بدل گیا تھا پھر اسی سلسلہ میں امام صاحب کی برکت سے شافعیؒ کا اجتہاد بدل گیا۔ بزرگوں کے خاص برکات یعنی تصرفات کا ذکر چلا فرمایا کہ اس باب میں ارواح کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں بعض کو تصرف عطا ہوتا ہے بعض کو نہیں جیسے ملائکہ کی حالت ہے کہ بعض کے سپرد تو تربیت مخلوق کے متعلق خاص خاص خدمتیں ہیں اور بعض کا کام سوائے ذکر و عبادت کے اور کچھ نہیں ایسے ہی اہل کشف کا قول ہے کہ ارواح کی مختلف حالتیں ہیں بعضوں کو تو سوائے استغراق کے اور کوئی شغل ہی نہیں اور بعض کو بعد انتقال بھی تربیت و اصلاح کی قوت عطا فرمادی جاتی ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے اپنا خواب بیان کیا جس کو میں حجت کے طور پر نہیں بلکہ محض تفریح کے طور پر نقل کرتا ہوں کیونکہ اس سلسلہ میں وہ یاد آگیا اس خواب کے دو جزو ہیں ان میں سے دوسرا جزو اس مضمون کے متعلق ہے اس لئے صرف اسی کو نقل کرتا ہوں۔ انہوں نے مولانا گنگوہی کو بعد انتقال کے دیکھا کہ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے

ہمیں تو وفات کے بعد خلافت دیدی ہے اس کے معنے میں یہ سمجھا ہوں کہ چونکہ خلافت کی روح تصرف ہے اس لئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی روح کو اللہ تعالیٰ نے تصرف کی قوت عطا فرمادی کہ طالبین کی تربیت اور اصلاح میں معین ہو ایسے بزرگوں کے مزار پر جانے سے یہ خاص نفع بھی ہوتا ہے اور بظاہر یہی وجہ ہے کہ بعضے بزرگوں کے مزار پر تو طبیعت اچٹتی ہے اور بعض کی طرف کھنچتی ہے ایسے ہی زندوں میں بھی تفاوت ہوتا ہے بعضوں پر تو شفقت اور شان افاضہ غالب ہوتی ہے اور بعضوں پر استغراق غالب ہوتا ہے جیسے حضرت احمد جام فرماتے ہیں ۔

احمد تو عاشقی بمشیخت تراچہ کار
دیوانہ باش سلسلہ شد شد نہ شد نہ شد

ان پر تو استغراق کی کیفیت غالب تھی اور بعضوں میں اتنی شفقت ہوتی ہے کہ مخلوق کی اصلاح کی خاطر احیاناً اپنے معمولات میں بھی تغیر و تبدل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی شفقت و اخلاق کی تو یہ حالت تھی کہ بعد نماز فجر لوگ گھیر لیتے تو آپ مجمع کی طرف رخ کئے دیر دیر تک بیٹھے رہتے یہاں تک کہ بعض دن تو اشراق چاشت اوراد و ظائف سب موخر ہو جاتے تھے۔ اور ایک مولانا رشید احمد صاحب تھے کہ جہاں کسی معمول کا وقت آگیا بس بلا کچھ کہے اٹھ کر چل دیئے کسی سے کچھ عذر معذرت بھی تو نہیں کرتے تھے۔ عشاء کے بعد جب سونے کا وقت آجاتا تو حاضرین سے بے تکلف فرما دیتے کہ جاؤ بھائی آرام کرو اب میں سوؤں گا۔ بخلاف اس کے میرے استاد مولانا فتح محمد صاحب حضرت حاجی صاحب کا ذکر فرماتے تھے کہ ایک بار حضرت کی خدمت میں بیٹھے بیٹھے معمول سے زیادہ دیر ہو گئی اور بوجہ دلچسپی کے اس طرف التفات ہوا نہیں پھر دفعتہً جو تنبہ ہوا تو معذرت کرنے لگے کہ آج حضرت کی عبادت میں بہت خلل پڑا حضرت نے فرمایا کہ یہ کیا کہا۔ دوستوں سے باتیں کرنا کیا عبادت نہیں ہے۔ حضرت کی شفقت کی عجیب حالت تھی۔ مجھے ایک دفعہ

ظہر کی نماز پڑھ کر جوش اٹھا اور خلاف وقت حضرت کی خدمت میں جا پہنچا حالانکہ دوسروں کی راحت کا خیال رکھنا میرا امر طبعی ہے لیکن اس وقت حضرت کچھ ایسے یاد آئے کہ میں خدمت میں حاضر ہو گیا اور حضرت کی تکلیف کا کچھ خیال ہی نہیں ہوا۔ اس وقت حضرت کے پاس کوئی نہیں تھا حجرہ میں تنہا لیٹے ہوئے تھے اور سینہ پر مثنوی شریف کھلی ہوئی رکھی تھی۔ میں نے سلام کیا تو فوراً اٹھ بیٹھے اور بڑی بشاشت سے پوچھا کہ اس وقت کیسے آئے میں نے عرض کیا کہ معاف کیجئے اس وقت حضرت کا حرج ہوا اور خلوت میں فرق آیا۔ فرمایا نہیں نہیں کچھ حرج نہیں ہوا۔ خلوت از اغیار نہ از یار میں نے عرض کیا کہ اس وقت بے اختیار حاضری کو جی چاہا اس لئے بیوقت حاضر ہو گیا پھر بڑی بشاشت سے باتیں کرتے رہے تو حضرت کا یہ مشرب تھا۔ طالبین پر بڑی شفقت تھی۔ اسی واسطے حضرت سے بہت نفع ہوا۔ حضرت حافظ کے کلام میں مسائل ہیں وہ ایسے ہی بزرگوں کے متعلق کہتے ہیں ؎

بندہ پیر خرا باتم کہ لطفش دائم ست
زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

شیخ کا جتنا لطف زیادہ ہو گا اتنا ہی اس کا فیض زیادہ ہو گا۔ اس مسئلہ کو انہوں نے ان الفاظ میں بیان کیا ؎

بندہ پیر خرا باتم کہ لطفش دائم ست
زانکہ لطف شیخ و زاہد گاہ ہست و گاہ نیست

اور اگر کسی وقت شیخ پر کوئی دوسری حالت غالب ہو جو مانع ہو توجہ سے اس کو بھی دوسری جگہ بیان فرماتے ہیں لیکن الفاظ وہی اپنے خاص طرز کے ہیں ؎

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرما
چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

مسجد سے مراد سلوک ہے اور میخانہ سے مراد جذب۔ کہتے ہیں کہ

ہمارے شیخ پر تو اب بجائے سلوک کے جذب کی حالت طاری ہو گئی ہے۔ اب ہم کہاں جائیں گے حضرت حافظ کے کلام میں ایسے ہی عنوانات سے مسائل فن کو بیان کیا گیا ہے یہ بات اور شاعروں کو نصیب نہیں جنہیں حالات پیش آتے ہیں وہی ایسے اشعار لکھ سکتے ہیں شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ بھی ایسے ہی شعراء میں ہیں لیکن بہت متین ہیں اور حضرت شیخ بھی بڑے تحمل ہیں۔ شاہ عبدالرحیم صاحب جو شاہ ولی اللہ صاحب کے والد تھے وہ راوی ہیں کہ ایک بار میں راستہ میں شیخ سعدی علیہ الرحمتہ کا یہ قطعہ پڑھا چلا جارہا تھا۔

جز یاد دوست ہرچہ کنی عمر ضائع است
جز حرف عشق ہرچہ بخوانی بطالت است
سعدی بشوئے نقش دوئی راز لوح دل
علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت ست

اس کے تین مصرعہ تو یاد تھے چوتھا مصرعہ یاد نہیں آتا تھا تیسرے مصرعہ تک پڑھنے کے بعد بار بار اٹک جاتا تھا جس سے بڑی تنگی ہوتی تھی۔ اتنے میں ایک کمبل پوش سفید ریش بزرگ صورت شخص میرے پاس ہو کر گذرے جس وقت تین مصرعے پڑھ چکا اور چوتھا اٹک گیا ان کمبل پوش بزرگ نے فوراً یہ چوتھا مصرعہ پڑھ دیا۔

ع علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است۔ اس مصرعہ کو سنتے ہی میری طبیعت جو اس تنگی کی وجہ سے گھٹی ہوئی تھی کھل گئی اور وہ بزرگ آگے بڑھ گئے۔ میں نے دوڑ کر پوچھا کہ آپ کا اسم مبارک۔ انہوں نے کہا فقیر را مصلح الدین شیرازی می گویند۔

اسی سلسلہ میں شاہ عبدالرحیم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے چند اور مکاشفات و واقعات برزخ کے نقل فرمائے جن میں سے ایک یہ حکایت بھی کسی کتاب میں دیکھی ہوئی بیان فرمائی کہ ایک بار شاہ صاحب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر مراقب ہوئے تو قطب صاحب متمثل ہوئے۔

شاہ صاحب نے قطب صاحب سے پوچھا کہ سماع کے باب میں آپ کی کیا تحقیق ہے- قطب صاحب نے اس کے جواب میں شاہ صاحب سے پوچھا کہ شعر کے باب میں تم کیا کہتے ہو- شاہ صاحب نے وہی عرض کر دیا جو حدیثوں میں ہے- الشعر کلام موزون حسنه حسن و قبیحه قبیح یعنی شعر ایک موزون کلام ہے اگر اس کا مضمون اچھا ہے تو وہ اچھا ہے اور اگر برا ہے تو برا ہے- پھر قطب صاحب نے خوش آوازی کے باب میں یہی سوال کیا- شاہ صاحب نے یہ آیت پڑھی یزید فی الخلق مایشاء کیونکہ اس کی تفسیر یہ بھی ہے کہ یہاں خوش آوازی مراد ہے- پھر قطب صاحب نے پوچھا کہ اگر دونوں جمع ہو جائیں تو اس کا کیا حکم ہو گا-شاہ صاحب نے عرض کیا کہ سبحان اللہ پھر یہ تو آیت صادق آئیگی- نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ قطب صاحب نے فرمایا کہ بس ہمارا سماع اس سے زیادہ نہ تھا- مولانا شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ پھر میں نے دیکھا کہ ایک تخت اوپر سے اترا جس پر خواجہ بہاؤالدین نقشبند تشریف رکھتے تھے وہ قطب صاحب سے ملنے تشریف لائے تھے- کچھ دیر قطب صاحب سے باتیں کرنے کے بعد تخت اٹھ گیا اور خواجہ صاحب تشریف لے گئے- شاہ صاحب نے قطب صاحب سے عرض کیا کہ آپ نے ان کے سامنے یہ تقریر کیوں نہ کی وہ سماع کے منکر تو نہیں لیکن مجتنب ہیں- سماع سے بچتے ہیں ان کا یہ قول ہے- نہ انکاری کنم نہ ایں کاری کنم- قطب صاحب نے فرمایا کہ ان کے سامنے یہ تقریر کرنا ادب کے خلاف تھا- اس سے معلوم ہوا کہ برزخ میں بھی ادب پر عمل ہوتا ہے- چنانچہ قطب صاحب نے خواجہ صاحب کا وہاں ادب فرمایا اور ان کے مسلک کی رعایت فرمائی- غرض برزخ میں بعض ایسے حالات بھی پیش آتے ہیں منجملہ ان حالات کے بعض کو تربیت کیلئے توجہ کا بھی اذن ہوتا ہے-

(ملفوظ ۱۰۵) الدنیا سجن المؤمن کا عجیب مفہوم

حدیث الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر کا ذکر چلا- اس پر

ایک حکایت بیان فرمائی جو ایک بزرگ سے نقل کی کہ ایک بزرگ پالکی میں بڑی شان و شوکت کیساتھ تشریف لئے جارہے تھے ادھر ادھر خدام جلو میں تھے- راستہ میں ایک ہندو فقیر ملا جو نہایت شکستہ حال تھا اس نے ان بزرگ سے پوچھا کہ آپ کے یہاں حدیث میں ہے- الدنیا سجن المؤمن وجنة الكافر- آپ مومن ہیں- میں کافر ہوں لیکن یہاں معاملہ برعکس ہے کہ آپ کے پاس تو پالکی بھی ہے خدام بھی ہیں ہر قسم کا تنعم ہے اور یہاں پالکی اور خدام تو کیا نان شبینہ بھی نہیں جب یہ ہے تو پھر اس حدیث کے کیا معنے ہوئے یہ سن کر ان بزرگ نے اپنا پاؤں پالکی سے باہر نکال کر زمین پر رکھ دیا اور اس ہندو فقیر سے کہا کہ میرے پاؤں پر اپنا پاؤں رکھ دے وہ بزرگ بڑے صاحب تصرف تھے ان کے پاؤں پر پاؤں رکھنا تھا کہ اس فقیر کو جنت دوزخ دونوں منکشف ہو گئے پھر ان بزرگ نے اس سے پوچھا کہ تو نے کچھ دیکھا اس نے کہا جی ہاں جنت اور دوزخ دونوں کو دیکھ لیا پھر ان بزرگ نے پوچھا کہ اچھا اب یہ بتا کہ جنت میں جو کچھ تو نے دیکھا اس کے اعتبار سے باوجود اس تنعم کے یہ دنیا میرے لئے قید خانہ ہے یا نہیں اور دوزخ میں جو کچھ تو نے دیکھا اس کے اعتبار سے تیرے لئے باوجود اس ناداری اور تکلیف کے یہ دنیا جنت ہے یا نہیں اس نے اس کا اقرار کیا- تو ان بزرگ نے الدنیا سجن المومن وجنة الكافر کی یہ تفسیر فرمائی جو غالباً اس کے فہم کی رعایت سے فرمائی- باقی میرے ذوق میں اس کی اور تفسیر ہے گو میں کیا اور میرا ذوق ہی کیا- میرا ذوق حجت تھوڑا ہی ہے- باقی میری طبیعت کے مناسب یہ تفسیر ہے کہ سجن کا خاصہ ہے کہ اس میں دل کو تنگی ہوتی ہے چاہے اس میں کتنے ہی آرام کے سامان ہوں چاہے اے کلاس ہو چاہے بی کلاس ہو چاہے باغ میں رکھا جائے لیکن پھر بھی اس میں دل نہیں لگتا تو جیسے جیل خانہ میں کسی کا جی نہیں لگتا چاہے جیسا آرام ہو اور گھر پر چاہے جتنی تکلیف ہو وہاں جی لگتا ہے اور قلب مطمئن رہتا ہے اسی طرح دنیا میں مومن کا دل نہیں لگتا چاہے جتنے آرام میں ہو- جس کو اطمینان اور قناعت کہتے ہیں وہ اس دنیاوی زندگی پر

مومن کو حاصل نہیں- بخلاف کفار کے کہ ان کی وہ حالت ہے جیسی اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائی ہے کہ رَضُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاطْمَئَنُّوْا بِھَا یعنی وہ اس حیات دنیا ہی پر بالکل راضی اور مطمئن رہتے ہیں چاہے جتنی تکلیف میں ہوں کیونکہ مرنے کے بعد کی زندگی کا یا وہاں کی راحت کا کسی صحیح دلیل سے انہیں اعتقاد ہی نہیں- ان کے لئے تو جو کچھ ہے بس یہی زندگی ہے- چنانچہ وبا وغیرہ کے موقعوں پر اور ویسے بھی یہ فرق کھلا ہوا نظر آتا ہے گو کسی وقتی جذبہ سے متاثر ہو کر کبھی اس کے خلاف بھی کسی اثر کا اتفاقاً ظہور ہو جاوے لیکن عام اور اصلی حالت کے اعتبار سے یہی ہے جو بیان کیا گیا-

(ملفوظ ۱۰۶) بیان ایک بہت بڑی نعمت ہے

ایک سلسلہ تنبیہ میں فرمایا کہ آجکل عموماً بیان صاف اور پورا نہیں ہوتا مبہم موہم اور ناتمام ہوتا ہے جس سے بڑی بڑی غلط فہمیاں ہو جاتی ہیں- اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں میں سے ایک نعمت قوۃ بیانیہ کا بھی خاص طور سے ذکر فرمایا ہے چنانچہ سورہ الرحمٰن میں ارشاد ہے- خلق الانسان علمه البيان تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بیان بھی ایک بڑی نعمت ہے اور اس کے خاص آداب ہیں جو کچھ کہنا ہو ان آداب کے تحت میں کہنا چاہئے اور اس کوتاہی کا تدارک بہت توجہ اور اہتمام کیساتھ کرنا چاہئے اس میں آجکل عام ابتلاء ہے-

(ملفوظ ۱۰۷) خطرات کے بارے میں حضور اکرمؐ کی تعلیم

بعض مشہور شہروں سے خطرات کی بناء پر جو آجکل اکثر لوگ بھاگ رہے ہیں اسکے تذکرہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ پہلے انقلاب کی بڑی تمنا تھی اور اب انقلاب کی خبریں سن سن کر گھبراتے ہیں اور بھاگتے ہیں- سبحان اللہ حدیث شریف میں ایسے موقعوں کے لئے بھی کیسی اچھی تعلیم فرمائی گئی ہے- حضور کا ارشاد ہے لا تتمنوا لقاء العدو فاذا لقيتم فاصبروا- یعنی دشمن سے مقابلہ

کی تمنا نہ کرو۔ وہاں اگر مڈ بھیڑ ہو ہی جائے تو اس وقت استقلال سے کام لو۔

(ملفوظ ۱۰۸) اپنے آپ کو بڑا سمجھنا دماغ کی خرابی کی دلیل ہے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ اپنے کو بڑا سمجھنا سب سے بڑی دلیل خرابی دماغ کی ہے بالخصوص دوسرے بڑوں کے ہوتے ہوئے۔

(ملفوظ ۱۰۹) مذمت دنیا میں اکابرؒ کے اقوال

ایک سلسلہ میں دنیا کی مذمت کا ذکر چلا تو اس کے متعلق بہت سے اشعار اور اقوال نقل فرماتے چلے گئے جن میں سے بعض منضبط کئے جا سکے۔ مثلاً فرمایا کہ دنیا کی مذمت کو امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک جگہ عجیب عنوان سے بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ دنیا کی چیزوں میں سب سے زیادہ احب اور الذ عورت ہے سو اسی کو دیکھئے کہ اس کے جو اعضاء سب سے زیادہ حسین اور جمیل ہیں ان کی تو زینت کی جاتی ہے اور جو عضو سب سے زیادہ بد صورت اور قبیح ہے اس کا قصد کیا جاتا ہے۔ امام صاحب کے الفاظ تقریباً یہ ہیں تتزین باحسن مواضعها ويقصد منها اقبح مواضعها اھ۔ پھر فرمایا کہ دنیا میں اگر کوئی عیب بھی نہ ہو تو کیا یہی ایک عیب کچھ کم ہے کہ کسی کے پاس رہتی نہیں بعض اشعار جو اس وقت ضبط کر لئے گئے یہ ہیں ؎

عارفے خواب رفت در فکرے ۔۔۔ دید دنیا بصورت بکرے
کرد ازوے سوال کاے دلبر ۔۔۔ بکر چونی باین ہمہ شوہر
گفت یک حرف باتو گویم راست ۔۔۔ کہ مرا ہر کہ بود مرد نخواست
وانکہ نامرد بود خواست مرا ۔۔۔ زان بکارت ہمیں بجاست مرا

حضرت سعدی فرماتے ہیں ؎

اگر دنیا نباشد دردمندیم
دگر باشد بمہرش پائے بندیم

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؂

ومن یحمد الدنیا لعیش یسرہ
فسوف لعمری عن قلیل یلومہا
اذا ادبرت کانت علی المرء حسرۃ
وان اقبلت کانت کثیرا ہمومہا

یعنی جو شخص آج دنیا کی تعریف کر رہا ہے اور اس کے عیش سے مسرور ہے وہ عنقریب اس کی مذمت کرے گا- کیونکہ جب یہ کسی کے پاس سے جاتی ہے تو حسرت چھوڑ جاتی ہے اور جب آتی ہے تو بہت سے ہموم و غموم کو اپنے ساتھ لاتی ہے کسی کا قول ہے ؂

حال دنیا را بپر سیدم من از فرزانہ
گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانہ
باز گفتم حال آنکس گو کہ دل دروے بہ بست
گفت یا غولے ست یا دیویست یا دیوانہ
زال دنیا مثال مردارے ست
کرگسان اندر وہزار ہزار
ایں مرآں راہمی زند مخلب
وآں مرایں راہمی زند منقار
آخر الامر بگذر ند ہمہ
وزہمہ باز ماند ایں مردار

ایک قطعہ اردو کا بھی یاد ہے گو مجھے اردو کے اشعار میں کچھ لطف نہیں آتا ؂

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پہ جو آگیا
یکسر وہ استخوان شکستہ سے چور تھا
بولا سنبھل کے چل تو ذرا راہ بے خبر

میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا

ان اشعار پر احقر نے عرض کیا کہ حضرت کو اشعار بھی تو ہزاروں ہی یاد ہیں- فرمایا کہ جو پہلے کے یاد ہیں وہ تو یاد ہیں اب نئے یاد نہیں ہوتے اور بقول اطباء یبس کی خاصیت بھی یہی ہے کہ پہلا نقش تو مٹتا نہیں اور نیا مشکل سے ہوتا ہے چنانچہ پتھر کی بھی جس میں یبس ہے- یہی حالت ہوتی ہے- یہی حال حافظہ کا ہوتا ہے کہ جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے یبس غالب ہوتا چلا جاتا ہے- اس لئے نئی باتیں تو مشکل سے یاد ہوتی ہیں لیکن جو باتیں پہلے سے یاد ہیں وہ نہیں بھولتیں-

(ملفوظ ۱۱۰) تنعم کی عادت اچھی نہیں

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ تنعم تو برا نہیں معلوم ہوتا مگر تنعم کی عادت اچھی نہیں معلوم ہوتی اور عادت کے بعد پھر تنعم کا غلبہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا بس کبھی کبھی ہو جب ہی تنعم اچھا بھی معلوم ہوتا ہے ورنہ بقول مولانا شاہ فضل الرحمن رحمتہ اللہ علیہ کے پرانی جورواماں ہو جاتی ہے- کسی ذاکر شاغل نے شکایت کی تھی کہ جیسا لطف ذکر شغل میں پہلے آتا تھا اب نہیں آتا- اس پر یہ فرمایا تھا کیونکہ واقعی ابتداء میں جیسا جوش ہوتا ہے بعد کو نہیں رہتا جیسے ہنڈیا جب تک کچی رہتی ہے کھد کھد کرتی ہے جب پختہ ہو گئی بس سکون ہو جاتا ہے مگر دونوں رنگ محبت ہی کے ہیں- ایک شوق کہلاتا ہے- ایک انس شوق میں شورش ہوتی ہے اور آہ و نالہ اور انس میں ظاہر میں تو سکوت ہوتا ہے لیکن اندر ایک قسم کی آگ لگی ہوتی ہے بس وہ حالت ہوتی ہے جیسے نواب مصطفی خان صاحب شیفتہ فرماتے ہیں ؎

تو اے افسردہ جاں زاہد یکے دربزم رندان شو
کہ بینی خندہ برلبہا وآتش پارہ دردلہا

(جامع کہتا ہے انہی کا ایک اردو کا بھی شعر ہے جو اسی حالت پر صادق

آتا ہے)۔

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی

مولانا فضل الرحمٰن صاحب تھے تو ایک گونہ مجذوب مگر بڑے کام کی باتیں فرمایا کرتے تھے۔ انہی کا ایک اور قول یاد آیا جس کی قدر مجھے اب بہت دن کے تجربہ کے بعد ہوئی۔ مولوی محمد علی صاحب جو مولانا کے خلیفہ تھے ان سے فرمایا کہ دیکھو میاں محمد علی کسی کو اپنے ساتھ مت لایا کرو۔ سو واقعی یہ بڑے کام کی بات فرمائی کیونکہ مجھے بھی اس کا تجربہ ہوا کہ ایسی صورت میں ساتھ لائے ہوئے شخص کیساتھ معاملہ مقید ہو کر کرنا پڑتا ہے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو اور یہ شکایت پیدا نہ ہو کہ میرے ساتھی کے ساتھ تو اور معاملہ کیا گیا اور میرے ساتھ اور معاملہ اس لئے بہ مجبوری دونوں کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا پڑتا ہے جس سے تنگی ہوتی ہے اور آنے والوں کو بھی نفع نہیں ہوتا کیونکہ اس صورت میں اس کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کیا جا سکتا جو اس کے حال کے مناسب ہے۔ مولانا کا ایک یہ معمول بھی بہت اچھا تھا کہ اگر کوئی چلتے وقت نذر پیش کرتا تو قبول نہیں فرماتے تھے یہ کہہ کر واپس فرما دیتے تھے کہ کیا ہمیں بھٹیارہ سمجھا ہے جو چلتے وقت کھانے کا حساب لگا کر دام دے رہے ہو۔ اگر کسی کو ہمیں کچھ دینا ہو تو آتے ہی پیش کر دے رخصت کے وقت نہ دے ورنہ اس صورت میں تو یہی ایہام ہوتا ہے کہ جو کچھ قیام کے زمانہ میں کھایا ہے اس کا حساب لگا کر دے رہے ہیں اھ

دیکھئے کیسی گہری بات فرمائی۔ میں نے تو ہدیہ میں تجربوں کے بعد اور بھی ضروری شرطیں لگا رکھی ہیں جو اوروں سے منقول نہیں اگر اس کو اختلاف سمجھا جاوے تو مجھے تو بعض مسائل فن میں اہل فن سے بھی اختلاف ہے اور یہ اختلاف مضر نہیں نہ یہ بزرگوں کے ساتھ معارضہ ہے کیونکہ اختلاف امزجہ اور اختلاف ازمنہ سے بعض احکام معالجہ میں بھی تفاوت ہو جانا لازمی ہے ورنہ جو

طبیب اس کا لحاظ نہ کرے وہ طبیب ہی نہیں اس لئے طبیب کا مجتہد ہونا ضروری ہے جو طبیب مجتہد نہ ہو اس کو علاج کرنا جائز نہیں- اسی طرح جو شیخ مجتہد نہ ہو اس کو دوسروں کی اصلاح و تربیت کا کام اپنے ذمہ لینا جائز نہیں- اسی اصول کی بناء پر ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مثلاً ضیاء القلوب میں صاف طور سے تحریر فرما دیا ہے کہ شیوخ محققین از مراقبہ توحید (افعالی) منع فرمودند-

اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر شخص اس مراقبہ کا اہل نہیں- بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس مراقبہ کے آثار کا تحمل کر سکیں- چنانچہ بہت سے اس کی بدولت گمراہ ہو چکے ہیں اسی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ تصوف اگر اصول کے موافق حاصل کیا جائے تو ایمان کا پھاٹک ہے ورنہ پھر کفر کا پھاٹک ہے- فلاں شہر والوں نے تو ناس ہی کیا ہے عوام کا- محض نقال ہیں اور شوق ہے فصوص پڑھانے کا-
ع انچہ مردم می کند بوزینہ ہم- مولانا فرماتے ہیں ؎

ظالم آں قومیکہ چشماں دوختند ۔۔۔ از سخنہا عالمے راسو ختند
حرف درویشاں بدزود مرد دون ۔۔۔ تا بہ پیش جاہلان خواند فسون

(ملفوظ ۱۱۱) عوام میں ذلت کی بناء پر گنجائشوں پر عمل جائز نہیں

ایک صاحب علم نے سفر حج میں خلاف قانون تعداد مقررہ سے زیادہ گنیاں اپنے ساتھ لے لیں- اس پر جہاز میں ان کی تلاشی لی گئی اور وہ گنیاں ضبط کر لی گئیں اور جرمانہ جو کیا گیا وہ مزید برآں تھا۔ اس سے ان کی سب کے سامنے بہت ذلت ہوئی۔ اس کا تذکرہ سن کر افسوس فرمایا اور فرمایا کہ عوام اس کو تو دیکھتے نہیں کہ کسی خاص صورت میں کوئی ایسا فعل جو عام طور سے نا جائز سمجھا جاتا ہو وہ جائز بھی ہوتا ہے۔ مثلاً اسی واقعہ میں گو شرعاً گنجائش ہے لیکن عوام پر

تو اس کا یہی اثر ہوا ہو گا کہ دیکھئے مولوی لوگ بھی دھوکہ دیتے ہیں اس لئے ایسی گنجائشوں پر عمل کرنا مناسب نہیں۔ حدیث میں بھی کسی ایسے فعل کے کرنے کی ممانعت ہے جس سے ذلت ہو چنانچہ ارشاد ہے کہ

لاینبغی للمومن ان یذل نفسہ

یعنی مومن کے لئے یہ شایان نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ نیز ایسی گنجائشوں پر عمل کرنے سے نفس کو عادت پڑ جاتی ہے۔ پھر ناجائز موقعوں پر بھی احتیاط نہیں کرتا۔

(ملفوظ ۱۱۲) مختلف زمانوں کے متعلق عجیب رائے

مختلف زبانوں کی خصوصیات کا ذکر تھا جس کے آخر میں بطور خلاصہ کے فرمایا کہ عربی شیریں ہے فارسی نمکین۔ اردو پھیکی اور بہت سی زبانیں کڑوی ہیں۔ پھر فرمایا کہ فارسی کے متعلق تو میں یہ لطیفہ کہا کرتا ہوں کہ یہ آتش پرستوں کی زبان ہے اس لئے اس میں بھی اثر وہی آتش کا سا ہے بہت ہی شورش اور سوزش اور جوش الفاظ میں ہے بس زبان کیا ہے آگ ہے۔ اور عربی کی برابر تو کسی زبان میں وسعت ہی نہیں۔ ایک ایک چیز کے سو سو دو دو سو نام ہیں۔

(ملفوظ ۱۱۳) استقلال میں اللہ نے بڑی برکت رکھی ہے

ایک خادم خاص کے صاحبزادہ نے بہت سی صورتیں کسب معاش کی تجویز کیں بالآخر بمشورہ اپنے والد صاحب کے اپنا پرانا شغل ہی یعنی ہومیو پیتھک کا مطب توکل بخدا شروع کر دیا۔ اس پر فرمایا کہ جو کام ہو استقلال کے ساتھ ہو۔ استقلال میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت رکھی ہے۔ پھر جو کچھ مقدر میں ہوتا ہے وہ اسی طرح جمے رہنے سے مل جاتا ہے۔ پھر اپنے اور اپنے بھائی صاحب اور اپنے والد صاحب کے واقعات خاصہ بیان فرمائے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے غیب سے رفتہ رفتہ بہت زیادہ وسعت رزق نصیب فرمائی۔ اسی ضمن میں یہ بھی

فرمایا کہ اسباب جو ہیں وہ گویا زنبیلیں ہیں جیسے کوئی کریم داد و دہش کرتے وقت یہ اعلان کر دے کہ سب اپنی اپنی زنبیلیں لیکر آجائیں چنانچہ سب زنبیلیں لیکر پہنچے اور اس کریم نے سب کی زنبیلیں بھی اپنے پاس ہی سے خود تقسیم کر دیں۔ پس یہ اسباب زنبیلیں ہیں اور بعض جو تارک اسباب ہیں ان کو اللہ تعالیٰ زنبیلیں بھی عطا فرما دیتے ہیں بلکہ وہ جو زنبیلیں لائے تھے وہ بھی اس تقسیم سے پہلے ان ہی کی عطا کی ہوئی تھیں غرض وہی مسبب الاسباب ہیں اور وہی معطی بلا اسباب بھی ہیں۔

نیاور دم از خانہ چیزے نخست

تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

یہ تو مال کا قصہ ہے رہی جاہ سو اس کا بھی یہی حال ہے۔ بہت لوگ ادنیٰ طبقہ سے ترقی کر کے بادشاہ ہو گئے چنانچہ اسی زمانہ میں سنا ہے کہ بعضے موجود بادشاہوں میں کوئی تو ابتداء میں سائیس تھا کوئی معمولی سپاہی تھا بلکہ بچہ سقہ بھی کچھ دن کے لئے بادشاہ ہو گیا تھا پھر فرمایا کہ یوں تو ہر چیز مشیت ہی سے ہے لیکن رزق کا تو مشیت سے تعلق بالکل ہی نمایاں اور کھلا ہوا ہے۔ چنانچہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ نالائقوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے لاکھوں بلکہ کروڑوں کا آدمی بنا دیا۔

بناداں آنچناں روزی رساند

کہ داناں اندراں حیراں بماند

پھر مثنوی شریف کا وہ قصہ نقل فرمایا جس میں ایک احمق نے جو سینکڑوں اونٹوں کا مالک تھا غلہ لادتے وقت وزن برابر کرنے کے لئے اونٹ کی دوسری طرف ریت لاد دی تھی جس پر ایک راہرو عاقل نے اس کو یہ مشورہ دیا تھا کہ بجائے ریت بڑھانے کے خود غلہ ہی کو کیوں نہ دو برابر حصوں میں منقسم کر لیا جائے۔ پھر اس عاقلانہ مشورہ پر عمل کرنے کے بعد اور اس کے صلہ میں اس کو اپنے اونٹ پر سوار کرنے کے بعد جب استفسار پر یہ معلوم ہوا کہ اس عاقل کے پاس اونٹ تو اونٹ کوئی گدھا بھی نہیں اور سخت افلاس میں مبتلا ہے تو

اس جاہل نے اس عاقل کو جس کو اس نے اس مشورہ سے خوش ہو کر اپنے اونٹ پر بٹھا لیا تھا یہ کہہ کر کہ تیری عقل منحوس ہے تو بھی منحوس ہے اور تیرا مشورہ بھی منحوس ہے اپنے اونٹ پر سے اتار دیا اور پھر بدستور سابق ایک طرف غلہ ایک طرف ریت لاد لی۔ اھ پھر فرمایا کہ کسی ایسے ہی مناسب موقع پر مولانا فرماتے ہیں۔

آز مودم عقل دور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

اور ایک مقام پر حسب معمول سلسلہ بہ سلسلہ چل کر اس مضمون پر آتے ہیں کہ اولیاء اللہ کو بوجہ قلت تجربات و عدم التفات الی غیر اللہ جو لوگ غیر عاقل سمجھتے ہیں یہ ان کا خیال غلط ہے ان میں تو اتنی عقل ہے کہ وہ اس عقل میں بالکل مست ہیں جس کی وجہ سے وہ دوسروں کو مجنوں معلوم ہوتے ہیں اس مضمون کو مولانا نے ان اشعار میں بیان فرمایا ہے اور کیسے اچھے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔

مست عقل ست آں تو مجنونش مخواں
اوگل سرخ ست تو خونش مخواں
اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد
مرعس رادید و درخانہ نشد
ما اگر قلاش وگر دیوانہ ایم
مست آن ساقی وآں پیمانہ ایم

(ملفوظ ۱۱۴) حضرت ملا محمود کی سادگی

اپنے استاد ملا محمود صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی سادگی اور بھولے پن کا ذکر فرما کر فرمایا کہ میں نے بعد انتقال ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا۔ کہا مجھے بخش دیا میں چونکہ طالب علم تھا میں

نے خواب میں بھی طالب علمانہ سوال کیا کہ کیوں بخش دیا۔ فرمایا کہ یہ کہہ کر بخشا کہ ایک روز تمہارے سامنے کھچڑی آئی تو اس میں نمک ٹھیک نہ تھا (میں بھولتا ہوں کہ تیز تھا یا پھیکا تھا بہر حال ٹھیک نہ تھا) تم نے اس پر گھر والوں سے کچھ تکرار نہ کی۔ نہ کوئی عیب نکالا اس کو چپکے چپکے کھا لیا بس اس بات پر تم کو آج بخشا جاتا ہے اھ لیجئے حضرت نہ ہدایہ اور جلالین وغیرہ پڑھانے کا کچھ ذکر آیا نہ اور کمالات کا بخشش ہوئی تو اس بات پر کہ تم نے کھچڑی کی قدر کی اور اس کو ہماری نعمت سمجھ کر کھایا اس میں عیب نہیں نکالا بس وہاں اس کی قدر ہوئی اور یہ وہ چیز ہے کہ جہاں اور حضور کے اخلاق کا ذکر ہے وہاں حضور کا یہ خلق بھی مذکور ہے کہ اگر حضور کے دستر خوان پر کوئی ایسی کھانے کی چیز آتی جو حضور کی پسند خاطر نہ ہوتی تو آپ اس کو چھوڑ دیتے لیکن اس کی برائی کچھ نہ فرماتے حضور ہم کو سبق دے گئے کہ اگر کسی کھانے کی چیز کی رغبت نہ ہو تو اپنی ناپسندیدگی ظاہر نہ کر وہاں اس کا اختیار ہے کہ اس کو کھاؤ یا نہیں۔ سبحان اللہ یہ اسلام کا کیسا اعتدال ہے کہ مجبور بھی نہیں کیا کہ باوجود ناپسند ہونے کے پھر بھی ضرور کھاؤ۔ اور اس کی بھی اجازت نہیں دی کہ اس چیز کو برا کہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہے حدیث میں ہے۔

ان اشتهاه اكله وان لم يشتهه تركه

سبحان اللہ ہمارے بھی کیا حضور ہیں کہ ہر تعلیم نہایت معتدل ہے جس میں ہمارے جذبات کی بھی پوری رعایت ہے اور حقیقت کی بھی۔

(ملفوظ ۱۱۵) تاریخ ہرگز حجت نہیں

ایک فاضل مفسر نے کسی آیت کی تفسیر کے متعلق یہ اشکال لکھ کر بھیجا کہ ان واقعات کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا اس پر حضرت اقدس نے علاوہ دیگر علمی تحقیقات کے یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر اس شبہ کو وقعت دی جاوے تو قرآنی خوارق کا سب کا انکار کرنا پڑے گا کس کس کو تاریخ سے ثابت کیا جائے گا اھ پھر

زبانی فرمایا کہ تاریخ بھی کوئی حجت ہے تاریخ کا اعتبار ہی کیا۔ اگر کوئی تاریخ کو دلیل صحیح کے مقابلہ میں پیش کرے گا تو ہم اس سے کہیں گے کہ اس کی کیا دلیل کہ یہ تاریخ صحیح ہے۔

(ملفوظ ۱۱۶) مولانا احمد حسن مرحوم کی حضرت گنگوہیؒ سے عقیدت

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب کانپوری رحمتہ اللہ علیہ باوجود بعض مسائل میں اختلاف ہونے کے حضرت مولانا گنگوہی کے بہت معتقد تھے اور مجھ سے بھی بہت محبت فرماتے تھے کیونکہ وہ حضرت حاجی صاحب کے عاشق تھے اور حضرت ہی سے تعریفیں سن کر اور برتاؤ دیکھ کر مولانا سے بھی عقیدت تھی اور مجھ سے بھی محبت تھی۔

(ملفوظ ۱۱۷) طبیب جسمانی سے حسن سلوک کی نصیحت

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ طبیب جسمانی کے ساتھ بھی ویسا ہی برتاؤ چاہئے جیسا طبیب روحانی کے ساتھ کہ اس کی صرف اطاعت کرنی چاہئے کاوش نہیں کرنی چاہئے کسی قسم کی بھی البتہ اس کو چھوڑ دینا تو جائز ہے لیکن گستاخی جائز نہیں اگر ضرورت سمجھے چھوڑ دے چھوڑ دینے میں کچھ حرج نہیں۔ جیسا طبیب کا چھوڑ دینا جائز ہے۔

(ملفوظ ۱۱۸) سیادات اصطلاحیہ کا شرف صرف بنی فاطمہ کو ہے

ایک سلسلہ میں فرمایا کہ بعضے علوی جو کہ بنی فاطمہ نہیں وہ بھی اپنے کو سید لکھتے ہیں یہ جائز نہیں کیونکہ سیادت اصطلاحیہ کا شرف تو صرف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو حاصل ہے جو بواسطہ حضرت فاطمہ رضی اللہ

عنہا ہی کے ان کو پہنچا ہے حضرت علی کرم اللہ کی جو اولاد دوسرے بطون سے ہے وہ سب شیوخ میں شمار ہو گی جیسے اور حضرات خلفاء راشدین کی اولاد شیخ کہلاتی ہے۔

(ملفوظ ۱۱۹) سلام کے وقت جھکنا ناجائز ہے

ایک صاحب نے ادب مفرط کی بناء پر جھک کر بات کرنی چاہی تھی اس پر تنبیہ فرمائی کہ اسی طرح تو شرک و بدعت تک نوبت پہنچ گئی ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ حضور نے سلام کے وقت بھی تو انحناء یعنی جھکنے کو ناجائز فرمایا ہے۔ پھر فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ دین اپنی اصلی حالت پر آجائے مگر اکیلے میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ جو لوگ متبع سنت ہیں اور اپنی ہی جماعت کے ہیں ان کے یہاں بھی بس یہی دو چار چیزیں تو بدعت ہیں جیسے مولد کا قیام۔ عرس۔ تیجا۔ دسواں۔ اس کے علاوہ جو اور چیزیں بدعت کی ہیں انہیں وہ بھی بدعت نہیں سمجھتے چاہے وہ بدعت ہونے میں ان سے بھی اشد ہوں مثلاً بیعت ہی کو دیکھئے جس ہیئت اور جس عقیدہ سے آج کل لوگ اس کو ضروری سمجھتے ہیں وہ بالکل بدعت اور غلط عقیدہ ہے لیکن کسی سے کہیں تو اپنی ہی جماعت کے لوگ مخالفت پر آمادہ ہو جائیں ایسی ہی ایک دوسری غلطی ہے کہ ذکر کو اصلاح کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے اس پر اپنی ہی جماعت کے ایک صاحب اجازت بزرگ سے دو گھنٹہ میری بحث رہی وہ یہی کہتے رہے کہ صرف ذکر کافی ہے اصلاح کے لئے دیکھئے یہ اپنی جماعت کے لوگ ہیں انہیں کو اس مسئلہ میں اختلاف تھا وہ اصلاح کے لئے صرف ذکر ہی کو کافی سمجھتے تھے حالانکہ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ محض ذکر سے اصلاح تو کیا ہوتی بعضوں کا نفس اور بگڑ جاتا ہے کیونکہ یہ شخص پھر اپنے آپ کو بزرگ بھی سمجھنے لگتا ہے اور کبھی اس کو اپنی اصلاح نفس کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ نفس کی اصلاح تو ایک مستقل چیز ہے جو مخالفت نفس ہی سے ہو سکتی ہے۔

تقویم الاودفی تعلیم اود

بعد الحمد والصلوۃ- یہ ایک سفر نامہ ہے حضرت اقدس حکیم الامۃ مجدد الملۃ مولانا و مقتدانا واقف اسرار خفی و جلی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقاۂ الاعلیٰ کا جس میں اس سفر کے بعض خاص واقعات و ملفوظات مذکور ہیں جو بتاریخ یکم شعبان ۱۳۶۰ ہجری بضرورت معالجہ بعض امراض حضرت ممدوح کو لکھنو کی طرف جو اودھ کا مرکزی مقام ہے پیش آیا- چونکہ وہاں بھی باوجود علالت و ضعف شدید کافی وقت طالبین کو دیا جاتا تھا جس میں حسب معمول روزمرہ تعلیمات دینیہ کا اتفاق رہتا تھا- خاص ایسے ملفوظات کو جو اس مقام پر صادر ہوئے بمناسبت خصوصیت مقام ملقب بہ لقب خاص کر دیا گیا جو پیشانی پر مرقوم ہے- اب بنام خدا ان کا سلسلہ شروع کرتا ہوں- لیکن یہ عرض کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت اقدس کے ملفوظات کا مکمل طور پر ضبط کرنا بالخصوص مجھ جیسے بے علم و بے مایہ اور ناکارہ وآوارہ کیلئے ازبس دشوار ہے کیونکہ ہر پاس رہنے والا جانتا ہے کہ حضرت اقدس کا شاید ہی کوئی قول اور فعل ایسا ہوتا ہو جس میں کوئی نہ کوئی علمی یا عملی فائدہ نہ ہوتا ہو اور کوئی نہ کوئی دینی یا تمدنی تعلیم نہ ہوتی ہو یا کم از کم کوئی دلچسپ نکتہ یا لطیفہ نہ ہوتا ہو اور کسی نہ کسی حیثیت خاص سے وہ لکھنے کے قابل نہ ہوتا ہو اور لکھنے والا یہ کہہ کہہ کر دم بخود نہ رہ جاتا ہو-

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار
گلچیں بہار توز داماں گلہ دارد

بالخصوص اس حالت میں کہ ایک ایک نشست میں اتنی اتنی تقریر ہوتی ہے کہ اس کے ضبط کرنے کے لئے ہفتوں درکار ہوتے ہیں اور پھر بھی وہ بالکل ناتمام طور پر ضبط ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں روانی اس قدر ہوتی ہے کہ زود نویس سے زود نویس بھی اس کو کما حقہ ضبط تحریر میں نہیں لا سکتا بالخصوص مضامین

علمیہ عالیہ کے ضبط کی تو یہ نااہل اہلیت ہی نہیں رکھتا- نیز بوجہ ضعف حافظہ و ضعف ہمت و ضیق وقت اس خدمت کے حق ادا کرنے سے اب یہ ناکارہ اور بھی قاصر ہو گیا ہے چنانچہ ڈیڑھ ہفتہ اسی حیص بیص میں گذر گیا کہ کیا کیا لکھوں اور کس طریق سے لکھوں حتیٰ کہ متعدد واقعات اور تاریخیں بھول بھی گیا ہوں- تاہم بنظر مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ جتنا کچھ بھی اور جیسا کچھ بھی ہدیہ شائقین کر سکتا ہوں تو کلاً علی اللہ پیش کرتا ہوں اور کوتاہیوں کی معافی چاہتا ہوں- آج ۱۱ شعبان سے تو ملفوظات و واقعات متعلقہ بقید تاریخ لکھنے کا حتی الامکان التزام کروں گا اور اس سے قبل کے متعلق یہ التزام صرف وہیں ہو سکے گا جہاں تاریخیں یاد آسکیں گی ورنہ مجبوری ہو گی اس کی وجہ قریب ہی اوپر عرض کر دی گئی ہے کہ تاریخیں محفوظ نہیں رہیں-

احقر عزیز الحسن عفی عنہ لکھنو پنجشنبہ ۱۱ شعبان ۱۳۶۰ھ

مطابق ۴ ستمبر ۱۹۴۱

(ملفوظ ۱۲۰) تحقیق حالات مستفتی کے ذمہ ہے

کل ۷ شعبان ۱۳۶۰ ھجری یوم یکشنبہ مطابق ۳۱ اگست ۱۹۴۱ء شنبہ و یکشنبہ کی درمیانی شب کو مکرمی و مشفقی جناب بابو حفیظ اللہ صاحب عارف مرحوم مغفور سپرنٹنڈنٹ دفتر محکمہ جیل جو نہایت مخلص اور دیندار و صالح تھے- دفعتہ انتقال فرما گئے جس کا سب احباب کو بے انتہا قلق اور صدمہ ہوا- حضرت اقدس مدظلہم العالی کو بھی اس حادثہ جانکاہ کا خاص صدمہ ہوا اور فرمایا کہ وہ میرے محسن تھے- حضرت اقدس نے غایت شفقت و مراتب شناسی کی بناء پر مرحوم کو اپنا محسن کہہ کے یاد فرمایا کیونکہ وہ کبھی کبھی ہدیہ پیش کر دیا کرتے تھے- تھوڑی ہی دیر کے بعد احقر نے دعائے مغفرت کیلئے عرض کیا تو فرمایا کہ میرا دل دعا کر رہا ہے اور اب تک کئی مرتبہ دعا کر چکا ہوں- اس خبر انتقال کو سن کر سب سے

پہلے حضرت اقدس کا ذہن مبارک اس طرف منتقل ہوا کہ جو رقم مرحوم نے ایک کتاب کی طباعت کے لئے جس کو چند احباب کی طرف سے مشترکہ طور پر چھپوایا جا رہا ہے دی تھی وہ چونکہ ابھی صرف میں نہیں آئی ہے مرحوم کے وارثوں کے ملک ہو گئی- لہذا اس کو واپس کر کے مرحوم کے وارثوں میں حصص شرعی کے مطابق تقسیم کر دیا جائے- اس امر کو حضرت اقدس نے اتنا اہم سمجھا کہ ورثا کی سرسری تحقیق کر کے فوراً کاغذ کی ایک چٹ لے کر حصص شرعی نکال دیئے اور وصل صاحب کو جن کے زیراہتمام یہ کتاب چھپوائی جا رہی ہے دیکر فرمایا کہ ورثا کی مزید تحقیق پر اگر کچھ فرق نکلے تو تصحیح کیلئے یہ پرچہ پھر مجھے دیدیا جائے-

حضرت اقدس نے عملاً یہ دکھا دیا کہ کسی کے مرنے پر سب سے مقدم ایسے ہی امور ہوتے ہیں جن کو عموماً نہ صرف موخر بلکہ نظرانداز کر دیا جاتا ہے-

آج تحقیق کے بعد ورثا کی تعداد کچھ مختلف نکلی- اس پر حضرت اقدس نے پھر فوراً مکرر حصہ کشی کر کے پرچہ وصل صاحب کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ جو نابالغ لڑکی ہے اس کا حصہ اس کی ماں کے حوالے کیا جا سکتا ہے- بشر طیکہ اس پر یہ اطمینان ہو کہ وہ اس رقم کو اس لڑکی ہی کے صرف میں لاویں گی- اس پر وصل صاحب نے عرض کیا کہ میں اس کے متعلق تحقیق کر کے پھر عرض کروں گا- فرمایا کہ مجھ کو اب اطلاع کرنے کی کیا ضرورت ہے- جیسی تحقیق حالات ہو اس کے مطابق عمل کر لیا جائے اور عمل کا طریق میں بتا ہی چکا ہوں- تحقیق حالات کی اطلاع مجھے کی بھی گئی تو اس سے کیا فائدہ ہو گا- کیونکہ ان حالات کی تصدیق تو میں کرنے سے رہا اھ

احقر جامع عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدس کا یہ معمول ہے کہ ایسے امور کی ذمہ داری خود نہیں لیتے بلکہ فرمایا کرتے ہیں کہ تحقیق حالات مستفتی کے ذمہ ہے اور وہی ان حالات کے صدق کا ذمہ دار ہے- اسی سلسلہ میں استفسار

پر فرمایا کہ اس صورت میں اصل میں تو نابالغ لڑکی کا ولی مقدم اس کا بڑا بھائی ہے چنانچہ بھائی کے ہوتے ہوئے ماں نکاح نہیں کر سکتی لیکن ولایت کی دو قسمیں ہیں ولایت تصرف فی النفس اور ولایت حفظ مال۔ بعض امور میں ولایت تصرف تو بڑے بھائی ہی کو حاصل ہے لیکن چونکہ وہ لڑکی ماں کی حفاظت میں ہے اس لئے یہ رقم بشرط اطمینان اس کے بھی حوالہ کی جا سکتی ہے۔ فقہا نے ولایت کے بارہ میں یہ کیسی اچھی تفصیل کی ہے جس سے ان کی دقت نظر کا پتہ چلتا ہے۔ حضرت اقدس نے اس امر کی تاکید فرما دی تھی کہ ورثاء بالغین کو جدا جدا ان کے حصہ کی رقم حوالہ کی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا حالانکہ ان میں سے جو لکھنو میں موجود ہیں اور بالغ ہیں۔ انہوں نے اس کی زبانی اجازت دے دی تھی کہ جس مد میں وہ رقم مرحوم نے دی تھی اسی میں اب ان کی طرف سے صرف کر دی جائے لیکن حضرت اقدس نے فرمایا کہ یہ رضا میرے نزدیک معتبر نہیں۔

پہلے رقم ان کے قبضہ میں پہنچا دی جائے اور جب اس پر ان کو پورا اختیار حاصل ہو جاوے اگر اس وقت بھی ان کی یہی رائے ہو تو پھر لیکر اسی مد میں صرف کر دینے کا مضائقہ نہیں اور جب وہ کتاب اس رقم سے طبع ہو جائے اس وقت بھی ان کے حصہ کی کتابیں ہر ایک کو جدا جدا حوالہ کر دی جائیں تاکہ وہ آزادی سے یا تو ان کو اپنے صرف میں لے آئیں یا جیسا کہ مرحوم نے تجویز کیا تھا ان کی اجازت سے ہم لوگ مستحقین کو دیدیں۔ اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ بہنیں عموماً آج کل اپنے حصہ میراث سے دست بردار ہو کر بھائیوں کو دے دیتی ہیں۔ میں یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ پہلے بہنوں کو سال دو سال بلکہ اس سے زیادہ عرصہ تک اپنے حصہ کی جائیداد سے منتفع ہونے کا موقع دیا جائے اور پھر بھی باوجود اتنے دن لطف اٹھا لینے کے ان کی یہی رائے ہو کہ اپنے بھائیوں کو ہبہ کر دیں اس وقت ان کی رضا معتبر سمجھی جائے۔

نیز مرحوم نے کچھ رقم بمد دعائے ختم خواجگان بھی جو تھانہ بھون میں ہوا کرتی ہے داخل کی تھی اس کے متعلق بھی حضرت اقدس نے فوراً تھانہ بھون

لکھ بھیجا کہ بقیہ رقم واپس کی جائے کیونکہ جس دن مرحوم کے انتقال کی خبر وہاں پہنچے اس دن سے ان کی توکیل منسوخ ہو جائیگی اور بقیہ رقم ورثا کی ملک ہو جائیگی۔ اس کے متعلق حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ خبر انتقال پہنچنے سے پہلے وکیل جو تصرفات توکیل کی بناء پر کر چکا ہو وہ شریعت نے جائز قرار دے دیئے ہیں اور یہ سراسر عدل ہے ورنہ بیچارے وکیل پر بلا قصور خواہ مخواہ کا جرمانہ ہو جاتا۔ شریعت کا یہ قانون عدل پر مبنی ہے۔

پنجشنبہ ۱۱ شعبان ۱۳۶۰ ھ مطابق ۴ ستمبر ۱۹۴۱ء مجلس صبح

(ملفوظ ۱۲۱) حضرات علماء فرنگی محل سے ملاقات

بعض حضرات فرنگی محل عیادت کیلئے تشریف لائے۔ خلاف معمول خصوصیت کیساتھ باوجود انتہائی ضعف کے حضرت اقدس نے چارپائی پر سے اٹھ کر اول کھڑے ہو کر مصافحہ کیا پھر یہ فرماکر فرش پر بیٹھ گئے کہ اب یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں چارپائی پر بیٹھا رہوں خواہ آپ کتنا ہی اصرار فرمائیں۔ وہ حضرات قالین چھوڑ کر بیٹھنے لگے تو باصرار ان کو اپنے قریب قالین پر بٹھلایا۔ ان حضرات نے گاؤ تکیہ لگا لینے پر اصرر کیا تو فرمایا کہ منجملہ اور امراض کے میرے اندر خودرائی کا مرض بھی ہے۔ اس معاملہ میں باوجود آپ کے حکم کے مجھے اپنی رائے ہی پر عمل کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی جائے۔ انہوں نے مکرر عرض کیا کہ حضرت کو اس حالت ضعف و علالت میں تکلیف سے بچانے کی غرض سے یہ عرض کیا گیا۔ فرمایا کہ بعض امور میں اس تکلیف سے بھی زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ حضرات فرنگی محل میں سے ایک صاحب کو کوئی خاص تکلیف عارض ہو گئی تھی اس لئے انہوں نے عدم حاضری کی معذرت ان حضرات کے واسطہ سے کہلا کر بھیجی تو فرمایا کہ ابھی حضرت میں تو اگر اس قابل ہوتا تو ان کی خدمت میں خود حاضر ہو جاتا اور اب بھی جب اس قابل ہو جاؤں گا انشاء اللہ خود حاضر ہوں گا۔

وہ اس حالت عذر میں تکلیف نہ فرمائیں۔

سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سچ عرض کرتا ہوں کہ میرے پاس نہ علم ہے نہ عمل ہے نہ حال ہے البتہ بزرگوں کی برکت سے اپنے جہل کا تو علم ہے گو معلومات کا علم نہیں اور میں اسی کو بڑی دولت سمجھتا ہوں۔ اس پر ان حضرات نے کہا کہ بڑا علم تو یہی ہے۔ پھر تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد حضرت اقدس مدظلہم العالی نے ایک خاص پر شوق اور پر کیف اور اپنے مخصوص عجز و نیاز کے لہجہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری سب آرزوئیں دینی اور دنیوی محض اپنے فضل و کرم سے پوری فرمادی ہیں۔ بس اب ایک مرحلہ حسن خاتمہ کا باقی رہ گیا ہے اور یہ مرحلہ سب سے زیادہ اشد اور اہم ہے اس کے لئے دعا کا خواستگار ہوں بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ چاہے کٹ پٹ کر ہی ہو لیکن نجات ہو جائے باقی رہے درجات وہ تو بڑے لوگوں کی چیزیں ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان حضرات نے عرض کیا کہ جی تو یہاں سے جانے کو نہیں چاہتا لیکن حضرت کو اس حالت ضعف و علالت میں زیادہ تکلیف بھی گوارا نہیں اس لئے بادل نخواستہ تخفیف تصدیع کرتے ہیں۔

ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت اقدس نے فرمایا کہ جو ہم مشرب ہیں ان کو تو خیر محبت ہے ہی اور ان کی محبت بھی بہت قابل قدر ہے لیکن اختلاف مشرب میں جو محبت کرے وہ زیادہ قابل قدر ہے۔ ان حضرات کی رعایتیں دیکھئے۔ خود تشریف لانا۔ پھر مختصر جلسہ کرنا تاکہ تکلیف نہ ہو اور پھر یہ محض تکلف سے نہیں بلکہ دل سے کیونکہ جو برتاؤ دل سے ہو وہ چھپا تھوڑا ہی رہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب اتنی رعایتیں ہیں تو آخر کیا دوسرے آدمی کو حس نہیں کہاں تک اثر نہ ہو اھ

ہاں یاد آیا دوران گفتگو میں حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ حضرات کی عنایات اور اخلاق کے حال تو میں اپنے احباب میں بیٹھ کر اکثر بیان کیا کرتا ہوں۔ رخصت کے وقت حضرت اقدس نے یہ بھی فرمایا کہ پلنگ پر سے

نیچے پاؤں لٹکا کر اٹھنا اور فرش پر بیٹھ جانا تو آسان تھا اب فرش پر سے اٹھنا بوجہ ضعف بہت دشوار ہے اس لئے معاف فرمایئے گا۔ نزول تو آسان تھا عروج مشکل ہے۔ اس پر ان صاحبوں میں سے ایک صاحب نے کہا کہ ہم لوگوں کو فیض پہنچانے کے لئے تو نزول ہی کی ضرورت ہے۔ فرمایا میں نے تو لغوی معنی میں نزول کا لفظ استعمال کیا تھا آپ نے اصطلاحی معنے میں استعمال فرمایا۔

یکشنبہ ۱۴ شعبان ۱۳۶۰ھ مطابق ۷ ستمبر ۱۹۴۱ء مجلس صبح

(ملفوظ ۱۲۲) اہل علم کو شبہ بد گمانی سے بھی بچنا چاہئے

آج شائقین زیارت کا بہت ہجوم تھا کیونکہ بوجہ تعطیل گردونواح کے شہروں سے مشتاقین جوق جوق حاضر ہو گئے تھے۔ چونکہ حضرت اقدس مد ظلہم العالی بوجہ علالت و ضعف وہیں سب زائرین کو بلا لیتے ہیں جہاں خود مقیم ہیں اور وہاں جگہ زیادہ وسیع نہیں ہے اس لئے حضرت نے یہ قید لگا رکھی ہے کہ آنیوالا تو ایسا ہو جس کو حضرت اقدس خود پہچانتے ہوں یا ایسا ہو جس کو وہ شخص پہچانتا ہو جس کو حضرت پہچانتے ہوں کیونکہ حضرت اقدس نے فرمایا کہ شناسا تو محدود ہیں اور ناشناسا غیر محدود ہیں اگر میں یہ قید نہ لگاؤں تو غیر محدود جگہ کہاں سے لاؤں۔ اسی قید کی بناء پر حضرت اقدس نے اپنے ایک خادم سے ارشاد فرمایا کہ آپ جن جن کو پہچانتے ہوں ان کو بلا لیجئے۔ نیز جن صاحبوں کو میں پہچانتا ہوں اگر ایسے حضرات کسی کو پہچانتے ہوں تو اس کو بھی اندر بلا لیجئے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا لیکن چونکہ مجمع پھر بھی زیادہ تھا اس لئے بہت سے لوگ بوجہ جگہ کی تنگی کے زمین پر اور زینے پر بیٹھ گئے حالانکہ کمرہ کے اندر جگہ کافی تھی۔ البتہ وہاں بیٹھنے میں حضرت کا قرب نہیں ہوتا تھا کیونکہ خود حضرت اقدس بوجہ صبح کا ٹھنڈا وقت ہونے کے صحن میں تشریف فرما تھے۔ صاحب مکان جناب مولوی محمد حسن صاحب نے اجازت چاہی کہ چٹائیاں بچھوا دی جائیں لیکن حضرت اقدس

نے اس بنا پر اجازت نہیں دی کہ راستہ رک جائیگا پھر ان صاحبوں سے جو زمین پر بیٹھے ہوئے تھے فرمایا کہ آپ صاحبوں کے زمین پر بیٹھنے سے مجھے شرمندگی ہوتی ہے چنانچہ وہ حضرات کمرہ کے اندر چلے گئے لیکن جو صاحبان زینہ پر بیٹھے ہوئے تھے وہ پھر بھی وہیں بیٹھے رہے۔ حضرت اقدس نے ان سے بھی فرمایا کہ زینہ کا رستہ رکتا ہے چھوڑ دینا چاہئے۔ اس پر وہ صاحبان بھی کمرہ کے اندر چلے گئے۔

ڈاک زیادہ تر حضرت اقدس خود ہی تحریر فرما چکے تھے صرف دو خط باقی تھے جب احقر خدمت میں حاضر ہوا فرمایا کہ ڈاک تو ختم ہو گئی لیکن آپ کا کیوں ناغہ ہو یہ جو دو خط باقی رہ گئے ہیں ان کے جواب حسب معمول آپ ہی کو بولے دیتا ہوں لکھ دیجئے۔ ناغہ کے متعلق حضرت اقدس اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ اس سے بہت بے برکتی ہوتی ہے اگر زیادہ نہ ہو سکے تو تھوڑا ہی کام کر لے اس سے مناسبت قائم رہتی ہے۔

ڈاک ختم ہونے کے بعد حضرت اقدس مدظلہم العالی سب سے اول ایک نوجوان عالم کی طرف متوجہ ہوئے جو پہلے ایک اور مدرسہ میں مدرس تھے اور اب فتح پور کے ایک مدرسہ دینیہ میں مدرس ہیں۔ ان کے والد ماجد بھی موجود تھے جن کو حضرت اقدس کیساتھ عرصہ دراز سے خاص عقیدت ہے اور اسی بنا پر ان کے صاحبزادہ کے ساتھ بھی حضرت اقدس کو خصوصی تعلق ہے اور تعلق تعلیم و تربیت مزید برآں ہے۔ بہت محبت اور شفقت کے لہجہ میں فرمایا کہ میاں فتح پور میں فتح بھی ہوئی؟ انہوں نے عرض کیا کہ جی حضرت ابھی تک تو کوئی خلاف بات پیش آئی نہیں۔ فرمایا دونوں جگہ میں کیا فرق محسوس ہوا۔ عرض کیا فتح پور کے طلبہ میں دین داری زیادہ دیکھنے میں آئی۔ اس پر حضرت اقدس نے بیساختہ فرمایا الحمدللہ پھر انہوں نے عرض کیا کہ وہاں کے ذمہ دار حضرات قواعد و ضوابط کی پابندی زیادہ کرتے ہیں۔ پھر حضرت اقدس نے ان سے اس نزاع کے متعلق پوچھا جو گیارہ دن کی تنخواہ کے بارے میں اس مدرسہ کے اراکین سے ہو

رہی ہے جس میں وہ اس سے پہلے ملازم تھے۔ اول حضرت اقدس نے اس نزاع کی تفصیل دریافت فرمائی معلوم ہوا کہ اس مدرسہ کے قواعد کی بنا پر اراکین کے نزدیک رقم متنازع فیہا کا استحقاق ان مولوی صاحب کو نہیں ہے۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ اول تو اس مدرسہ کے قواعد کے خلاف یہ رقم معلوم ہوتی ہے۔ دوسرے قطع نظر استحقاق و عدم استحقاق کے اہل علم کو کب زیبا ہے کہ وہ ایسے رکیک امور میں نزاع کریں۔ یہ کیسی ہلکی بات ہے کہ چند پیسوں یا روپیوں کے لئے اتنی نزاع اور اتنا اصرار کیا جائے اگر وہ لوگ ظلماً بھی آپ کا حق نہ دے رہے ہوں تب بھی میری یہی رائے ہے اور یہی مشورہ ہے کہ نزاع نہ کیا جاوے لیکن میں یہ مشورہ دیکر آپ کا حق تلف نہیں کرتا بلکہ آپ ان گیارہ دنوں کی تنخواہ مجھ سے لے لیں۔ میں نہایت خوشی سے دیدوں گا کیونکہ اس میں دین کی اور علمائے دین کی عزت ہے اور آپ کی مصلحت یہ ہو گی کہ ان لوگوں کی نظر میں آپ کی سبکی نہ ہو گی کہ اہل علم ہو کر ایسی چھوٹی چھوٹی رقوم کے لئے اتنی نزاع کرتے ہیں بس آج ہی کارڈ لکھ دیجئے کہ جو قانون کی رو سے میرا ہو مجھے بتا دیجئے اس سے زیادہ مجھے نہیں چاہئے پھر فرمایا کہ یہ تو گیارہ دن ہی کی تنخواہ کا معاملہ ہے اگر ایک لاکھ روپیہ بھی ہوتا تو اس کو بھی لات مارنا چاہئے تھا کیونکہ اس کے مقابلہ میں اپنی آبرو اور وضع کی حفاظت زیادہ ضروری ہے مجھ سے مشورہ تو کر لیتے آپ نے یہ ایسی بات کی ہے جس سے ان لوگوں کی نظر میں صاف آپ کا مقصود روپیہ کمانا معلوم ہوا ہو گا آپ ساری دنیا میں تقوی بگھارتے پھرتے ہیں مگر اس کا خیال آپ کو کچھ نہ ہوا کہ یہ دنیا طلبی ہے جو اہل علم کی شان کے بالکل منافی ہے۔ آپ اس سے دونی تنخواہ مجھ سے لے لیجئے لیکن اس قصہ کو ختم کیجئے۔ مجھے آپ کی اس بات سے بہت رنج ہوا ایسی حالت میں آپ سے کیا امید ہے کہ آپ علم کی وضع کو محفوظ رکھیں گے جب حب دنیا کا مادہ اور منشا آپ میں موجود ہے تو ہر جگہ اس کا ظہور ہو گا ؎

بئس المطاعم حين الذل تكسبها

فالقدر منتصب والقدر مخفوض

آپ نے قدر کی تو حفاظت کی اور اپنے قدر کی حفاظت نہ کی۔ اللہ کے بندوں نے تو دین کی حفاظت کے لئے اور دین کی عزت کے لئے سلطنتیں چھوڑ دی ہیں اور آپ سے گیارہ دن کی تنخواہ بھی نہیں چھوڑی گئی یہ دین کی عزت کے مقابلہ میں چیز ہی کیا ہے۔ ابی ہم نے مانا کہ ان کے ہاں کا قانون ظلم ہے بلکہ یہ بھی مان لیا جائے کہ وہ لوگ اظلم الظالمین ہیں تو یہ ان کے ذمہ ہے آپ کو ان سے ایسی رکیک چیز کے لئے نزاع کرنا شان علم کے خلاف ہے۔ بزرگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ مکان میں چور آئے اور ان کو خبر بھی ہو گئی لیکن وہ خود قصداً سوتے بن گئے تاکہ وہ اطمینان سے چوری کر لیں کیونکہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ بے چاروں کو احتیاج تھی جب ہی تو چوری کرنے آئے ہیں اگر آپ کی یہ حرکت فتح پور والوں کو معلوم ہو گئی تو فتح پور کی ساری فتح ہزیمت سے بدل جائے گی اب آپ فوراً سابق مدرسہ کے اراکین کو لکھ بھیجئے کہ میرا اب کچھ مطالبہ نہیں اور یہ ظاہر نہ کیجئے کہ اشرف علی کے کہنے سے میں نے ایسا کیا۔ میری طرف منسوب نہ کیجئے گا ورنہ اس کے یہ معنے ہوں گے کہ آپ مجبور ہو کر دست بردار ہوئے اور جو اثر ہونے والا ہے وہ نہ ہو گا۔ یہ باتیں تو ایسی ہیں کہ اہل علم میں طبعی ہونی چاہئیں۔ وہ پیسہ کے دن رہیں گے اور یہ بات ہمیشہ رہے گی کہ دیکھئے آج کل کے علماء ایسے رہ گئے ہیں اور اگر کسی لیڈر کو خبر ہو گئی تو وہ اس بات کو اچھالیں گے۔ کیونکہ وہ پہلے ہی سے علماء سے بدگمان ہیں۔ آپ اس بدگمانی کا منشا ان کے ہاتھ میں دے رہے ہیں۔ اور لیڈروں کی بھی تو حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔ آخر وہ بھی تو امت محمدیہ میں داخل ہیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار اعتکاف میں تھے کہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اجازت لیکر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئیں۔ حضور کی خدمت میں وہ تشریف رکھتی ہی تھیں کہ اتنے میں دو صحابی ادھر سے گذرے۔ آپ نے فوراً فرمایا علی رجلکما ذرا ٹھیرو پھر حضور نے حضرت صفیہ سے فرمایا کہ گھر میں جاؤ۔ جب وہ تشریف

لے گئیں تو ان صحابیوں سے فرمایا کہ یہ صفیہ تھیں۔ انہیں بڑا گراں گذرا کہ بھلا حضور پر بھی نعوذ باللہ کوئی شبہ ہو سکتا تھا حضرات صحابہ بڑے جان نثار تھے۔ ان کی تو ایسی کیفیت تھی کہ اگر اس سے زیادہ بھی دیکھ لیتے تو اپنی آنکھوں پر شبہ کرتے حضور پر ہرگز شبہ نہ کرتے۔ خود میرے سامنے نواب رامپور نے جو ایک آوارہ شخص تھا یہ کہا کہ میں قادیانی کا اتنا غیر معتقد ہوں کہ اگر وہ میرے قلعہ کو اٹھا کر اسٹیشن تک بھی پہنچا دے جب بھی میں یہی کہوں گا کہ وہ اہل باطل ہے اور اپنی آنکھوں کا بھی یقین نہ کروں بلکہ یہ سمجھوں کہ یہ غلط دیکھ رہی ہیں یہ تو سوءظن کے متعلق واقعہ ہے اور ایک حسن ظن کے متعلق بھی واقعہ ہے جو حیدر آباد کے نظام حال کا ہے۔ میں حیدر آباد گیا تو وہاں بھی احباب کے اصرار پر چند بار وعظ کہنے کا اتفاق ہوا۔ ان وعظوں میں میں نے بہت نرمی اور لطف سے جیسی کہ میری عادت ہے بدعات کا کچھ رد بھی کیا۔ یہ وہاں کے مشائخ کو ناگوار ہوا اور اس پر شور غل کیا یہاں تک کہ نظام حال کی خدمت میں ایک محضر نامہ پیش کیا جس میں لکھا کہ دو وعظوں میں اتنا اثر ہوا ہے اگر زیادہ وعظ ہوئے تو سارا شہر بگڑ جائے گا ان کی آمد کو قانوناً بند کیا جائے نظام نے دیکھ کر یہ کہا کہ اس کی رائے کی بھی کوئی وجہ ہو گی۔ تم ان کے پاس اعتراضات لکھ کر بھیجو اور وہ اعتراضات مع جوابات کے ہمیں دکھلاؤ اس وقت ہم فیصلہ کریں گے۔ لوگ سمجھ گئے کہ نواب صاحب خفا ہو گئے اور انہیں اپنی روٹیوں کی فکر پڑ گئی۔ لوگوں میں کہنے لگے کہ ہم نے تو لوگوں کے بھکانے سے لکھ دیا تھا ہم کو دھوکہ دیا گیا غلط روایتیں بیان کر کے ہم سے دستخط کرا لئے گئے غرض سب نے بہانے کر کر کے اپنی جان بچائی۔ نواب صاحب نے معترضین سے چلتے وقت یہ بھی کہہ دیا کہ ساری دنیا کی قومیں تو متفق ہو رہی ہیں اور مسلمان ہیں کہ آپس میں لڑ رہے ہیں اس سے بھی انہیں معلوم ہوا کہ نواب صاحب اس محضر نامہ سے خفا ہیں ان سے تو یہ کہا مگر نواب صاحب نے بطور خود مولوی عبدالرحمن صاحب سہارنپوری سے جن کے وہ بہت معتقد تھے بطور خود میرے متعلق تحقیق کی انہوں نے محبت سے جو کچھ میرے

متعلق ان کے خیالات تھے وہ ظاہر کر دئے پھر حافظ احمد صاحب سے بھی تحقیق کی۔ چھوڑا تھوڑا ہی۔ اچھی طرح تحقیق کی آخر بادشاہی کر رہے ہیں اگر اہل نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ سلطنت کیوں دیتے حافظ احمد صاحب نے کہا کہ جیسا میں دیسا وہ۔ اس سے اور مزید اطمینان ہو گیا۔ پھر اپنی تحقیقات کو ختم کر دیا اور پھر کسی کے کہنے سننے کا کچھ اثر نہ لیا حالانکہ میں نواب صاحب سے کبھی ملا بھی نہیں پھر اگر کسی نے کچھ کہنا چاہا تو کہہ دیا کہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے تحقیق کر چکا ہوں اور میں ان کو ایسا سچا سمجھتا ہوں کہ اگر میں انہیں اپنی آنکھوں سے بھی کوئی گناہ کبیرہ کرتا ہوا دیکھ لوں جب بھی انہیں سچا سمجھوں اور اپنی آنکھوں کو جھوٹا سمجھوں اور یوں کہوں

بَلْ سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ

میری آنکھوں کو جانے کیا ہو گیا جو ایسا دیکھ رہی ہیں کسی نے ان پر جادو کر دیا ہے نواب رام پور اور نظام حیدر آباد جیسے دنیا داروں کا تو یہ خیال ہے تو بھلا حضرات صحابہ کو حضور کی نسبت شبہ ہو سکتا تھا۔ غرض حضور کا یہ فرمانا ان پر بڑا گراں ہوا عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ پر بھی کوئی شبہ ہو سکتا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ شیطان انسان کے بدن کے اندر ایسا سرایت کر جاتا ہے جیسے خون۔ پھر فرمایا۔

خشیت ان یقذف فی قلوبکما شیئا

یعنی مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں شیطان تمہارے دل میں وسوسہ نہ ڈالے اس لئے میں نے اپنی براءت کی۔ معلوم ہوا کہ مواضع تہمت سے بھی بچنا ضروری ہے۔ چنانچہ یہ بھی ایک حدیث ہے اتقو مواضع التهم۔ گو بعض محدثین نے اس حدیث کی سند میں کلام کیا ہے لیکن خود یہ مضمون تو حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ مانا کہ ان لوگوں کا خیال غلط ہے لیکن آپ تو مہتم ہوئے اور مواضع تہمت سے بھی بچنے کی تاکید ابھی حدیث سے معلوم ہو چکی ہے۔ جب حدیث موجود قرآن موجود تو پھر اور کیا چاہئے کیا قرآن و حدیث یہود و نصاری

کے عمل کے لئے ہیں کیا حق واجب کو وصول کرنا تو ضروری ہے۔ مگر دینی مصلحت کا لحاظ کرنا ضروری نہیں۔ مولوی عبدالماجد صاحب روایت کرتے تھے کہ ایک لیڈر نے ان سے کہا کہ میرا ایمان تو قریب زوال کے ہو گیا تھا کیونکہ مولویوں کی طرف سے مجھے بہت بدگمانی ہو گئی تھی علماء کی حالت دیکھ کر میرا ایمان پر قائم رہنا مشکل تھا۔ اسلام پر جو میں قائم ہوں تو مولانا محمود حسن صاحب کو دیکھ کر۔ اگر ان کو نہ دیکھتا تو میرا ایمان زائل ہو جاتا تو علماء کو ایسی وضع سے رہنا چاہئے کہ ان کو دیکھ کر لوگوں کے ایمان تازہ ہوں بلکہ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ چاہے یہ حالت ریا ہی سے ہو۔ ریا سے خود اس عمل کا ثواب تو نہ ہو گا مگر اس کا ضرور ہو گا کہ یہ عمل سبب ہو گیا عزت دین کا۔ یہاں اہل علم کو یہ شبہ ہو گا کہ انما الاعمال بالنیات ارشاد ہے پھر بدوں قصد کے ثواب کیسے ہو گا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلانیت کے اعمال کا تو ثواب نہیں ہوتا لیکن غیر اختیاری خیر کا تو ہوتا ہے۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص کھیتی بووے یا کوئی درخت لگاوے اور اس میں سے کوئی انسان یا بہیمہ کھاوے تو اس کو اجر ملتا ہے دیکھئے یہاں نیت کہاں ہے بلکہ اس کے خلاف کی نیت اور کوشش ہے کہ کھانے والے کو روکتا ہے۔ کھلانے کی نیت تو کہاں اگر بہائم کو کھاتا ہوا دیکھ لے تو ڈنڈوں سے خبر لے تو دیکھئے جس انتفاع کا وہ مخالف ہے اور اپنے عمل سے اس پر دلالت بھی قائم کر رہا ہے کہ میری نیت اس کی نہیں ہے پھر بھی اجر ملتا ہے تو بلانیت اجر ملنا صرف سببیت سے بدوں مباشرت کے ثابت ہو گیا۔ غرض انما الاعمال بالنیات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال کی قید لگائی ہے تو اعمال اختیاریہ کا جن کا مباشر ہوتا ہے ثواب نیت پر موقوف ہے نہ کہ اس خیر کا جس کا یہ بلاقصد سبب بن گیا بہرحال اس تقریر سے جو کہ موید ہے حدیث سے یہ ثابت ہو گیا کہ جیسے مباشرت خیر کا ثواب ہوتا ہے سببیت خیر کا بھی ثواب ہوتا ہے باقی اگر یہ کہا جاوے کہ مباشرت ریا کا تو گناہ ہو گا تو میں کہتا ہوں اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ وہ ریا بھی

امید ہے کہ معاف ہو جائے گی۔ اب بتایئے کیا اشکال رہا مگر قرآن حدیث کو کوئی سمجھے بھی یہی تو دولت ہے جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک سائل کے جواب میں ظاہر فرمایا تھا۔ آپ کے متعلق بعض اہل فتنہ نے یہ مشہور کیا تھا جیسے جہلاء مدعیان تصوف نے مشہور کیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص اسرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بتادئے تھے اور وہ سینہ بہ سینہ اب تک چلے آرہے ہیں۔

شیعوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ حضرت علی کو ایسے اسرار معلوم تھے جو نہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو معلوم تھے نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو۔ سو اس کے متعلق خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا۔

هل خصكم رسول الله صلى الله عليه وسلم بشئى دون الناس۔

کیا آپ کو حضور نے کچھ خاص اسرار بتلائے ہیں جو اوروں کو نہیں معلوم۔ آپ نے فرمایا لا الافهماً اوتية الرجل في القرآن یعنی مجھے کوئی خاص اسرار نہیں معلوم بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن کا فہم عطا فرمادیا ہے۔

قرآن سے یہاں مراد دین ہے تو دین کا فہم خواص صحابہ کو اعلیٰ درجہ کا حاصل تھا۔ اس میں وہ حضرات سب سے ممتاز تھے ہم صحابہ کے غلام ہیں ہمیں بھی ان کا اتباع چاہیے۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق کہتے ہیں کہ هم رجال ونحن رجال۔ لیکن ہمارے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ ہے کہ جو امر حضرات صحابہ سے ثابت ہو اس کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کردو۔ تو صحابہ کی وہ شان ہے خصوص حنفیہ کے نزدیک کیونکہ ان کے امام بھی کہتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے ان مولوی صاحب کو خاص طور سے مکرر خطاب کر کے فرمایا کہ اب آپ کو اگر میری تقریر میں کوئی شبہ ہو تو اس

کے پیش کرنے کی اجازت ہے کیونکہ یہ میری طالب علمانہ تقریر تھی اور آپ بھی طالب علم ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر درویشے کہ چوں و چرا کند و ہر طالب علمے کہ چوں و چرانہ کند ہر دو را در چراگاہ باید فرستاد چونکہ آپ کا مجھ سے تعلیم و تربیت کا بھی تعلق ہے اس لئے درویشی کی حیثیت سے تو مجھے حق ہے کہ میں ایسے امور کے متعلق آپ کو متنبہ کروں اور آپ سے یہ نہ کہوں کہ اگر میری اس تنبیہ میں آپ کو کوئی شبہ ہو تو اس کو آپ مجھ سے رفع کر لیں مگر چونکہ آپ طالب علم بھی ہیں اس لئے طالب علم کی حیثیت سے آپ کو چوں و چرا کرنا چاہئے اور اپنے شبہات رفع کر لینا چاہئے آپ شبہ کیجئے میں اس کا جواب دوں گا۔ میں آپ سے زبردستی نہیں منواتا۔

اس پر ان مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بالکل سمجھ میں آگیا اور حقیقت بالکل واضح ہو گئی اس پر حضرت اقدس نے فرمایا کہ بس جب حقیقت واضح ہو گئی تو اب آپ آج ہی کارڈ لکھ بھیجئے کہ پہلے میں نے تامل نہیں کیا تھا اب تامل کے بعد شرح صدر ہو گیا۔ میں یوں بھی نہیں کہتا کہ آپ اس طلاع میں اپنے نقص کا اظہار کریں کیونکہ اس میں آپ کی اور اہل علم کی اہانت ہے اھ پھر فرمایا کہ میں نے جب سے سنا تھا قلب پر بہت گرانی تھی اسی لئے میں نے اس وقت نہ مجمع کی پروا کی نہ آپ کے والد کی پروا کی کہ وہ سنیں گے کیونکہ وہ بھی اس وقت یہاں موجود ہیں اور سنانے کے لئے ہی تو میں نے یہ باتیں کہی تھیں۔ یہ سب تعلیمات فقط بزرگوں کی برکت ہے ورنہ میں کیا چیز ہوں ؎

نیاور دم از خانہ چیزے نخست
تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

میں دعوی نہیں کرتا مگر الحمد للہ الحمد للہ یہ سب آپ سب حضرات کی دعاؤں کی برکت ہے اور بزرگوں کی جوتیوں کی زیارت کی برکت ہے۔ میں جوتیاں اٹھانا نہیں کہتا کیونکہ میں نے بزرگوں کی جوتیاں تو کبھی اٹھائی ہی نہیں ہاں زیارت کی ہے اس کی بھی یہ برکت ہوئی کہ یہ سب چیزیں موقع پر ذہن میں

آجاتی ہیں اور اکثر عمل کی بھی توفیق ہو جاتی ہے چنانچہ ہدیہ کی شرائط ضروریہ نہ ہونے کی بناء پر میں نے چھ چھ سو کے بیمے بلا تامل واپس کر دئے ہیں اور اس سے میرا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پھر وہ رقمیں میرے پاس اس طرح بھجوا دیں جو جو میں نے شرطیں لگائیں بھیجنے والوں نے ان سب پر عمل کر کے وہ رقمیں پھر لوٹائیں لیکن جس وقت میں نے وہ رقمیں واپس کیں اس وقت وسوسہ بھی نہیں تھا کہ یہ پھر واپس آئیں بلکہ اس وقت محض اپنے دین کی عزت پیش نظر تھی۔ ایک شخص نے ہمارے مدرسہ میں دو سو روپے بھیجے اور لکھا کہ اس رقم کی رسید بھیج دیجئے ورنہ اگلے سال کچھ نہ بھیجا جائے گا میں نے وہ رقم فوراً واپس کر دی اور لکھا کہ آپ تو اگلے سال سے منقطع کرنے کے لئے لکھ رہے ہیں اور میں اسی سال سے منقطع کئے دیتا ہوں۔ رسید تو وہ دے جو تحریک کرے چندے کی اور عقل کی بات بھی یہی ہے کہ اگر ہم پر اعتماد ہے تو پھر رسید کی کیا ضرورت ہے اور اگر اعتماد نہیں ہے تو ہماری رسید کا بھی کیا اعتبار رسید دینے کے بعد بھی تو ہم خورد برد کر سکتے ہیں۔ بھائی ہم نے کوئی اشتہار تو دیا نہیں اور کسی سے چندہ تو مانگا نہیں جو ہم سے رسید طلب کی جاتی ہے۔ اگر آپ کی لاکھ بار مرضی ہو تو بھیجئے ہم تو خود سب خورد برد کر جاتے ہیں اگر یہ بھی گوارا ہو تو دیجئے ورنہ اپنے گھر بیٹھئے واقعی ہمارے یہاں رسید دینے کا قاعدہ نہیں بڑی بڑی رقمیں یوں ہی آتی ہیں اور رجسٹر میں درج کر لی جاتی ہیں۔ لیجئے مجھ طماع حریص بخیل ہی کو دیکھ لیجئے میرے اس طرز عمل کا یہ اثر ہے کہ اگر انگریزی خوانوں کے آزاد مجمع میں حسب عادت کوئی علماء کے عیب نکالتا ہے اور کوئی شخص میرا نام لے دیتا ہے کہ اس کے بارے میں کیا رائے ہے تو فوراً سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور سب متفق ہو کر کہنے لگتے ہیں کہ وہ مستثنیٰ ہے اھ

اس تنبیہ کے بعد حضرت اقدس نے غالباً ان کو کچھ منشرح کرنے کی غرض سے مزاحاً فرمایا کہ سنا ہے چھوٹے قد کے آدمی بڑے عقلمند ہوتے ہیں۔ آپ کا قد بھی چھوٹا ہے اور پھر بھی عقلمندی کے خلاف بات کی۔ لمبے آدمی کی عقل

تو پھیل جاتی ہو گی اور چھوٹے قد والے کی عقل مجتمع رہتی ہو گی اھ پھر فرمایا کہ خیر آپ کی بدولت دوسرے لوگوں کو بھی دین کے علم کا نفع ہو گیا میری اس تقریر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ غیر واجبات مثلاً ترک حق واجبات ہو گئے لیکن بعضے غیر واجبات مستحبات تو ہیں چنانچہ یہ باتیں جن کی میں ترغیب دے رہا ہوں مستحبات و مستحسنات ہیں مگر بعضے مستحبات عوارض کی وجہ سے واجب ہی کے قریب ہو جاتے ہیں اور یہ میں اوپر جہاں انما الاعمال بالنیات کے معنے کی تحقیق ہے اپنی اس تقریر میں بالتفصیل حدیث سے ثابت کر ہی چکا ہوں کہ محض سببیت خیر سے بدوں مباشرت اور نیت کے بھی اجر ملتا ہے۔ پس یہاں بھی گو اس ترک میں نیت اجر کی نہ ہو مگر یہ جب سبب بن گیا اعزاز دین کا تو اس اعزاز کا ثواب اس کو ملے گا پس ہم تو کیا چیز ہیں کہ قابل عزت ہوں مگر دین کی عزت کے خیال سے ہم لوگوں کو ایسی وضع اختیار کرنی چاہئے کہ جس سے اہل علم کے متعلق لوگوں کو سوء ظن پیدا نہ ہو بلکہ یہ دیکھ لیں کہ علماء ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا یہ مذہب ہے ؎

اے دلاں بہ کہ خراب از مئے گلگون باشی
بے زر و گنج بصد حشمت قارون باشی

ولائتی کہا کرتے ہیں کہ انگریزوں کے پاس ہم سے زیادہ دولت نہیں ہے۔ اگر کوئی ان سے کہتا ہے کہ تمہارے پاس نہ خزانہ ہے نہ ہتھیار ہیں نہ ہوائی جہاز ہیں نہ فوج ہے تو کہتے ہیں کہ بلا سے یہ کچھ بھی نہ سہی لیکن ہمارے پاس لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو موجود ہے جس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور وہ انگریزوں کے پاس کہاں۔ تو مسلمان کو دینی دولت پر اتنا ناز ہونا چاہئے۔ دینی دولت کے مقابلہ میں سلطنت بھی کیا چیز ہے اب رہا یہ سوال کہ ایسی باتوں پر نظر کیونکر پہنچتی ہے سو اس کا حقیقی سبب تو فضل ہے مگر ظاہری سبب اہتمام اور فکر اور ہر وقت اس میں ڈوبا رہنا ہے۔

مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو جو علوم موہوب ہوئے اس

میں اسی اہتمام کو خاص دخل ہے خود فرماتے تھے کہ جب میں حدیث پڑھتا تھا کوئی تو لغات دیکھتا کوئی ترکیب وصفیہ نحوی وصرفی دیکھتا کوئی سند ہی دیکھتا مگر میں زیادہ تر اس پر غور کرتا کہ حضور کے اس ارشاد کا منشا کیا ہے اور اس سے ناشی کیا ہے اس غور و فکر کی یہ برکت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے علوم خاصہ موہوب فرما دئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَمَن يُؤْمِنۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ط

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط

پس جب بندہ کی طرف سے تقویت ایمان اور کوشش ہوتی ہے تو اس کی صحیح راستوں کی طرف رہبری کی جاتی ہے اسی کی یہ برکت ہے کہ میں کوئی چیز نہیں مگر لوگوں کا یہ گمان ہو گیا ہے چاہے صحیح نہ ہو کہ اس کو دین زیادہ مقصود ہے پس دنیا بھی الحمدللہ مجھ کو ان سے زیادہ مل جاتی ہے جو خوش اخلاق ہیں برائے نام نقل میں یہ برکت ہے تو جس کو حق تعالیٰ اصل دیدیں اس کا کیا پوچھنا۔ اس سفر ہی میں دیکھئے میں اپنے ساتھ کافی روپیہ لایا تھا اور گھر بھی کافی روپیہ چھوڑ کر آیا ہوں کیونکہ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بہت دے رکھا ہے بعض احباب نے سو سو روپیہ پیش کرنے کا خیال کیا۔ میں نے منع کر دیا کیونکہ گو میری گذر آپ ہی لوگوں کے عطایا پر ہے لیکن ہر شئے کا ایک محل ہے اس طرح لینے میں مجھے غیرت آتی ہے۔ اس کی یہ برکت ہوئی کہ ایک صاحب آکر مجھے ایک بڑی رقم دے گئے اور کہا کہ میری یہ خواہش ہے کہ جتنا خرچ اس سفر میں ہو اس رقم میں سے کیا جائے میں نے بہت انکار کیا اور کہا کہ میرے پاس کافی روپیہ موجود ہے لیکن نہ مانے میں نے بھی پھر تکلف نہ کیا کیونکہ جب میں کانپور میں تھا اس وقت میرا بھی لڑکپن تھا ان کا بھی میرا کچا چٹھا انہیں سب معلوم ہے اس پر بھی جب دیا اس میں کسی قسم کا دھوکا متحمل نہیں ماشاء اللہ بڑی رقم ہے مگر چونکہ انہوں نے بہت اصرار کیا میں نے لے لئے کیونکہ ان کی دل شکنی بھی منظور نہ تھی اور اپنی دین شکنی بھی منظور نہیں تھی۔ مگر میں نے اس شرط پر منظور کیا ہے کہ آج سے ہم اس رقم میں سے خرچ کریں گے اور گھر پہنچ کر جو

بچے گا اسے واپس کریں گے انہوں نے بے تکلف اس کو منظور کر لیا اس سے قبل جو میرا خرچ ہو چکا ہے حتی کہ جن چیزوں کے ابھی دام بھی نہیں دیئے گئے وہ دام بھی اس رقم سے نہیں دیئے جائیں گے جس تاریخ کو وہ رقم دے گئے تھے صرف اس تاریخ سے جو خرچ ہو گا وہ اسی میں سے ہو گا اس کے علاوہ جو دوسروں کا دیا ہوا گھی انڈے وغیرہ خرچ ہو رہا ہے اس کے دام بھی اگر میں چاہتا تو ضابطہ سے لگا لیتا۔ لیکن میں نے کہا کہ نہیں یہ تو ہدایا ہیں جس میں ہمارا کچھ خرچ نہیں ہوا۔ انشاء اللہ گھر جا کر ان کا بقیہ سب واپس کروں گا اس طریقے میں اعزاز دین کی حفاظت ہے۔

(از جامع۔ معمولاً فجر کے بعد سے ۷ بجے تک صبح کی مجلس ہوتی ہے یہاں تک تقریر ہوئی تھی کہ سات بج گئے اور حاضرین مجلس اٹھنے لگے لیکن حضرت اقدس مدظلہم العالی جب ضرورت محسوس فرماتے ہیں تو وقت میں عموماً پندرہ منٹ کی وسعت فرما دیتے ہیں آج بھی فرمایا کہ ابھی اور ٹھہر جایئے شاید کسی صاحب کو میری اس تقریر پر کوئی اشکال کرنا ہو)

جب کسی نے کوئی اشکال نہ کیا تو حضرت اقدس نے ان مولوی صاحب کے والد صاحب سے جو حاضر مجلس تھے فرمایا کہ میری اس تقریر سے آپ کو تو ناگواری نہیں ہوئی۔ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں حضرت مطلق نہیں بلکہ اگر یہ مجھ سے پوچھتے تو میں بھی یہی رائے دیتا۔ پھر تھوڑی دیر تامل فرما کر فرمایا کہ خیر اب تو تجربہ کار بھی ہو گیا ہوں اس لئے بھی مالیات میں احتیاطیں کرتا ہوں جب میں بچہ سا تھا اس وقت ہی والد صاحب نے گو دنیا دار تھے لیکن اتنے بڑے صاحب فراست تھے کہ میری طبیعت کو پہچان لیا تھا میرے چھوٹے بھائی منشی اکبر علی مرحوم جو کچھ خرچ کرتے تھے ان سے والد صاحب حساب لیتے تھے لیکن مجھ سے نہیں لیتے تھے۔ بھائی نے غبطہ کے طور پر کہا کہ آپ بھائی سے تو حساب لیتے نہیں اور مجھ سے پیسہ پیسہ کا حساب لیتے ہیں۔ ان کی تو اتنی رعایت اور میرے ساتھ ایسی سختی۔ انہوں نے فرمایا۔ دیکھئے کتنی دور پہنچے کہ مجھے اس پر رحم

آتا ہے کیونکہ یہ میری ہی زندگی تک میرے مال و متاع سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ میرے بعد یہ اپنا حصہ بھی پورا نہ لے گا۔ زیادہ تمہارا ہی ہو گا۔ نہ معلوم یہ انہیں پہلے سے کیسے خبر ہو گئی یا تو اسے فراست کہئے یا یہ کہئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلب میں الہام ہوا۔ اھ

اس کے بعد تائی صاحب کا قول اور والد صاحب کا جواب نقل فرمایا جو بارہا ملفوظات میں نقل کیا جا چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت اقدس مدظلہم العالی کے والد ماجد سے حضرت کی تائی صاحبہ نے اس وقت جب حضرت کو عربی شروع کرائی گئی یہ کہا کہ اس کو عربی پڑھاتے ہو یہ کھائے گا کہاں سے چھوٹا انگریزی پڑھ رہا ہے وہ تو خیر بڑی تنخواہ کا ملازم ہو سکے گا اس پر والد ماجد نے قسم کھا کر کہا کہ بھائی صاحبہ یہ آپ نے کیا کہا۔ خدا کی قسم جو انگریزی پڑھ رہا ہے ایسے ایسے سینکڑوں اس کی جوتیوں سے لگے لگے پھریں گے اور یہ ان کو منہ بھی نہ لگاوے گا۔ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ والد صاحب نے میرے بچپن ہی میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اس کو تو عربی پڑھاؤں گا اور چھوٹے کو انگریزی۔

اسی سلسلہ گفتگو میں ان علوم و حقائق کے انکشاف پر تحدث بالنعمۃ کے طور پر فرمایا کہ یہ خدائے تعالیٰ کی نعمت اور اس کی دین ہے کہ ایسے مفید علوم قلب پر وارد ہو جاتے ہیں جس کا ظاہری سبب (جو مجھ کو اب معلوم ہوتا ہے اور جو چیز مجھ کو اب محسوس ہوتی ہے) یہ ہے کہ میں نے بزرگوں کا ادب اور ان کی اطاعت ہمیشہ کی اور ان کے ذلات پر کبھی نظر نہیں کی۔ اگر کسی بزرگ سے کبھی کوئی لغزش بھی ہوئی تب بھی ان کے ساتھ ادب ہی سے پیش آیا۔ وعظ میں تو سب کی غلطیوں کا رد بلا اظہار نام کر دیتا تھا لیکن ان کی خاص مجلس میں جب کبھی حاضری کا اتفاق ہوتا ہمیشہ ادب سے گردن جھکا کر ہی بیٹھتا اور دل سے سمجھتا کہ یہ میرے بزرگ ہیں۔ اور خواہ کوئی کسی مشرب کا ہو مثلاً گانا بجانا سنتا ہو لیکن ہو درویش یعنی اللہ اللہ کرنے والا ہو دوکاندار نہ ہو اس کی بھی میں نے دعا لی۔

غرض اللہ اللہ کرنے والوں کا میں نے ہمیشہ ادب ہی کیا کبھی ان کا دل نہیں دکھایا۔ بلکہ ہمیشہ دعائیں ہی لیں۔ یہاں تک کہ اپنے ماموں صاحب سے بھی جن سے بوجہ اختلاف مشرب قطع تعلق تک کرنا پڑا کبھی بے ادبی کا برتاؤ نہیں کیا مگر وعظوں میں اس مشرب کا ہمیشہ رد کرتا رہا اور ان کی طرف سے بھی ایسی رعایت کی جاتی تھی کہ باوجودیکہ بہت ہی آزاد تھے اور بعد کو مجھ سے خفا بھی ہو گئے تھے کیونکہ میں نے ان کو باادب لکھ بھیجا تھا کہ آپ کا طریق سنت کے خلاف ہے جس کا میں متحمل نہیں لیکن پھر بھی میرا اتنا لحاظ کرتے تھے کہ ان کے ایک مرید نے ان کا خط دکھلایا تھا جس میں میری نسبت لکھا تھا کہ اس کا مسلک اور ہے ہمارا مسلک اور اس لئے اس سے ملنا جلنا تو مناسب نہیں لیکن بے ادبی کبھی نہ کرنا وہ عالم ہے اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہے غرض میں نے ہمیشہ بزرگوں کا ادب کیا اور ان کی دعائیں لیں۔ ان دعاؤں ہی کی برکت سے جو آج یہ مفید مفید باتیں ذہن میں آجاتی ہیں اور واللہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اپنی حالت جو میں دیکھتا ہوں تو کوئی چیز اپنے اندر نجات کی نہیں پاتا سوائے ایمان ضعیف کے۔ اور میں راضی ہوں کہ پٹ پٹا کر ہی جنت میں جگہ مل جائے۔ نماز تک تو ٹھیک ہے ہی نہیں۔ دوسرے اعمال کا تو کیا ذکر پھر بھی جو یہ علوم و حقائق اور مفید باتیں قلب پر وارد ہو جاتی ہیں تو یہ بزرگوں کی دعاؤں کی اور ان کا ادب کرنے کی برکت نہیں تو کیا ہے اور واقعی بزرگوں کا ادب ہے بھی بہت ضروری عمل مگر اللہ کرنے والے ہوں چاہے وہ کسی مشرب کے ہوں حتی کہ اگر کسی غلطی میں بھی مبتلا ہوں اس حالت میں ان کا اتباع تو نہ کرے لیکن ان کی شان میں کوئی گستاخی بھی نہ کرے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو والد کے کفر کو بھی مانع ادب نہیں سمجھا حالانکہ وہ صرف بت پرست ہی نہیں تھے بلکہ بت تراش بھی تھے لیکن پھر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام جب ان کو نصیحت کرتے ہیں تو یا ابت یا ابت کہہ کر خطاب فرماتے ہیں۔ یعنی اے میرے ابا اے میر ابا یہ ادب نہیں تو کیا ہے اور یہیں دنیا ہی میں نہیں بلکہ قیامت میں بھی شفاعت کریں گے گو وہاں انہیں سمجھا دیا

جاوے گا اور ادب میں کچھ باپ ہی کی تخصیص نہیں ہے بڑی عمر کا کوئی آدمی ہو سب کا ادب چاہئے لیکن خلاف شرع امور میں ان کا اتباع نہ کرنا چاہئے اور جن کا اتباع مامور بہ ہے ان کے اس حق میں بھی ترتیب ہے یعنی سب سے زیادہ باپ کا حق ہے پھر استاد کا پھر پیر کا اور لوگوں میں اس کا عکس مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ پیر کا حق ہے پھر استاد کا پھر باپ کا۔ بیچارے باپ کو سب سے اخیر میں رکھا جس نے چھوٹے سے بڑا کیا۔ اس پر اپنا واقعہ یاد آگیا جب اول بار مجھے والد صاحب کے ہمراہ مکہ معظمہ حاضری کا اتفاق ہوا تو حضرت حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ یہاں چھ مہینے رہ جاؤ۔ میں نے والد صاحب سے پوچھا تو انہوں نے محبت کی وجہ سے اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ دل مفارقت کو گوارا نہیں کرتا حضرت حاجی صاحب سے عرض کیا حضرت نے فرمایا باپ کی اطاعت مقدم ہے اس وقت جاؤ پھر خدا لاوے گا۔ پھر حضرت کی دعا کی برکت سے اللہ تعالی نے فضل فرمایا اور میں والد صاحب کے بعد پھر بہ نیت قیام حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں مکہ معظمہ پہنچا اور چھ مہینے قیام کیا غرض میری بھی یہی تحقیق ہے کہ حقوق کے لحاظ سے پیر حق اطاعت میں سب سے اخیر میں ہے اور باپ سب سے مقدم کیونکہ حق تعالٰی کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حق میں محنت و پرورش کو بھی خاص دخل ہے چنانچہ جہاں حق تعالٰی نے ماں باپ کا حق بتایا ہے وہاں پرورش اور مشقت کا بھی ذکر کیا ہے فرماتے ہیں۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ط

اور فرماتے ہیں۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ط

اور اس مشقت و پرورش میں والدین کا بڑھا رہنا ظاہر ہے اس لئے باپ کا حق استاد اور پیر کے حق سے مقدم ہے اس کے بعد پیر سے زیادہ مشقت استاد نے کی ہے وہ بھی پیر سے مقدم ہوگا اور سب سے کم مشقت پیر کو ہوئی اس کا حق سب سے موخر ہوگا اور اب یہ ہو رہا ہے کہ سب سے زیادہ پیر صاحب مالک

بن بیٹھے چنانچہ واقعات سے بھی معلوم سب سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ ایک مولوی صاحب اسی تقدیم حق کے آثار کو اس طرح بیان کرتے تھے کہ یہ پیر لوگ مرید کو جانے کیا پلا دیتے ہیں کہ وہ بس انہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہم اس کو سبق بھی پڑھاتے ہیں ہم اس کے کھانے کا بھی انتظام کرتے ہیں ہم اس کو وظیفہ بھی دلاتے ہیں مگر پھر بھی جہاں ذرا مزاج کے خلاف کوئی بات ہوئی بس چھوڑ کر دوسرے مدارس میں چلے گئے۔ اور پیر چاہے جتنی سختی کرے کسی طرح اس کو چھوڑتے ہی نہیں اور زندگی میں تو کیا چھوڑتے مرنے کے بعد بھی اس سے فارغ نہیں رہتے اس کی قبر پر جاکر پڑ رہتے ہیں غرض پیروں کو لوگوں نے اتنا بڑھا دیا ہے کہ باوجودیکہ اس کا حق سب سے موخر تھا اس کو سب سے مقدم کر دیا غرض ہماری تو یہی تحقیق ہے کہ سب سے مقدم باپ کا حق ہے پھر استاد کا پھر پیر کا اھ پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے کچھ دیر توقف فرما کر انہیں مولوی صاحب سے جو اس طویل تقریر کے مخاطب تھے فرمایا کہ اگر یہ تقریر پسند ہو تو اس کو عمر بھر ہی کے واسطے پلے باندھ لیجئے پھر آپ دیکھیں گے کہ غالب احوال میں تو دنیا بھی اتنی ملے گی کہ سمیٹے نہیں سمٹے گی اور نہ بھی ملے تو کیا ہے یہ تو اس حال میں بھی ناکام نہیں وجہ یہ کہ انگریزی خوانوں کو تو معاش نہ ملنے پر یہ بھی حسرت ہوتی ہے کہ ڈپٹی نہ ہوئے منصف نہ ہوئے کیونکہ اس کا مقصود یہی تھا جس کے نہ ملنے پر حسرت لازم ہے بخلاف ملا کے اس کو کوئی حسرت ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ اسے کوئی اس قسم کی امید ہی نہ تھی اس نے محض دین کے واسطے علم دین حاصل کیا تھا جو ہر حال میں اس کو مل گیا اس لئے اگر اس کو ایک پیسہ بھی نہ ملے تو جو اس کا اصل مقصود تھا اس سے تو محرومی نہیں یعنی دین تو ہے اسے پھر حسرت کہاں اس لئے اگر دنیا نہ بھی ملے تب بھی کچھ پرواہ نہ کرنا چاہئے مولانا فرماتے ہیں۔

زرو نقرہ چیست تا مفتون شوی
چیست صورت تاچنیں مجنوں شوی

پھر فرمایا کہ میں تو علماء کے لئے دنیا طلبی کو یہاں تک ناپسند کرتا ہوں کہ یہ جو تقریر کے وقت تنخواہ کی مقدار میں کمی بیشی کی گفتگو ہوتی ہے یہ بھی علم کی شان سے گری ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔ اگر تنخواہ اتنی کم ہو کہ اپنی گذر نہ ہو سکے تو بجائے اس کے کہ تنخواہ بڑھانے پر اصرار اور قیل و قال کی جائے خاموشی اختیار کر لے اور عذر کر دے لیکن اس قیل و قال کو بھی ناپسند کرتا ہوں۔ اور حقیقت میں تعلیم دین کی خدمت تو خود ہمارے ذمہ ہے۔ یہ عوام کا احسان ہے کہ ہمیں اس خدمت کا معاوضہ بھی دیتے ہیں۔ اگر خدا دے تو ہمیں تو خود روپیہ دے دیکر دوسروں کو تعلیم دینا چاہئے نہ کہ ان سے ذرا ذرا سے مطالبات پر جنگ کرنا۔ یا تنخواہ کے تعین پر قیل و قال کرنا اور میں تو کہتا ہوں کہ ہر شے میں ایک خاصیت ہے استغنا عن الدنیا کے اظہار میں چاہے دنیا طلبی ہی کی نیت سے ہو یہ خاصیت ہے کہ دنیا دوڑ کر اس کی طرف آتی ہے اور احتیاج الی الدنیا کی یہ خاصیت ہے کہ اس سے دنیا بھاگتی ہے یہاں تک سلسلہ تقریر پہنچا تھا کہ مجلس کے وقت میں جو توسیع فرمادی گئی تھی وہ بھی ختم ہو گئی اور اس کیساتھ ہی تقریر بھی بفضلہ تعالیٰ پوری ہو گئی۔ اس کے بعد مجلس برخاست ہو گئی احقر بھی اپنے کاغذات سنبھال کر رخصت ہونے لگا۔ اس وقت فرمایا کہ میں کبھی کسی کو خطاب خاص نہیں کیا کرتا لیکن چونکہ ان سے علاقہ اولاد کا سا ہے اس لئے میں نے ان سے جو کچھ کہنا چاہتا تھا بے تکلف کہہ دیا۔ اس پر احقر نے عرض کیا کہ یہ اچھا ہوا۔ سارے مجمع کو نفع پہنچ گیا۔

ضمیمہ از جامع

الحمدللہ یہ طویل ملفوظ کوشش کے بعد ضبط تحریر میں آگیا گو اس میں سے بھی حضرت اقدس مدظلہم العالی نے بعض غیر اہم مضامین اور حکایات کو یہ فرما کر قلمزد فرمادیا کہ صرف مفید مضامین لکھنا چاہئیں۔ محض واقعات اور قصے اور معمولی مضامین لکھنے سے کیا فائدہ جبکہ بحمدللہ زیادہ تر میرے یہاں علوم مفیدہ ہی کا بیان ہوتا ہے۔ ہاں بعضے مضمون کے لئے کسی قدر تمہید کی ضرورت ہوتی ہے

اس کا مضائقہ نہیں۔ باقی اس کو جزو اعظم نہ بنایا جائے میں کئی بار اس کے بارے میں عرض کر چکا ہوں لیکن افسوس ہے کہ اس پر توجہ نہیں کی جاتی۔

اس ارشاد پر احقر نے عرض کیا کہ اب انشاء اللہ تعالیٰ اختصار اور انتخاب کا خاص خیال رکھوں گا حضرت بھی دعاء فرمائیں کہ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو سکوں۔ فرمایا کہ دعا کی فرمائش کا وقت یہ نہیں ہے۔ اور کسی وقت دعا کرائیے۔ اس وقت دعا کرانے میں تو اس کا ایہام ہوتا ہے کہ سب بوجھ میرے ہی اوپر رہا۔ اگر کامیابی نہ ہوئی تو بس یہی کہنے کو ہو گا کہ آپ نے دعا نہیں کی۔ اھ پھر فرمایا کہ یہ دعا کا ملفوظ البتہ لکھنے کے قابل ہے۔

پھر فرمایا کہ غیر ضروری مضامین کا لکھنا ایسا ہی ہے جیسے بدعت چنانچہ بدعتیوں کو میں نے دیکھا ہے کہ جو ضروری چیز ہے یعنی نماز اس کو تو بہت بے ڈھنگے پن سے اور بے پروائی سے ادا کرتے ہیں لیکن وظیفوں کا بڑا اہتمام ہے۔ یہاں تک کہ ایک صاحب کا تو یہ قول تھا کہ پیر صاحب کا بنایا ہوا وظیفہ قضا نہ ہو چاہے نماز قضا ہو جاوے اھ پھر فرمایا کہ میں تو اس قول کی بھی تاویل کرتا ہوں وہ یہ کہ گو بظاہر اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پیر کے حکم کو خدا کے حکم سے بھی بڑا سمجھا لیکن چونکہ یہ بڑی سخت بات ہے بلکہ کفر ہے اس لئے اس کی تاویل ہی مناسب ہے تاکہ وہ کفر کے فتوے سے تو بچ جائے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے مسلمان کی تکفیر کیوں کی جائے۔ اس بناء پر اس میں یہ تاویل کیوں نہ کر لی جائے کہ اس نے یہ سمجھا کہ پیر تو انسان ہے اگر اس کے وظیفے کو چھوڑ دیا گیا تو اس حکم عدولی کا اس پر اثر ہو گا اور اس کی خفگی کا وبال پڑے گا اور اللہ میاں تو متاثر ہونے سے پاک ہیں اگر ان کی حکم عدولی ہوئی تو وہ بڑے رحیم و کریم ہیں توبہ کرنے سے پھر راضی ہو جائیں گے۔ غرض اس نے پھر بھی خدا کو پیر سے بڑا ہی سمجھا۔ پیر کو خدا سے بڑھایا نہیں بلکہ گھٹایا۔ اھ

اس تاویل اور حسن ظن پر حاضرین سبحان اللہ سبحان اللہ کہنے لگے اور بعض خدام خاص نے اس ملفوظ کو قابل انضباط تجویز فرمایا۔ اب احقر تو کلا علے

اللہ حسب ارشاد حضرت اقدس مدظلہم العالی عزم بالجزم کرتا ہے کہ گو حضرت اقدس کا ہر ملفوظ کسی نہ کسی حیثیت سے قابل انضباط ہی ہوتا ہے لیکن چونکہ اس ہوس میں اہم ترین مضامین ضبط سے رہ جاتے ہیں اس لئے اب آئندہ حتی الامکان بہت اختصار اور انتخاب سے کام لیا جائے گا۔ لیکن خدا کرے اہم مضامین نہ چھوٹنے پائیں۔ بہر حال اب ناظرین تفصیل کے منتظر نہ رہیں۔ بس اب انشاء اللہ تعالیٰ یہی آخری تطویل ہے۔ فقط مورخہ ۲۶ شعبان ۱۳۶۰ھ پنجشبہ لکھنو۔

۲۴ شعبان ۱۳۶۰ھ ہجری مجلس بعد الفجر چہار شنبہ

(ملفوظ ۱۲۳) ہر شخص سے اس کے موافق سلوک کی ضرورت ہے

ایک اہل علم نے اندر آنے کی اور مجلس میں شرکت کی اجازت طلب کی۔ دروازہ پر جو خادم تھے وہ کنڈی لگا کر حضرت اقدس کی خدمت میں بغرض اطلاع آنے لگے تو فرمایا کہ کنڈی لگا دینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سخت تہذیب کے خلاف حرکت ہے کیا وہ ڈاکہ ڈالنے آئے ہیں کہ کواڑ بند کر کے کنڈی لگا دی گئی۔ پھر فرمایا کہ کہنے کی تو بات نہیں کیونکہ جتلانا تھوڑا ہی ہے لیکن جب موقع پر یاد آگئی تو نہ کہنا بھی تکلف ہے۔ میرا یہ بالالتزام معمول ہے کبھی اس کے خلاف نہیں کرتا کہ جب کوئی شخص رخصت ہوتا ہے اور میں دروازہ تک آتا ہوں تو جب تک وہ نظر سے غائب نہیں ہو جاتا۔ میں کنڈی نہیں لگاتا یہ تو گویا اس کو عملاً روکنا ہے کہ بس اب نہ آنا اور اگر اس کو کچھ کہنا ہی ہو۔ میں ایسے وقت کنڈی لگاتا ہوں جب وہ نظر سے غائب ہو جاتا ہے اور اس طرح کہ اس کو کنڈی لگانے کا علم نہ ہو۔ آخر انسان کا ادب انسان کے ذمہ ہوتا ہے اور ہر شخص کا ادب اس کے مرتبہ کے موافق ہوتا ہے۔ کتنی بھدی حرکت ہے۔ بس جی تعلیم سے کچھ ہوتا نہیں جب تک خود سلیقہ فطری نہ ہو۔ فطری سلیقہ نہ ہو تو کہاں تک

تعلیم اثر کرے۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔ بس وہی بدعتیوں کی سی عبادت کہ کر کے بھی کھویا۔ اور یہ نہ سمجھا جاوے کہ یہ تو تعظیم ہے جو بڑوں ساتھ خاص ہے معمولی شخص کے ساتھ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تو یہ تعظیم نہیں۔ تعظیم بیشک فقط بزرگوں کی ہوتی ہے مگر اکرام چھوٹوں کا بھی چاہئے۔ اکرام کا حاصل ہے خاطر داری۔

(ملفوظ ۱۲۴) شیخ کے بارے میں معمولی شبہ بھی مانع ہے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ شیخ کے متعلق ذرا سا شبہ بھی بڑا مانع ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ تمام دروازے فیوض وبرکات کے فوراً بند ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اس کی علت کیا ہے تو خواص میں علت نہیں ڈھونڈھی جاتی۔ جیسے اگر کوئی کہے کہ مقناطیس میں جو خاصیت کشش ہے اس کی علت کیا ہے تو یہی کہا جاوے گا کہ اس کی علت کچھ ہی ہو مگر دلیل مشاہدہ ہے۔ اسی طرح اس کا بھی مشاہدہ ہے۔ ہاں کسی کو برکات ہی حاصل نہ ہوئے ہوں تو دروازے کھلے ہی کب تھے جو بند ہوتے۔ اگر برکات شروع ہو جاتیں پھر یہ حرکت ہوتی تب احساس ہوتا کہ بند ہو گئیں۔ اور اگر بند بھی نہ ہوں تو اس شبہ سے طمانیت ور راحت تو ضرور برباد ہو جاتی ہے جو سرمایہ ہے اس طریق کا۔ ہمارے حضرت رحمتہ اللہ علیہ جمعیت کو بڑا سرمایہ فرماتے تھے۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ میں سوچ رہا تھا کہ جمعیت کا اس طریق میں شرط نفع اور مطلوب ہونا ذوقی طور پر تجربہ اور مشاہدہ سے تو بالاتفاق ثابت ہے کیا اس کی کوئی دلیل بھی ہے قرآن و حدیث میں گو اس کے لئے کسی مستقل دلیل کی ضرورت نہیں کیونکہ مشاہدات اور تجربات میں بڑی دلیل یہی ہے کہ شریعت ان کو رد نہ کرے اور قرآن و حدیث سے مصادم نہ ہوں پھر وہ مقبول ہیں لیکن پھر بھی ہر امر میں خواہ علمی ہو یا عملی ہو یہی جی چاہتا ہے کہ سنت سے بھی اس کی کوئی سند مل جائے چنانچہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے اس ارشاد کے متعلق بھی ایک دفعہ میں یہی

سوچ رہا تھا کہ دفعتہً سمجھ میں آیا کہ اس حدیث میں اس پر صاف دلالت ہے۔

اذا حضر العشاء والعشاء فابدؤا بالعشاء

یعنی اگر عشاء کی نماز بھی تیار ہو اور کھانا بھی تیار ہو تو پہلے کھانا کھا لو۔ اس کی علت بالاجماع یہی ہے کہ نماز میں تشویش نہ رہے جمعیت و یکسوئی رہے۔ دل کھانے کی طرف نہ لگا رہے پس حضور نے ہم کو اس تشویش سے بچایا ہمارے امام صاحب نے اس تعلیل کی ایسی لطیف تعبیر کی ہے کہ سبحان اللہ فرماتے ہیں۔

لان یکون اکلی کله صلوٰۃ خیر من ان یکون صلوتی کلها اکلا

اگر میرا کھانا نماز بن جائے اس سے اچھا ہے کہ میری نماز کھانا بن جائے۔ یعنی کھانے میں تصور نماز کا رہے یہ اس سے بہتر ہے کہ نماز میں تصور کھانے کا رہے۔ غرض جب جمعیت کا مطلوب ہونا محقق ہو گیا تو شیخ کو تجویز کرنے میں قبل تعلق ہی قریب کے بعید کے سب احتمالات کو رفع کر لے اور دیکھ لے کہ اب کوئی احتمال ناشی عن دلیل تو نہیں رہا۔ جب پورا اطمینان ہو جاوے اس وقت تعلق پیدا کرے اور پھر اس کو کبھی مکدر نہ کرے اپنے مربی کو ناحق مکدر کرنے پر بھی میں ایک آیت سے یہ سمجھا ہوں کہ اس سے دنیا میں انتقام لیا جاتا ہے وہ آیت یہ ہے فَاَثَابَکُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ یعنی تم نے ہمارے رسول کو غم دیا ہم نے اس کے بدلے میں تم کو غم دیا چونکہ شیخ کامل نائب ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس لئے اس کو مکدر کرنے سے پریشان کیا جانا سنت الہیہ ہے۔ اور دوسرے مشائخ تو اس حرکت پر ترک ابدی کر دیتے ہیں ان کے یہاں اس کا کوئی تدارک ہی نہیں۔ لیکن میں نے اس کی بھی ایک صورت تدارک کی تجویز کر رکھی ہے اور اس کے لئے میں نے ایک مخلص نکالا ہے اور اس کو میں اپنی طبیعت میں موثر بھی پاتا ہوں وہ یہ کہ اپنی غلطیوں کو شائع کر دو بس غلطیوں کو چھپا ہوا دیکھنے ہی سے میرا دل صاف ہو جاتا ہے۔ پھر چاہے وہ اشاعت بھی نہ کرنے پاوے بعضوں نے اشاعت کے لئے بتعداد کثیر پرچے میرے پاس بھیجے لیکن میں

نے کسی کو ایک قطعہ بھی نہیں دیا کیونکہ مجھے دیکھنا تو صرف یہ ہوتا ہے کہ اس نے اپنی طرف سے عزم بھی کر لیا ہے کسی کو ذلیل کرنا تھوڑا ہی مقصود ہوتا ہے۔ غرض یہ طریق نازک بہت ہے اس میں شیخ کو بد دل کرنا سم قاتل ہے ہمارے دادا پیر حضرت میانجی صاحب کے ایک مرید کا واقعہ ہے وہ ایک زمانہ میں حضرت میانجی صاحب کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے کیونکہ خشک مولوی تھے اور مولوی بھی برائے نام ہی تھے۔ ان کو گستاخی کرتے ایک مدت گذر گئی پھر وہ خود پچھتائے اور حضرت سے بیعت کی درخواست کی حضرت کی عالی ظرفی تھی کہ درخواست پر بیعت فرما لیا۔ ورنہ ایسی حالت میں بشاشت کہاں رہتی ہے جب بیعت کے بعد ایک معتدبہ مدت گذر گئی تو ایک دن میانجی صاحب نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ مولوی صاحب میں نے بہت کوشش کی کہ میرے قلب پر سے وہ اثر جاتا رہے مگر وہ اثر باقی ہے۔ اور میں جب آپ کی طرف توجہ کرتا ہوں تو آپ کے وہ سارے کلمات ایک دیوار آہنی بن کر حائل ہو جاتے ہیں اس صورت میں آپ کو مجھ سے کچھ نفع نہیں پہنچ سکتا چونکہ اس طریق کا مدار سراسر خلوص اور دیانت پر ہے اس لئے میں آپ کو اس حالت کی اطلاع کر کے مشورہ دیتا ہوں کہ اور کسی شیخ سے رجوع کیجئے جب مجھے معلوم ہے کہ مجھ سے آپ کو نفع نہیں پہنچ سکتا تو پھر بھی آپ کو اپنے ساتھ فضول لگائے رکھنا خیانت ہے آپ کوئی اور شیخ ڈھونڈھیں۔ اھ

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور واقعات دیکھ کر وہ سوال پیدا ہوا ہے وہ یہ کہ اگر ایک سے مناسبت نہ ہو اور دوسرے سے مناسبت ہو اس کا تو تدارک اس طرح ہو سکتا ہے لیکن اگر کسی کی ایسی طبیعت ہو کہ کسی سے بھی مناسبت نہ ہو وہ طریق سے کیسے مستفید ہو یا محروم ہی رہے اس کا جواب عام اہل طریق کے نزدیک تو نفی میں ہے مگر میں نے قواعد سے اس کے لئے بھی ایک طریق تجویز کیا ہے وہ یہ کہ ایسے شخص کے لئے بہتر یہ ہے کہ کسی شیخ سے تعلق نہ کرے کیونکہ کسی شیخ سے تعلق کرنا وصول الی اللہ اور قرب حق کی شرط نقلی یا

عقلی نہیں ہے محض شرط عادی ہے۔ اصل شرط شریعت پر عمل کرنا ہے شریعت ہی پر عمل کی تسہیل و تکمیل و تعدیل کے لئے شیخ سے تعلق کیا جاتا ہے خود یہ تعلق مقصود بالذات نہیں۔ بس یہ شخص اپنے طور پر شریعت پر عمل کرتا رہے البتہ عادۃً ایسے شخص سے کچھ غلطیاں یا اس کو کہیں کہیں تشویش ضرور ہو گی جو شیخ سے حل ہوتی ہیں تو ایسے میں یہ شخص کیا کرے اس کا جواب یہ ہے کہ جہاں تک اپنی سمجھ کام دے اصلاح کی کوشش کرے جہاں کوشش کام نہ دے یہ دعا کرتا رہے کہ اے اللہ حقیقت تک رہبری فرمایئے اور لغزشوں کو معاف فرمایئے پھر اس پر بھی اگر لغزشیں ہو جائیں گی تو عنداللہ مواخذہ نہ ہو گا کیونکہ یہ اپنی سی کوشش کر چکا لیجئے اس کا بھی ایک طریق نکل آیا مگر یہ سبیل غایت مجبوری میں ہے ورنہ اصل تو یہی ہے کہ کسی محقق کو اپنا شیخ بنائے اور جب بنا لے تو بس پھر یہ ہے کہ ؎

یا مکش بر چہرہ نیل عاشقی
یا فرو شو جامہ تقویٰ بہ نیل

باقی اس اصل عادی کو لازم بتانا کہ بدون پیر کے بخشش ہی نہ ہو گی محض جہالت کا فتویٰ ہے جاہلوں نے شریعت کے مقابلہ میں ایک اپنی شریعت نئی ایجاد کر لی ہے اھ

البتہ ایسے شخص کے لئے جس کے لئے کسی شیخ سے تعلق نہ رکھنا تجویز کیا گیا ہے یہ ضرور ہے کہ گستاخی نہ کرے خواہ کسی سے اعتقاد بھی نہ ہو۔

۲۵ر شعبان ۱۳۶۰ھ مجلس بعد الظہر روز پنجشبہ

(ملفوظ ۱۲۵) جمعیت کے مطلوب اور نافع ہونے کی دلیل

ایک صاحب علم و فضل کے خط کا جواب ختم مجلس کے قریب حضرت اقدس نے حاضرین کو سنایا۔ فرمایا کہ اس میں خاص بات قابل توجہ یہ ہے۔

ذوق کا اتباع بھی موثر ہوتا ہے مگر عاجلاً اور منقول کا اتباع موثر ہے آجلاً
الخ انہوں نے استفسار کیا تھا کہ تسبیحات بلا تحریک لب بہ تحریک ادنیٰ لسان کی
عادت جاری ہے گو اس کی ہدایت نہیں مگر مجھے اس سے ذوق ہے اھ۔ حضرت
اقدس نے اس کی یہ شرح فرمائی کہ عاجلاً موثر ہونے کے یہ معنے ہیں کہ اس
سے کیفیات پیدا ہو جاتی ہیں جو دنیا میں معین مقصود ہوتی ہیں مگر آجلاً موثر
منقول ہی کا اتباع ہے کیونکہ اس کا نفع آخرت میں ہوتا ہے اس پر ایک معزز
طالب نے پاس انفاس کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا کہ یہ اشغال میں سے ہے۔ اس
سے یکسوئی ہوتی ہے۔ اور خطرات دفع ہوتے ہیں۔ اسی طرح ذکر کے مختلف
طریق ہیں جن طریق میں جمعیت ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے کیونکہ جمعیت گو خود
مقصود نہیں لیکن مقدمہ ہے حصول مقصود کا اور مقدمات کا مقصود میں بہت دخل
ہے کیونکہ بعض اوقات براہ راست مقصود حاصل کرنے میں دشواری ہوتی ہے
اس واسطے مشائخ نے مقصد کے واسطے کچھ مقدمات تجویز کئے ہیں اور ان کو عملاً
ایسی اہمیت دی ہے جیسی مقاصد کو۔ رہا یہ سوال کہ مختلف مقدمات مقصود میں
سے کس کو اختیار کیا جائے۔ اس میں خود ہی فیصلہ کر لے یعنی جس میں دلچسپی
اور جمعیت زیادہ ہو وہی زیادہ نافع ہو گا۔ اور یہ مسئلہ کہ یہ جمعیت مطلوب اور نافع
ہے قواعد فن سے نیز تجربہ سے تو مجھے معلوم تھا ہی اور مشاہدات کے لئے کسی
دلیل شرعی کی ضرورت نہیں ہوا کرتی لیکن جی چاہتا تھا کہ اس باب میں کوئی نص
بھی مل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آج یا کل اس کی ایک دلیل شرعی بھی
ذہن میں آگئی۔ حدیث میں ہے کہ اگر کھانا تیار ہو اور ادھر نماز بھی تیار ہو یعنی
جب بھوک کا تقاضا ہو تو پہلے کھانا کھالے پھر نماز پڑھے سو اس کی علت صرف
یہ ہے کہ اگر پہلے نماز پڑھی تو طبیعت مشوش رہے گی نماز میں جمعیت نہ ہو گی
اور اس کے عکس میں نماز تو جمعیت کے ساتھ ادا ہو گی اور کھانا تشویش کی حالت
میں ہو گا حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہی وجہ عجیب عنوان سے بیان
فرمائی ہے۔

لان یکون اکلی کلہ صلوٰۃ خیر من ان یکون صلوتی کلھا اکلا

یعنی میرا کھانا اگر نماز بن جائے تو یہ بہتر ہے اس سے کہ میری نماز کھانا بن جائے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس اصل پر ایک تفریع فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی ہجرت کر کے مکہ معظمہ میں قیام کرنا چاہتا اور حضرت کو فراست سے اس کا یہ مذاق معلوم ہو جاتا کہ اس کو مکہ معظمہ میں ویسی جمعیت نہ ہو گی جیسی ہندوستان میں تو اس کو ہجرت کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ اگر ہندوستان میں جسم ہو اور مکہ میں قلب تو یہ اس سے اچھا ہے کہ مکہ میں جسم ہو اور ہندوستان میں قلب۔ میں نے مکہ میں ایک قصہ سنا تھا کوئی رئیس جاورے کے تھے یا اور کسی جگہ کے ان کو کسی جرم میں جلا وطن کیا گیا لیکن یہ اختیار دیا گیا کہ اپنی پسند کا کوئی مقام تجویز کر لیں انہوں نے مکہ معظمہ میں رہنا پسند کیا اس کی ان کو اجازت مل گئی جس پر وہ بہت خوش ہوئے اور بہت ذوق و شوق کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچے مگر وہاں جا کر ان کا یہ حال سنا کہ گذر گاہ پر کھڑے حسین عورتوں کو گھورا کرتے تھے یہ شغل تھا مکہ میں۔

حدیث سے یہ مسئلہ سمجھنے کے بعد مجھے جمعیت کی مقصودیت کا مزید اطمینان ہو گیا کیونکہ یہ حدیث گویا نص ہے اس مسئلہ میں اور اشتراک علت ہے یہ حدیث ماخذ ہو گئی جمیع اشغال کی کیونکہ جتنے اشغال ہیں وہ جمیع خواطر ہی کے لئے ہیں گو وہ مقصود بالذات نہیں اور اس میں مشائخ نے یہاں تک وسعت کی ہے کہ بعض اشغال جوگیوں تک سے لے لئے ہیں مثلاً حبس دم یہ جوگیوں کے یہاں کا شغل ہے مگر چونکہ یہ ان کا مذہبی یا قومی شعار نہیں ہے اور خطرات کے دفع کے لئے نافع ہے اس لئے اس کو بھی اپنے یہاں لے لیا ہے۔ اور اس میں کچھ حرج نہیں نہ اس میں تشبہ ممنوع ہے کیونکہ جو چیز کسی دوسرے فرقے کا نہ قومی شعار ہو نہ مذہبی شعار ہو محض تدبیر کے درجہ میں ہو اس کو تدبیر ہی کی حیثیت سے کسی نفع کے لئے اختیار کر لینے میں کوئی محذور شرعی نہیں ہے چونکہ حبس

دم بھی ایک محض تدبیر طبی ہے دفع خواطر کی اس لئے اس کا بھی بطور شغل کے استعمال جائز ہے کیونکہ یہ اخذ محض تدبیر میں ہے نہ کہ کسی مذہبی یا قومی شعار میں۔ اور اس کے جواز کی دلیل خندق کا واقعہ ہے۔ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ کو چاروں طرف سے محدود اور محفوظ کرنا چاہتے تھے اس کی تدابیر کے متعلق آپ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ ہمارے یہاں فارس میں یہ رسم ہے کہ شہر کے گرد خندق کھود دیتے ہیں پہلے بم کے گولے تو تھے نہیں صرف تیر و تفنگ تھے اس لئے خندق شہر کی حفاظت کے لئے اچھی تدبیر سمجھی گئی چنانچہ حضور نے حکم دیدیا کہ خندق کھودی جائے اور خود بھی بہ نفس نفیس کھودنے میں شریک ہوئے تو یہ انتظام و تدبیر فارسیوں کا کوئی مذہبی یا قومی شعار نہ تھا اس لئے حضور نے اس کی اجازت دیدی اسی طرح جس دم کے متعلق جو اعتراض تھا اس کی دلیل میں نے یہ پیش کی ایسے ہی استدلالات سے میں بد ذوق لوگوں میں بدنام ہوں صوفیوں کی حمایت میں حالانکہ ان کی بعض چیزیں مجھ کو بھی پسند نہیں مگر دوسرا اگر کچھ ان کے خلاف کہے تو میں منہ نوچ لوں۔ ہم تو گھر کے ہیں اگر ہم کوئی اعتراض کریں گے تو وہ محبت سے ہوگا اور اگر تم کوئی خلاف بات کہو گے تو انکار سے کہو گے ہم انکار سے نہیں کہیں گے ہم تو گھر کے بچے ہیں۔ اگر ہمیں کھانا پسند نہیں آئے گا تو ہم اپنی اماں سے شکایت کر سکتے ہیں کہ دیکھو نمک مرچ کم ہے اور وہ ہمارے کہنے سے برا بھی نہیں مانیں گی اور اگر کوئی مخالف عیب نکالنے لگے گا تو ہم اس کا جواب دیں گے اور کہیں گے کہ تم کیوں عیب نکالتے ہو۔

۲۷؍ شعبان ۱۳۶۰ھ روز شنبہ مجلس بعد الفجر

(ملفوظ ۱۲۶) تعبیر خواب ایک دقیق فن ہے

ڈاک میں دو خط ایسے تھے جن میں خواب درج تھے۔ حضرت اقدس نے ان دونوں خطوں کو یہ جواب لکھوا کر واپس بھیج دیا کہ اگر خواب کا تذکرہ نہ ہوتا تو جواب دیتا پھر زبانی فرمایا کہ لوگ اپنے خوابوں کو وحی سمجھنے لگے ہیں۔ یہ پیروں نے لوگوں کے خیالات کو بگاڑا ہے کہ وہ غیر مقصود کو مقصود سمجھنے لگے ہیں اور یہ بہت بڑی خرابی ہے کیونکہ اس سے غیر مقصود کی طرف اس قدر اشتغال ہو جاتا ہے کہ اصل مقصود کی طرف توجہ ہی نہیں رہتی آخر دل تو ایک ہی ہے دونوں طرف کیسے متوجہ ہو سکتا ہے۔ اول تو خواب کا اعتبار ہی کیا کہ یہ خواب ہے۔ اکثر خواب تو خواب ہی نہیں ہوتے بلکہ محض خیالات ہوتے ہیں۔ دوسرے تعبیر خواب ایک دقیق فن ہے یہ فیصلہ کیسے ہو کہ جو تعبیر دیکھی گئی ہے وہی تعبیر ہے۔ لہذا کسی خواب کی تعبیر دینا بھی محض تکلف ہی تکلف ہے ان سب غیر مقاصد کو چھوڑ کر مقصود میں مشغول ہونا چاہیے۔

(ملفوظ ۱۲۷) وعظ میں بیان علوم خود اپنے قابو کے نہیں

لکھنو خاص کے تحصیلدار صاحب ایک بار پہلے بھی حاضر خدمت ہوئے تھے لیکن اس روز کوئی موقع خصوصی تعارف و تخاطب کا پیش نہیں آیا تھا آج مکرر حاضری پر حضرت اقدس نے یہ معلوم کر کے کہ ان کے بعض بزرگ اور اجداد سے حضرت کا خاص تعارف تھا اظہار مسرت و خصوصیت فرمایا اور اپنے مواجہ میں قریب ہی جگہ عطا فرمائی اور ان کے بزرگوں کا تذکرہ کچھ دیر تک فرماتے رہے۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ تحصیلدار صاحب دو چار روز ہوئے ایک بار اور بھی حاضری دے چکے ہیں لیکن اس روز تعارف کی نوبت نہیں آئی اس پر فرمایا کہ میں تو شرمندہ ہوں کہ مہمانوں کا حق بھی نہیں ادا کر سکتا مگر کیا کروں میں

آجکل اپنا ہی حق ادا نہیں کر سکتا۔ تحصیلدار صاحب کے بزرگوں میں جو واعظ تھے ان کے وعظوں کے تذکرہ کے سلسلہ میں کسی بات پر یہ فرمایا کہ اب آج کل جنٹلمیوں کی واعظوں پر بھی حکومت ہے کہ جلسوں میں وعظوں کے لئے وقت کی تحدید کر دی جاتی ہے مثلاً کسی کے بیان کے لئے آدھ گھنٹہ مقرر کر دیا گیا کسی کے بیان کے لئے ایک گھنٹہ اور جس وقت وقت پورا ہوا ایک پرچہ لکھ کر دیدیا کہ بس تمہارا وقت پورا ہو گیا اب ختم کرو۔ یہ کیسی بے ہودہ حرکت ہے یہ سب خرابی انگریزی تقلید کی ہے خیر وہ لوگ تو اس کو نباہ بھی سکتے ہیں کیونکہ وہاں محض بچے تلے ضابطے کے الفاظ ہوتے ہیں۔ محض ضابطہ ہوتا ہے رابطہ تھوڑا ہی ہوتا ہے سو وہاں محض الفاظ ہوتے ہیں اور یہاں علوم ہیں۔ علوم خود اپنے ہی قابو کے نہیں۔ دوسرے کے قابو کے کیا ہوتے۔ ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے اس واسطے میں نے تو کبھی اس تحدید و تقسیم کو قبول نہیں کیا۔ ایک دفعہ دہلی میں اس موقع پر جب ترکوں کے قبضہ سے ایڈریانوپل نکل گیا تھا ایک بہت بڑا جلسہ جامع مسجد میں ہوا اس وقت مسلمانوں کو اس واقعہ سے بہت سخت صدمہ ہوا تھا یہاں تک کہ بعضے ارتداد کے قریب پہنچ گئے تھے چنانچہ ایک صاحب نے جو لکھے پڑھے بھی تھے مجھے خط لکھا تھا اس میں نعوذ باللہ اپنا یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ معلوم ہوتا ہے اللہ میاں بھی تثلیث کے حامی ہیں ایسے ایسے بے ہودہ شبہات لوگوں کو پیدا ہو گئے تھے حالانکہ یہ آج کوئی نئی بات نہیں ہوئی۔ الحرب سجال۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی غزوات میں کبھی ادھر غلبہ ہوتا تھا کبھی ادھر۔ اور یہ مسلمانوں کا مغلوب ہونا خود مسلمانوں ہی کی افعال کے سبب ہوتا تھا جس کو اس وقت کے حضرات تو سمجھ کر اس کی اصلاح فرما لیتے تھے پھر غالب ہو جاتے تھے چنانچہ احد و حنین کے واقعات منقول ہیں مگر ہم لوگ اپنی حرکات کو بھی نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کی کتنی نافرمانیاں اور کتنے گناہ رات دن کرتے رہتے ہیں جس کا یہ اثر ہے وہ حضرات اس کو ایسا سمجھتے تھے کہ

حضرت عمرو بن العاص جو کہ امیر لشکر تھے اور مصر کا محاصرہ کئے ہوئے ان کو صرف ایک مہینہ گذر گیا تھا جو سلطنت کے مقابلہ میں کچھ زیادہ مدت نہ تھی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو آپ نے امیر لشکر کو یہ لکھ کر بھیجا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اتنے دن محاصرہ کو ہو گئے اور اب تک کامیابی نہیں ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ لشکریوں میں تفویض اور تقوے کی کمی پیدا ہو گئی ہے۔ آپ اس کا عام اعلان کریں کہ سب اپنے معاصی سے توبہ کریں اور اپنی اصلاح کریں۔ دیکھئے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس زمانہ میں بے سر و سامان تھے اور ابھی صرف ایک مہینہ ہی محاصرہ کو گذرا تھا لیکن پھر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس پر تعجب ہوا کہ فتح میں اتنی دیر کیوں ہوئی اور بجائے بے سروسامانی پر اس کو محمول کرنے کے اس پر محمول کیا کہ معلوم ہوتا ہے تم لوگ دین میں سست ہو گئے ہو اور اسی کی طرف آپ نے توجہ دلائی چنانچہ سب نے مل کر توبہ کی۔ اس کے بعد پھر جو حملہ کیا ہے تو ایک دن ہی میں شہر فتح ہو گیا۔ اب مسلمان اور سب تدبیریں تو کرتے ہیں مگر اپنے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے۔ اور اپنے دین کی اصلاح نہیں کرتے حضرت یہ سنت اللہ ہے اسے کر کے تو دیکھئے انشاء اللہ غیب سے مسلمانوں کی فلاح کی صورت پیدا ہو جائے۔ غرض ایڈریانوپل کے نکل جانے پر ایک صاحب نے مجھے یہاں تک لکھ مارا کہ نعوذ باللہ معلوم ہوتا ہے اللہ میاں بھی تثلیث کے حامی ہیں اور یہ ایسے شخص نے لکھا جو مولوی کہلاتے تھے اور مجھ سے بیعت بھی تھے پھر وہ اتفاق سے میرے پاس آ گئے میں نے ان سے صاف کہہ دیا کہ تمہارا میرے یہاں کچھ کام نہیں۔ اگر جاہل ہوتے تو میں سمجھتا کہ یہ جہل سے ناشی ہے لیکن واقف ہو کر بھی جو ایسی بات لکھی اس کی کیا تاویل ہو سکتی ہے کیا مجھ سے اس واسطے بیعت ہوئے تھے معلوم ہوتا ہے تمہاری بیعت ہی مہمل تھی انہوں نے صاف کہا کہ اگر آپ سچی بات پوچھتے ہیں تو یہ ہے کہ اصل میں میں اعتقاد سے بیعت نہیں ہوا تھا اس وقت میں بیمار تھا اور اس نیت سے بیعت ہو گیا تھا کہ بیعت کی برکت سے میں اچھا ہو

جاؤں گا۔ سو اچھا ہو گیا میں نے کہا کہ میں آپ کے اس سچ سے بہت خوش ہوا۔ اب جس طرح احسان کا بدلہ احسان ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ط

اسی طرح سچ کا بدلہ سچ ہے

هل جزاء الصدق الا الصدق

آپ نے سچ بولا ہے تو میں بھی اس کے بدلہ میں سچ ہی کہتا ہوں اور وہ سچ یہ ہے کہ اب تم عمر بھر مجھ کو اپنی صورت مت دکھلاؤ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور انہیں اس کا کچھ قلق بھی نہ ہوا کیونکہ انہوں نے تو گل بنفشہ پیا تھا بیعت نہیں کی تھی یعنی دوا سمجھ کر بیعت کی تھی۔ بیعت سے مقصود جسمانی صحت تھی وہ حاصل ہو گئی اب وہ انتقال کر گئے غرض ترکوں کی شکست سے یہاں تک مسلمانوں میں تزلزل پیدا ہو گیا تھا اسی کے متعلق جامع مسجد دہلی میں ایک بڑا عظیم الشان جلسہ ہوا تھا جس میں میں بھی مدعو تھا میں سمجھ گیا کہ آج کل جو جلسے ہوتے ہیں وہ انگریزی طرز کے ہوتے ہیں وہی طرز اس میں بھی اختیار کیا جائے گا۔ یعنی کچھ شاعر ہوں گے کچھ قومی مرثئے ہوں گے کچھ قومی نوحے ہوں گے اور جانے کیا کیا خرافات ہوں گی میں نے ان چیزوں سے بچنا چاہا لیکن اگر اس کے متعلق کسی سے کچھ کہتا تو بھلا کون سنتا اس لئے میں نے اس کی ایک ترکیب کی اور وہ بھی انہیں لوگوں کے اصول کے مطابق میں نے کہا کہ میں اس شرط پر جلسہ میں شریک ہو سکتا ہوں کہ اس جلسہ کا صدر میں ہوں گا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے ہیں لیکن میری ترکیب کو کوئی نہ سمجھ سکا۔ خوشی سے سب نے منظور کر لیا اور کہا کہ صاحب یہ ہماری قسمت کہاں تھی کہ بلا درخواست ہی آپ اپنے لئے صدارت تجویز فرما رہے ہیں ورنہ ہماری درخواست پر بھی شاید منظوری نہ ہوتی۔ غرض جلسہ ہوا اس وقت جامع مسجد میں عام بیان کی اجازت بھی نہیں ملتی تھی لیکن اس کے لئے کوشش کر کے حاصل کر لی گئی۔ میں نے اس جلسہ میں ان سارے شبہات کا شافی جواب بہت تفصیل کے ساتھ

دیا جس سے حاضرین جلسہ بہت ہی خوش ہوئے۔ چونکہ اس وقت شباب تھا اور طبیعت میں جوش تھا میں نے بعد ختم وعظ یہ بھی کہا کہ میں نے آپ صاحبوں کے سامنے اس معاملہ کے متعلق سب اپنے خیالات ظاہر کر دئے ہیں اگر کسی اہل علم کو یا انگریزی دان کو میرے ان خیالات پر کوئی اشکال ہو وہ اسی جلسہ میں پیش کر دیا جائے بعد کو کوئی یہ نہ کہے کہ ہمارے فلاں اشکال کا جواب تو ہوا ہی نہیں اتنے مجمع میں صرف ایک صاحب کی ہمت ہوئی وہ مدرسہ فتح پوری کے ایک عالم تھے وہ اٹھے اور انہوں نے ایک آیت پیش کر کے ایک سخت اعتراض کیا جس کا الحمد للہ میں نے دو تین لفظوں ہی میں اسی وقت جواب دیدیا اور پھر وہ بیٹھ گئے۔ پھر میں نے کہا کہ اور کسی کو کچھ کہنا ہے لیکن پھر کسی کو ہمت نہ ہوئی اس کے بعد میں نے کہا کہ صاحبو اب وعظ ختم ہوا۔ چونکہ میں اس جلسہ کا صدر ہوں اس حیثیت سے یہ تجویز کرتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اب اس کے بعد کوئی بیان نہ ہو نہ کوئی شاعر صاحب کوئی نظم پڑھیں نہ کوئی ناشر صاحب کچھ بیان فرمائیں کیونکہ اب کچھ بیان کرنے کو رہا ہی نہیں۔ اگر اب کوئی بیان ہو گا تو جو بیان ہو چکا ہے اس کا اثر جاتا رہے گا۔ اور یہ سب مضامین توجہ منتقل ہو جانے پر ذہن سے نکل جائیں گے۔ چونکہ ضابطہ کی رو سے اس تجویز کے خلاف کوئی کچھ نہ کہہ سکتا تھا اس لئے سب خاموش رہے اور جلسہ ختم ہو گیا اس کے بعد لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں اور منتظمان کو برا بھلا کہنے لگے کہ تم نے ان کی صدارت کو کیوں منظور کر لیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ کیا ہمیں غیب کی خبر تھی کہ یہ ہو گا۔ تو غرض میں نے تو ہمیشہ گنوار ہی پن کیا اور الحمد للہ کہیں مرعوب و مغلوب نہیں ہوا اور ایک ایسا ہی خشک جواب سہارنپور کے جلسہ میں دیا تھا وہ بھی بہت بڑا جلسہ تھا۔

سب تک آواز نہ پہنچ سکتی تھی کیونکہ میں مکبر الصوت آلہ تو ہوں نہیں حتی الامکان اس کی کوشش تو ہر جلسہ وعظ میں کرنے کا میرا معمول تھا کہ جہاں تک ہو سکے سب کو آواز سنائی دے چنانچہ اپنا رخ بھی ہر طرف پھیرتا رہتا تھا

لیکن آخر ایک وقت میں دو طرف کیسے متوجہ ہو سکتا تھا کچھ نہ کچھ دور کے سامعین کو تو سننے سے رہ ہی جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک صاحب نے پکار کر کہا کہ ذرا ادھر بھی توجہ فرمائیے سنائی نہیں دیتا۔ اب اس کا اخلاقی جواب تو یہ تھا کہ بھائی اب اور زیادہ کوشش کروں گا کہ سب جگہ آواز پہنچے لیکن میں نے یہ جواب نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ جسے سنائی نہ دے وہ چلا جاوے۔ میں کسی کا نوکر نہیں ہوں جتنی خدمت کر سکتا ہوں کرتا ہوں کسی کو مطالبہ کا حق نہیں اس پر وہ اٹھ کر چل دیئے۔ یہ تھوڑا ہی ہے کہ بس ہمیں دنیا میں تیز ہیں اور بھی تیز ہیں مگر مختلف مذاق کے لوگوں کو کیسے راضی کیا جا سکتا ہے غرض یہ طریقہ کئی کئی شخصوں کے بیان کرنے کا مجھے بالکل پسند نہیں بلکہ میں تو کئی شخصوں کے بیان کرنے کو اس لئے بھی خلاف مصلحت سمجھتا ہوں کہ پھر لوگوں کو مختلف واعظوں میں موازنہ کرنے کا موقع ملتا ہے جیسے گھوڑ دوڑ میں دوڑیں تو گھوڑے اور شرط لگاویں دیکھنے والے اور تماشائی اور بعد کو آپ میں یہ کہیں کہ دیکھو ہمارا گھوڑا جیتا۔ تمہارا گھوڑا ہارا وہی معاملہ مولوی صاحبان کے ساتھ ایسے موقعوں پر کیا جاتا ہے اور رائے زنی کی جاتی ہے کہ فلاں مولوی صاحب کا وعظ اچھا رہا فلاں کا اچھا نہیں رہا۔ اور یہ مختلف لوگوں کا بیان اور ان کی تحدید و تقسیم لیکچروں میں تو ہو بھی سکتی ہے کیونکہ ان میں تو محض الفاظ ہی الفاظ ہوتے ہیں لیکن وعظوں میں چونکہ علوم ہوتے ہیں اس لئے ان میں تحدید و تقسیم نہیں ہو سکتی۔ اور علوم وغیر علوم میں اسی فرق کی بناء پر میں نے ایک وکیل صاحب کو جواب دیا تھا میں نے یہ کہا تھا کہ مجھ سے مجمع میں بیٹھ کر علمی مضامین نہیں لکھے جاتے وہ بولے ہم تو کیسا ہی پیچیدہ مقدمہ ہو مجمع میں بیٹھ کر اس کی مسل کو دیکھتے ہیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے اپنی رائے قائم کر لیتے ہیں اور جواب یا دعویٰ لکھوا دیتے ہیں میں نے کہا وکیل صاحب آپ کے یہاں علوم کہاں ہیں اگر آپ علوم میں خوض کریں اس وقت اندازہ ہو کہ میرا کہنا صحیح ہے یا غلط آپ کے یہاں تو صرف ضابطے کے چند قانونی الفاظ ہیں علوم کہاں خصوص جب وکیل صاحب کے ذہن میں یہ بھی نہ ہو کہ عنداللہ

اس کی جواب دہی ہے۔ ایک بزرگ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب مجھ سے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا ہے تو اس کے جواب کے قبل میں یہ مستحضر کر لیتا ہوں کہ اس وقت میں حق تعالیٰ کے سامنے ہوں اور قیامت کا میدان ہے وہاں مجھ سے مسئلہ پوچھا گیا ہے۔ اور اس وقت جب اس کا جواب دوں گا تو اس جواب کی دلیل بھی مجھ سے پوچھی جائے گی کہ کہاں سے یہ کہا جب یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اگر دلیل پوچھی گئی تو اپنے جواب کی دلیل بھی حق تعالیٰ کے سامنے بیان کر سکوں گا اس وقت جواب دیتا ہوں ورنہ جواب ہی نہیں دیتا۔ اس استحضار حساب کی وجہ سے علماء وغیر علماء میں یہ فرق ہے کہ کیا آپ نے کسی بیرسٹر یا وکیل کو بھی دیکھا ہے کہ اس نے اپنی کسی غلطی کا اعلان کیا ہو حالانکہ کیا ان سے کبھی غلطی ہی نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے۔ لیکن کہیں آپ نے دیکھا ہے کہ اپنی غلطی کو کسی نے شائع کیا ہو کہ مجھ سے فلاں مقدمہ میں فلاں غلطی ہو گئی ہے تاکہ دوسروں کو اس سے غلط فہمی نہ ہو اور نقصان نہ پہنچے۔ اور میں ایسے علماء آپ کو دکھلاتا ہوں جنہوں نے یہ اعلان کیا ہے کہ فلاں مسئلہ میں ہم سے غلطی ہو گئی ہے ہم اس سے رجوع کرتے ہیں کیونکہ امت کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے اگر وہ ایسا نہ کریں تو امت گمراہ ہو اور یہ اس کے ذمہ دار اور اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ دار ہوں بہ خلاف اس کے وکیل صاحب نے الٹی سیدھی مقدمہ کی پیروی کی اور بری الذمہ ہو گئے تو کہاں یہ کام کہاں وہ کام۔ الحمدللہ میرے یہاں خود ایک سلسلہ ہے ترجیح الراجح کا جس میں جتنی غلطیاں مجھ سے ہوتی ہیں ان کو وقتاً فوقتاً سال کے ختم پر شائع کرتا رہتا ہوں اگر کوئی بچہ بھی متنبہ کرے اور مجھے اطمینان ہو جاوے کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی تو میں بلا تامل اس کو تسلیم کر لیتا ہوں اور اپنی رائے سے رجوع کر لیتا ہوں بعضے لوگ اس پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ مزاج میں استقلال نہیں کبھی کچھ فتویٰ دیدیتے ہیں کبھی کچھ اور کیا یہ اچھا ہوتا کہ جہل پر جما رہتا اور اگر غلطی معلوم بھی ہو جاتی پھر بھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ بانکتا رہتا چاہے امت گمراہ ہو حضرت امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کتنے

بڑے امام تھے ان سے کسی نے ایک جلسہ میں چالیس سوال کئے جن میں سے چھتیس پر لاادری کہا اور صرف چار کا جواب دیا۔ آخر خدا کا خوف بھی کوئی چیز ہے اور تو اور خود جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا کہ شر البقاع کونسی جگہ ہے اور خیر البقاع کونسی جگہ ہے کیا اتنی سی بات بھی حضور خود نہیں فرما سکتے تھے یہ کوئی بڑی باریک بات نہ تھی کہ سب سے اچھا مقام کون ہے اور سب سے برا مقام کون ہے۔ اس کا جواب تو کلیات سے ہم جیسے نالائق بھی سوچ کر دے سکتے ہیں مثلاً یہ کہہ سکتے تھے کہ جہاں طاعت ہو وہ سب سے اچھا مقام ہے اور جہاں معصیت ہو وہ سب سے برا مقام ہے یہ میں نے محض مثال کے طور پر کہا تاکہ یہ معلوم ہو جاوے کہ اس سوال کا جواب کچھ مشکل نہ تھا لیکن پھر بھی حضور ایسے امور میں رائے زنی کو جائز نہیں سمجھا اور فرمایا کہ مجھے تحقیق نہیں ہے میں حق تعالیٰ جل شانہ سے پوچھ کر اس کا جواب دوں گا چنانچہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے پوچھا انہوں نے بھی یہی فرما دیا کہ مجھے تحقیق نہیں پھر وہ حق تعالیٰ سے پوچھ کر جواب لائے اور عرض کیا کہ چونکہ حضور کا سوال تھا اس لئے مجھے آج حق تعالیٰ کا اتنا قرب ہوا کہ اس سے قبل اتنا قرب کبھی نہیں ہوا۔ اور فرمایا کہ آج حضور کے پیغام کی برکت حق تعالیٰ جل شانہ کے اور میرے درمیان میں صرف ستر ہزار حجاب رہ گئے تھے باقی سب اٹھا دئے گئے تھے۔ اس سے سمجھ لیجئے کہ دراصل کتنے حجاب ہیں پھر آپ نے اللہ تعالیٰ کا جواب نقل فرمایا کہ سب سے اچھی جگہ مسجد ہے اور سب سے بری جگہ بازار ہے جب سائل آیا تو حضور نے اس سے یہی جواب نقل فرما دیا۔ تو صاحب حضور اقدس تو سوالات کے جواب میں انتظار نص کا اور تحقیق کا فرماویں اور ہم لوگ اٹکل پچو جو جی میں آوے ہانک دیں اب تو ہر شخص اپنے حق میں یہ گمان کرتا ہے کہ میں خود قانون ساز ہوں۔ سوالات کا جواب دینا کیا مشکل ہے حالانکہ یہ بڑی ذمہ داری کا کام ہے اور حضور کا اتباع تو ہر چیز میں ہے پس جیسے تحقیقات میں اتباع ہے اس میں بھی اتباع ہے

کہ جو تحقیق نہ ہو کہہ دے کہ مجھے تحقیق نہیں یہ بھی تو اتباع ہی میں داخل ہے تو امت کو اس کی اجازت نہیں کہ چاہے تحقیق ہو یا نہ ہو ہر سوال کا کچھ نہ کچھ جواب دیدے۔ سو آج کل ایک تو یہ مرض ہے کہ بلا تحقیق کے سوال کا جواب دیدیا جاتا ہے اور یہ کہ ہر سوال کا جواب ہر سائل کو دیدیا جاتا ہے حالانکہ ہر سوال کا جواب ہر سائل کے مناسب نہیں ہوتا مثلاً اگر کوئی طبیب سے سنکھیا اور کچلے کے مدبر کرنے کی ترکیب پوچھے تو گو طبیب ناواقف نہیں لیکن کیا ہر شخص کو اس کی ترکیب بتا دینا مناسب ہے۔ اگر طبیب کو کسی مریض پر یہ اطمینان نہ ہو کہ اس سے سنکھیا اچھی طرح مدبر ہو سکے گا تو اگر وہ طبیب مدبر (بصیغہ اسم الفاعل) ہے تو اس کو وہ نسخہ ہرگز نہ بتائے گا۔ اسی طرح علماء کو چاہئے کہ یہ سمجھیں کہ کون سا سوال کس کے منصب کے مناسب ہے بعضا سوال غیر ضروری ہوتا ہے بعضا غیر مناسب اگر کوئی اصرار کرے تو کہہ دے کہ مجھے تحقیق نہیں اور اگر یہ کہتے ہوئے عار آوے تو کہہ دے کہ یہ سوال تمہارے منصب سے بالاتر ہے بہت سے بہت وہ یہ سمجھے گا کہ انہیں کچھ آتا نہیں تو اس سے تمہارا کیا نقصان۔ اگر کوئی کہے گا کہ انہیں کچھ نہیں آتا تو کیا وہ تم سے کچھ چھین لے گا۔ کیمیا گر سے اگر کوئی کہے کہ تمہیں کچھ نہیں آتا تم جھوٹے ہو تو وہ اس کہنے سے ذرہ برابر دلگیر نہ ہو گا۔ اگر ساری دنیا بھی کہے کہ وہ جھوٹا ہے تو اگر وہ سچ مچ کیمیا گر ہے تو اس کو کچھ قلق نہیں ہو گا کیونکہ وہ تو اپنے کمال میں مست ہے بلکہ اور خوش ہو گا کہ اچھا ہے لوگ مجھے جھوٹا سمجھیں ورنہ ناحق پولیس کی نگرانی ہونے لگے گی اسی طرح جو سچے مشائخ ہیں اگر ان کے معتقدین کم ہو جائیں تو وہ تو اور خوش ہوں کہ اچھا ہے ذمہ داری کم ہوئی۔ اگر امام سنے کہ میرے بیس مقتدیوں میں دس مقتدی کم ہو گئے تو یہ خوش ہونے کی بات ہے کیونکہ بوجھ ہلکا ہوا۔ اگر بعد کو معلوم ہوا کہ وضو نہیں کیا تھا نماز نہیں ہوئی تو دس ہی سے کہنا پڑے گا کہ اپنی نماز لوٹا لیں ورنہ بیس سے کہنا پڑتا تو جتنے معتقد کم ہوں اچھا ہے مگر آج کل اس کی کوشش کی جاتی ہے کہ معتقد بڑھیں تو یہ امراض ہیں بعضے

نامناسب سوالات کا جو میں جواب نہیں دیتا تو میرے پاس دھمکی کے خطوط آتے ہیں کہ حدیث میں ہے۔

من سئل عن علم فکتمه الجمه اللّٰه بلجام النار یوم القیمة

یعنی اگر کسی سے کوئی علم کی بات پوچھی جاوے اور وہ اس کو نہ بتلاوے تو اس کو دوزخ کی لگام لگائی جاوے گی۔ اس قدر بد تہذیبی پھیل گئی ہے کہ مسئلہ پوچھتے ہیں اور یہ حدیث لکھتے ہیں ارے بھائی جس سے مسئلہ پوچھا جائے کیا اس سے یہی معاملہ کیا جاتا ہے افسوس کسی عالم سے کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب نہیں دیا کیونکہ وہ سائل کے مناسب نہ تھا بہت سے ایسے مسائل ہیں جو عوام کے سمجھنے کے نہیں مثلاً تقدیر کا مسئلہ یا تصوف کا کوئی باریک مسئلہ مثلاً وحدۃ الوجود فرض کیجئے کوئی عامی ایسا مسئلہ پوچھتا ہے تو اس کو کیا جواب دیا جائے گا یہی کہ بھائی یہ تیری سمجھ سے باہر ہے اور اگر اس کو جواب دیا گیا تو وہ گمراہ ہو گا۔ سو وہ کوئی ایسا ہی مسئلہ تھا اس نے انہیں یہی حدیث سنائی اور کہا کہ قیامت میں تمہارے دوزخ کی لگام لگائی جاوے گی انہوں نے اس کو خوب جواب دیا کہا کہ بہت اچھا جب قیامت میں میرے لگام لگے اور میں آپ کو مدد کے لئے بلاؤں تو اس وقت مت آئے گا آپ بے فکر رہئے آپ کو تکلیف نہیں دوں گا اور اگر مدد کے لئے بلاؤں تو تم مت آنا تم میری فکر میں نہ پڑو۔ ایسے موقعوں پر میں بھی یہی جواب دیدیا کرتا ہوں ہر شے کے قواعد ہیں بات یہ ہے استفتاء اور افتاء یعنی سوال اور جواب کے بھی قواعد ہیں ان قواعد کے اندر رہ کر جواب دینا چاہئے ایسا تابع عوام نہ ہو جانا چاہئے کہ وہ جیسا بھی سوال کریں اس کا جواب ضرور دیدیا جائے چاہے وہ جواب ان کے مناسب ہو یا نہ ہو۔ مگر آج کل تو بس اس کی کوشش ہے کہ کوئی بد اعتقاد نہ ہو جاوے اور یہ نہ سمجھ لے کہ ان کو کچھ آتا نہیں میں کہتا ہوں کہ اگر واقع میں بھی نہ آتا ہو تو اس میں عار کی کیا بات ہے۔ بزر جمہر جو نوشیرواں کا وزیر تھا ایک دانشمند شخص تھا اس کا شمار حکماء میں ہے اس سے کسی بڑھیا نے کوئی بات پوچھی اس نے صاف کہہ دیا کہ مجھے معلوم نہیں

بڑھیا نے کہا کہ تم اتنے تو مشہور دانشمند ہو اور سلطنت کے سب کام تمہارے سپرد ہیں اور پھر بھی تمہیں اتنی سی بات معلوم نہیں اس نے اس کا بڑا اچھا جواب دیا کہا کہ بڑی بی یہ تو معلومات کی تنخواہ ہے جو مجھ کو خزانہ شاہی سے ملتی ہے اور اگر کہیں مجہولات کے مقابلہ میں تنخواہ ہوتی تو مجہولات اتنی ہیں کہ ایک خزانہ تو کیا دس خزانے بھی اس کے لئے کافی نہ ہوتے وجہ یہ کہ ہر شخص کے معلومات تو محدود ہیں اور مجہولات نا محدود ہیں سو جس کے علم کی یہ حالت ہو وہ کیا دعویٰ کرے عالم ہونے کا اس حالت میں دعویٰ محض کبر ہے جو ناشی ہوتا ہے جہل سے اس جہل کے سبب سمجھتا ہے کہ میں بڑا فلسفی ہوں عاقل ہوں عالم ہوں قانون دان ہوں ایسا ہوں ویسا ہوں یہ سب دعویٰ اسی جہل سے ناشی ہیں کہ وہ علم کی حقیقت کو جانتا نہیں اور اس کے درجہ کو سمجھتا نہیں اگر حقیقت پر نظر ہوتی تو وہ اتنی دور ہے کہ اس کے سامنے اپنی معلومات ہیچ در ہیچ نظر آتیں اور یہ یقین ہو جاتا کہ میں کچھ نہیں جانتا حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہ ایک بار وعظ سے فارغ ہوئے جس میں عجیب عجیب علوم و حقائق بیان فرمائے تھے لوگ بہت خوش ہوئے اور کسی نے کہا کہ سبحان اللہ کیا علم ہے مولانا نے فرمایا کہ میرا علم تو کچھ بھی نہیں اس نے عرض کیا کہ یہ حضرت کی تواضع ہے اس پر ایک بڑی اچھی بات فرمائی فرمایا کہ یہ میں نے تواضع سے نہیں کہا بلکہ یہ کہنا کہ میرا علم کچھ نہیں یہ دراصل تکبر کا کلمہ ہے کیونکہ یہ بات وہ شخص کہے گا جو حقیقت علم کی جانتا ہوں سو اس کہنے سے تو یہ معلوم ہوا کہ میں علم کی حقیقت جانتا ہوں خیر یہ ایک لطیفہ ہے اسی کی نظیر ایک حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے حضرت کی خدمت میں کوئی بزرگ تشریف لائے حضرت نے اپنے حسن ظن کا اظہار فرمایا تو انہوں نے کہا من ہیچ نیم حضرت ہنسنے لگے اور حاضرین سے فرمایا کہ جب عارف اپنی تعریف کرنا چاہتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ من ہیچ نیم گویا فناء کا دعویٰ کرتا ہے اسی طرح ایک بزرگ کانپور میں آئے تھے عبدالرحمن خان کے مدح کے جواب میں انہوں نے کہا تھا کہ من آنم کہ من دانم ۔

خانصاحب نے کہا کہ یہ تو معرفت نفس کا دعویٰ ہے جس کے لوازم میں سے معرفت رب ہے جیسا بزرگوں کا ارشاد ہے من عرف نفسه فقد عرف ربه اور یہ جو میں نے کہا کہ کمال کی حقیقت جاننے والا اپنے سے کمال کی نفی کرے گا اس میں وجود کا کمال بھی آگیا۔ اسی طرح اس کی حقیقت پر جب نظر ہو گی اس وقت اس کو صرف حق تعالیٰ ہی کے لئے ثابت کرے گا اور غیر حق سے اس کی نفی کرے گا مگر نفی بمعنے بطلان نہیں بلکہ بمعنے اضمحلال اور مسئلہ وحدۃ الوجود کی یہی حقیقت ہے اس تفسیر کے بعد اہل ظاہر کا اس پر یہ اعتراض کہ یہ محض باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو فرمائیں کہ الله خالق کل شئی خدا تو کہے کہ میں نے مخلوق کو وجود دیا اور یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کا وجود ہی نہیں مگر اس شرح کے بعد یہ اعتراض محض بے بنیاد ہو گیا پس مسئلہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا وجود وجود حقیقی ہے اور مخلوق کا وجود محض ظلی اور عارضی ہے تو اس معنے جو اصل وجود اللہ تعالیٰ ہی کا ہوا اور اس کے مقابلہ میں سب کا وجود عدم کے مشابہ ہوا اس لئے اس مسئلہ کا لقب وحدۃ الوجود پڑ گیا گویا وجود جو وجود کہنے کا مستحق ہے وہ ایک ہی ہے یعنی حق تعالیٰ کا اور اس کے آگے سب کا وجود معتد بہ اور قابل اعتناء و قابل اعتبار و قابل شمار نہیں سو مسئلہ محض بے غبار ہے البتہ وہ درجہ علم میں قوم کا مقصود نہیں بلکہ درجہ حال میں مقصود ہے اور اس درجہ حال کو ایک مثال سے سمجھو کہ ایک تحصیلدار اپنے اجلاس میں بیٹھا حاکمانہ لہجہ سے اپنے ماتحتوں کو خطاب کر رہا ہے کیونکہ آخر اس کو خدا نے حکومت دی ہے اور حکومت کا اثر ہوتا ہی ہے اتنے میں وائسرائے اپنے نظام اور پروگرام کے خلاف دورہ کرتے کرتے دفعتہً تحصیل میں بے شان و گمان آپہنچا جیسے کہ حکام اکثر کسی مصلحت سے ایسا کرتے بھی ہیں۔ کیا اس وقت تحصیلدار وائسرائے کے سامنے اپنی کوئی ہستی سمجھے گا اب اس کا کیا رنگ ہو گا اس قدر مغلوب اور مرعوب ہو گا کہ اپنے کسی ماتحت سے بھی حاکمانہ لہجہ سے خطاب نہ کر سکے گا اور یہ حالت بلا قصد ہو گی بلکہ اگر اس کے خلاف کا بھی وہ قصد کرے گا تب بھی وہ حاکمانہ لہجہ اور اپنی شان

حکومت دکھلانے پر ہرگز قادر نہ ہو سکے گا۔ اب تحصیلدار صاحب لاکھ سوچتے ہیں کہ میں تحصیلدار ہوں حاکم ہوں اور ساری تحصیل پر میری حکومت ہے اور ان سب باتوں کو متحضر کر کے وہ چاہتا ہے کہ اسی جوش سے اپنے چپراسی کو حکم دے مگر اس پر قادر ہی نہیں ہوتا اور آواز ہی نہیں نکلتی بلکہ اس وقت اگر اس کے ساتھ کوئی ادب اور تعظیم کا برتاؤ کرے تو وہ بھی اس کو ناگوار ہو۔ گو قانون سے اس کو نہ تعظیم کے لئے اٹھنا ضروری ہے نہ عدالت کے وقت کے بعد وہاں موجود رہنا ضروری لیکن بھلا وہ بیٹھا تو رہے یا اٹھ کر وہاں سے چلا تو جاوے اگر ایسے وقت بہ تکلف جانے کا قصد بھی کرتا ہے تو ایک ایک قدم سو سو من کا ہو جاتا ہے اور آگے نہیں پڑتا بلکہ عجب نہیں کہ مارے رعب کے بے ہوش ہو جاوے چنانچہ بعضے گواہ رعب حکومت سے بر سر اجلاس بے ہوش ہو گئے ہیں اور بعضے کچھ کا کچھ کہہ گئے یہاں تک کہ حاکم کو یہ کہنا پڑا کہ انہیں باہر لے جا کر کچھ ٹہلاؤ تاکہ ان کے حواس درست ہوں لیکن جب واپس آئے تو پھر حواس گم بس یہ ہے وحدۃ الوجود جو کیفیت اس تحصیلدار کی وائسرائے کے سامنے ہوئی اگر یہی کیفیت بندہ کی حق تعالیٰ جل شانہ کے سامنے ہو تو وہ وحدہ الوجود ہے اسی کو شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے کئی مقام پر مختلف عنوانات سے بوستان میں بیان کیا ہے۔ میں ان مقامات کے ابتدائی حصوں کے پتے دیتا ہوں کہ اگر کسی کا دل چاہے دیکھ لے۔

مقام اول ۔

رئیس دہے باپسر در دہے
گذشتند بر قلب شاہ نشہے

الی قولہ ۔

تو اے غافل از حق چناں درد ہی
کہ بر خویشتن منصبے می نہی

مقام ثانی ۔

یکے قطرہ از ابر نیساں چکید
خجل شد چو دریائے پہنا بدید

الی قولہ ؎

کہ جائے کہ دریاست من کیتم
گر اوہست حقا کہ من نیستم

ع گراوہست حقاکہ من نیستم۔ یعنی میری تو اس کے ساتھ یہ نسبت ہے کہ اگر وہ ہست ہے تو میں نیست ہوں

ثم الی قولہ ؎

ہمہ گرچہ ہستند ازاں کمترند
کہ با ہستیش نام ہستی برند

مقام ثالث ؎

مگر دیدہ باشی کہ درباغ وراغ بتا بد ہمی کرمکے چوں چراغ
کسے گفت کاے کرمک دل فروز چہ بودت کہ دیگر نیائی بہ روز
ببین کرمک آتشیں خاک زاد جواب از سر روشنائی چہ داد
کہ من روز و شب جز بہ صحرا نیم ولے پیش خورشید پیدا نیم

ایک اور مثال سمجھو۔ کیا ستارے دن میں آسمان پر موجود نہیں ہیں ضرور موجود ہیں لیکن ان کا وجود آفتاب کے سامنے اتنا مضمحل ہو گیا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کا وجود ہی نہیں پس بالکل اسی طرح گو ممکنات کا وجود تو ہے لیکن واجب کے وجود کے سامنے بالکل مضمحل اور کالعدم ہے جس کو یہ اضمحلال درجہ حال میں محسوس ہونے لگتا ہے اس کی نظر پھر اور کسی کے وجود کی طرف ہوتی ہی نہیں لیکن عدم نظر عدم واقعی کو تو مستلزم نہیں۔ یہ بات اتنی سہل ہے کہ ایک گنوار کو بھی سمجھایا جا سکتا ہے غرض اس مسئلہ وحدۃ الوجود کی حقیقت تحقیق علمی کے درجہ میں تو ہم سب سمجھ سکتے ہیں لیکن صرف اس سے عارف نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف کا حال ہوتا ہے ہمارا محض قال ہوتا ہے باقی

ہم تو اس کے حال کو محض الفاظ میں نقل کر دیتے ہیں جیسے طوطے صاحب نبی جی بھیجو نبی جی بھیجو رٹ رہے تھے مگر جب بلی نے آکر دبوچا تو سوائے ٹیں ٹیں کے اس وقت کچھ منہ سے نہ نکلا سب پڑھنا بھول گئے کیونکہ وہ پڑھنا نرا قال تھا حال نہ تھا۔ اسی طرح ہمارا صرف قال ہے اور عارف کا حال ہوتا ہے صاحب حال کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ اس کو نہ کسی سے نفع کی توقع ہوتی ہے نہ کسی کے ضرر کا خوف ہوتا ہے رہے یہ نقال جو تصوف بگھارتے پھرتے ہیں ان کے پکڑنے کو تو اگر کوئی کانسٹیبل آجائے تو ڈر کے مارے کانپنے لگیں اور ذہان ساری دنیا کے بادشاہ بھی ہجوم کر کے اس پر چڑہائی کر دیں تب بھی اس کے قلب میں ذرہ برابر اثر نہ ہو یہ فرق ہے نقال میں اور صوفی میں اور یہ حال اگر کسی کو حاصل کرنا ہو تو اس کی یہ تدبیر نہیں کہ نری تحقیق علمی کو کافی سمجھ لے بلکہ اس کے لئے شیخ کی ضرورت ہے تقریر کے وقت ایک صاحب کے اس کہنے پر کہ اب تو یہ مسئلہ بہت آسان ہو گیا فرمایا کہ صرف لفظ آسان ہو گئے لیکن اس آسانی سے کیا ہوتا ہے بس ایسا آسان ہو گیا جیسے ایک پیر زادے جو کماؤ کھاؤ تھے وہ بہت لمبے لمبے سفر پیدل کرتے تھے اور جہاں جہاں ان کے مرید ہوتے وہاں ٹھہرتے اور ایک ایک دن میں کئی کئی جگہ دعوت کھاتے۔ وہ چلتے بھی بہت تھے پچاس ساٹھ کوس روزانہ پیدل چل لیتے تھے اور کھاؤ بھی بہت تھے کل ملا کر چار پانچ سیر روز کھا لیتے ہوں گے ایک مرتبہ ایک نائی ان کے ساتھ ہو گیا جو چلتے چلتے اور کھاتے کھاتے تھک گیا جب اس نے انکار کیا تو پیرزادے صاحب کہتے ہیں کہ ارے بیوقوف چلنا اور کھانا بھی کوئی مشکل کام ہے پاؤں اٹھایا آگے رکھ دیا لقمہ اٹھایا منہ میں رکھ لیا۔

اب دیکھئے لفظ تو کتنے آسان ہیں لیکن کوئی کر کے دیکھے اس وقت اصل اور نقل کا فرق معلوم ہو گا جیسے ایک شخص نے تو شراب پی رکھی ہے ایسے شخص کی نشہ میں ایک خاص ہیئت ہوتی ہے اور ایک شرابیوں کی محض نقل کر رہا ہے اس نے خود شراب نہیں پی تو جس نے شرابیوں کو دیکھا ہو گا وہ دیکھتے ہی پہچان

لے گا کہ یہ شراب پیے ہوئے ہے اور وہ شرابیوں کی محض نقل اتار رہا ہے اور دونوں کی حالتوں میں کھلا ہوا فرق محسوس کرے گا اور دیکھتے ہی سمجھ لے گا کہ یہ اور حالت ہے وہ اور حالت ہے یہ ساختہ ہے وہ بیساختہ ہے اسی طرح اہل حال پر جو سکر کی حالت طاری ہوتی ہے وہ حقیقت شناسی سے ناشی ہوتی ہے اس کا رنگ ہی دوسرا ہوتا ہے اور جو محض ملفوظات کا نقل کرنے والا ہے اس کا وہ رنگ کہاں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

حرف درویشاں بدزدو مردوں   تابہ پیش جاہلاں خواند فسوں

تو تصوف محض الفاظ ہی کے درجہ میں آسان ہے معنی کے اعتبار سے آسان نہیں اسی کو کہتے ہیں ؎

صوفی نشود صافی تادر نکشد جامے

بسیار سفر باید تاپختہ شود خامے

فقط۔ اس تقریر پر مجلس بھی ختم ہوگئی پھر تحصیلدار صاحب لکھنو کو جن کی حاضری کا ذکر اس ملفوظ کے شروع میں ہے خطاب کر کے فرمایا کہ آج ہمارے تحصیلدار صاحب کی برکت ہے جو اتنے مضمون ذہن میں آگئے اور مثال بھی میں نے تحصیلدار ہی کی دی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کا سبب صدور کیا ہے۔

۲؍رمضان المبارک چہار شنبہ مجلس صبح

(ملفوظ ۱۲۸) خلاف اصول ہونے کے سبب ایک صاحب کو حاضری کی ممانعت

کل ایک صاحب کو خلاف اصول ہونے کی بناء پر حاضری کی اجازت نہیں دی گئی تھی وہ بہت خفا ہو کر گئے اور کہا کہ میرے تو بزرگوں سے ان کے تعلقات تھے۔ حضرت اقدس نے سن کر منجملہ اور امور کے فرمایا کہ اگر وہ اپنے

بزرگوں کا حوالہ دیدیتے تو میں ضرور بلا لیتا خود تو پہلے اطلاع نہ دی۔ پھر الٹا مجھ پر الزام۔ پھر جب وہ مجھ سے اس بات کے متوقع تھے کہ ان کے بزرگوں کے ساتھ جو میرے تعلقات تھے ان سے میں متاثر ہوں گا تو ان تعلقات کا اثر خود انہوں نے کیوں نہ لیا کہ میرے انکار اجازت سے برا نہ مانتے۔ ان کو تو ان تعلقات کا علم تھا مجھے تو علم بھی نہ تھا۔ ان کو تو ضرور ہی اثر لینا چاہئے تھا۔

(ملفوظ ۱۲۹) بیماری میں اجر و ثواب

ضعف علالت کے متعلق فرمایا کہ دیر دیر تک سوچا کرتا ہوں اس کے بعد مشکل سے وضو کے لئے اٹھا جاتا ہے۔ لکھنے پڑھنے کے کام کم کر دئے تھے تاکہ ذکر اللہ کے لئے وقت ملے کیونکہ کبھی وقت ہی نہیں ملا بڑی ہوس تھی لیکن جب فارغ ہو گیا تو اب یہ عوارض ہو گئے ۔

گر گریزی بر امید راحتے
زان طرف ہم پیشت آید آفتے

جتنا اس وقت بھاگتے دوڑتے تلاوت اور ذکر اللہ وغیرہ ہو جاتا وہ بھی اب مختل ہو گیا اب بوجہ ضعف اس کی ہمت ہی نہیں۔ بندہ کے حساب لگانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ ہم لوگوں میں قابلیت ہی نہیں ہے کہ مجرد ذکر اللہ کے لئے اپنے کو فارغ رکھیں کیونکہ حدیثوں میں بیماری پر بھی اجر آیا ہے اور بہت فضیلت وارد ہوئی ہے۔ مشہور تو یہ ہے کہ جب صبر کرے تب اجر ملتا ہے مگر بعض محققین کی یہ تحقیق ہے کہ مرض کا اجر علیحدہ ہے اور صبر کا الگ۔ مرض الگ چیز ہے اور صبر الگ چیز۔ مرض غیر اختیاری چیز ہے اور صبر اختیاری چیز۔ دونوں ایک نہیں میں قواعد فن سے کہتا ہوں کہ عدم صبر میں بھی مرض کا اجر ملے گا گو بے صبری کا مواخذہ الگ ہو گا۔ اس سے مرض کا اجر کیوں فوت ہو جاوے گا۔ جیسے آج کل رمضان کا مہینہ ہے بہت لوگ ایسے ہیں کہ روزہ تو رکھتے ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے تو نماز نہ پڑھنے کا مواخذہ الگ ہو گا اور روزے رکھنے کا

اجر الگ ملے گا۔

(ملفوظ ۱۳۰) دنیا کی حقیقت بھی اہل دین نے سمجھی

کسی سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ رسوم کی پابندی حقائق سمجھنے کے لئے حجاب ہو جاتی ہے چنانچہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے عام دستور کے خلاف سفر میں ساتھ لے جانے کے لئے لحاف کی اس طرح تہ بنائی کہ استر تو اندر کی طرف رکھا اور ابرا باہر کی طرف۔ کسی نے یہ سمجھ کر کہ مولانا کو دنیا کی کیا خبر عام دستور کے مطابق اس کی تہ بنا دی۔ مولانا نے پھر اس کو درست کیا اور جب عرض کیا گیا کہ لحاف تہ کرنے کا معروف طریقہ یہی ہے تو فرمایا کہ کس عقلمند نے یہ طریقہ ایجاد کیا ہے۔ سفر کے گرد و غبار سے بچانا استر کا زیادہ ضروری ہے یا ابرے کا کیونکہ رات کو اوڑھتے وقت استر منہ پر رہتا ہے اگر استر میں گرد و غبار ہوا تو سانس کے ذریعہ سے اس کا اثر دماغ تک پہنچے گا تو دماغ کی حفاظت زیادہ ضروری ہے یا ابرے کی۔ دیکھئے یہ کتنی موٹی بات ہے لیکن اس طرف کسی کا ذہن نہیں جاتا۔ سب ابرے کی حفاظت کرتے ہیں استر کی نہیں کیونکہ استر تو اندر رہتا ہے اس لئے وہ چھپا رہتا ہے اس کو کوئی دیکھتا نہیں اور ابرا اوپر رہتا ہے اس کو سب دیکھتے ہیں وہ میلانہ ہونا چاہئے بس زینت اور تجمل پر نظر ہے۔ اس تقریر کے بعد ایک اہل علم نے عرض کیا کہ دنیا کی راحت اور آزادی بھی انہیں حضرات سے سیکھئے دنیا کی حقیقت بھی اہل دین ہی نے سمجھی ہے فرمایا کہ جی ہاں میں تو کہا کرتا ہوں کہ دنیا دار تو اپنی محبوبہ کو یعنی دنیا کو بھی نہیں پہچانتے۔ اچھا عشق ہے۔

۳ ررمضان المبارک ۱۳۶۰ھ پنجشنبہ

(ملفوظ ۱۳۱) سیاست دانی مولویت کے لئے شرط نہیں

نو تعلیم یافتوں کے اس اعتراض کا ذکر تھا کہ مولویوں کو سیاست نہیں

آتی نہ اس سے ان کو مناسبت حالانکہ یہ بہت ضروری چیز ہے۔

حضرت اقدس نے فرمایا کہ سیاست دانی مولویت کے لئے شرط نہیں اگر کسی مولوی کو اس سے مناسبت نہ ہو تو اس سے اس کی مولویت میں کچھ فرق نہیں آتا۔ یہ مناسبت الگ چیز ہے حتے کہ نبوت تک کے لئے بھی لازم نہیں چنانچہ یہ آیات اس کے متعلق نص صریح ہیں اَلَمْ تَرَاِلَی الْمَلَاِمِنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی اِذْقَالُوْالِنَبِیِّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الی قوله تعالی وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا دیکھئے باوجود ایک نبی کے موجود ہونے کے پھر بھی خاص قتال کے لئے ایک مستقل بادشاہ کی ضرورت سمجھی گئی اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شمویل علیہ السلام کے ہوتے ہوئے جو کہ نبی تھے طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی تک کے لئے سیاست دان ہونا ضروری نہیں تو جب نبوت سے سیاست کا مفارق ہونا ممکن ہے تو مولویت سے سیاست کے مفارق ہونے میں کیا اشکال ہے اور کیوں اعتراض ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ایک جماعت سیاست دان ہو اور دوسری جماعت صرف احکام کی تبلیغ کرے تو اس میں بھی کچھ حرج نہیں جیسے کہ طالوت تو سیاسی امور کو انجام دیتے تھے اور حضرت شمویل علیہ السلام احکام شرعیہ کی تبلیغ فرماتے تھے۔ البتہ اس صورت میں اہل سیاست کے ذمہ یہ ضروری ہو گا کہ وہ اہل شریعت سے جواز و عدم جواز کی تحقیق کر کر کے اپنے سیاسی امور کو انجام دیں۔ ہاں بعض انبیاء جامع بھی ہوئے ہیں چنانچہ ہمارے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی آپ میں دونوں شانیں بدرجہ کمال موجود تھیں لیکن ہر نبی تو جامع نہیں ہوئے۔ اسی طرح اگر حضور کے غلاموں میں بھی کوئی عالم مولویت اور سیاست دونوں کا جامع نہ ہو تو اس کو ناقص اور قابل ملامت کیوں سمجھا جاتا ہے اب دیکھئے جیسے طبیب کا نبی ہونا ضروری نہیں تو اس صورت میں اگر دوا کی ضرورت ہو گی تو حضور اقدس صلی

اللہ علیہ وسلم کا امتی دوا تو طبیب سے پوچھے گا اور یہ حضور سے پوچھے گا کہ یہ دوا حلال ہے یا حرام۔ ایک اور زیادہ قوی نظیر یاد آئی۔ فن باغبانی کا ایک معمول ہے جس کو تابیر کہتے ہیں اس کی ترکیب یہ ہے کہ کھجور کے درختوں میں ایک نر ہوتا ہے ایک مادہ۔ نر میں صرف پھول آتا ہے پھل نہیں آتا اور مادہ پر پھول بھی آتا ہے اور پھل بھی۔ نر کے پھولوں کو لیکر مادہ کے نیچے کھڑے ہو کر اوچھالا جاتا ہے وہ ٹہنیوں کو مس کرتے ہوئے نیچے گر جاتے ہیں۔ بس اسی سے کھجور کے مادہ درخت کو گویا حمل رہ جاتا ہے اس کا پھر یہ اثر ہوتا ہے کہ پھل بہت زیادہ آتا ہے اسی کو تابیر کہتے ہیں تو فن باغبانی کا یہ گویا ایک مسئلہ ہے جس کو اہل مدینہ سب جانتے تھے اور وہ ہر سال اسی کے مطابق عمل کرتے تھے اور یہ محض ایک دنیوی بات تھی لیکن جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے اس عمل کو دیکھ کر حضور کو شبہ ہوا کہ کہیں یہ عمل شگون کے طور پر تو نہیں کیا جاتا۔ دیکھئے اگر نبوت کے لئے فن باغبانی پر پورا عبور لازم ہوتا تو یہ شبہ ہی نہ ہوتا مگر چونکہ محض شبہ تھا یقین نہ تھا اس لئے آپ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو بہت ہی ہلکے لفظوں میں اس عمل سے منع فرمایا یعنی صرف یہ فرمایا کہ اگر ایسا نہ کرو تو اچھا ہے۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تو حضور کے جان نثار تھے اور حضور کے اشاروں پر چلتے تھے اس لئے انہوں نے جب فصل آئی تو اس معمول کو ترک کر دیا لیکن اس کا یہ اثر ہوا کہ اس سال پھل بہت کم آیا۔ جب حضور کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس عمل کی اجازت عطا فرمادی اور فرمایا انتم اعلم بامور دنیا کم یعنی یہ محض تجربہ کی بات تھی احکام سے اس کا کچھ تعلق نہیں اس کو تم زیادہ جانتے ہو باقی احکام خواہ وہ دنیا ہی کے متعلق ہوں اس میں ان اہل تجربہ کو بھی اتباع لازم ہوگا بعض اہل زیغ نے اس حدیث سے یہ استنباط کر لیا کہ نکاح طلاق میراث وغیرہ یہ سب دنیوی باتیں ہیں ان کے متعلق جو فقہاء نے مسائل لکھے ہیں ان پر عمل ضروری نہیں کیونکہ حضور کا ارشاد ہے انتم اعلم با مور دنیاکم

اھ اسی لئے میں نے حدیث کی یہ صحیح تفسیر کر دی کہ احکام سب واجب العمل ہیں چاہے وہ دنیا ہی کے متعلق ہوں۔ غرض جب حضور جیسے علوم اولین و آخری کے جاننے والے کے لئے فن باغبانی کے مسئلہ تابیر سے واقف ہونا لازم نہیں تو معلوم ہو گیا کہ یہ کوئی نقص نہیں پھر غضب ہے کہ نبی کا تو تمام فنون سے واقف نہ ہونا کوئی نقص نہ ہو اور ایک مولوی بیچارہ اگر فن سیاست نہ جانتا ہو تو اس کا یہ نقص سمجھا جاوے اور اس کو نشانہ ملامت بنایا جائے پھر نو تعلیم یافتوں کی تو کیا شکایت آج کل کے مولوی خود ہی پھسل گئے چنانچہ بعضوں نے میرے سامنے خود یہ تجویز پیش کی کہ علماء کو ماہر سیاست ہونا چاہئے ان کو مصر بھیجا جاوے۔ بیروت بھیجا جاوے تاکہ وہاں کے ماہرین سیاست سے وہ سیاست سیکھ کر آئیں اور یہاں کے مدارس دینیہ میں طلبہ کو سیاست کا باقاعدہ نصاب تجویز کر کے درس سیاست دیا کریں میں نے کہا کہ جائے اس کے کہ یہاں سے علماء وہاں سیاست سیکھنے کے لئے بھیجے جائیں وہاں سے ماہرین سیاست تنخواہ دیکر بلائے جائیں اور وہ علماء کے سامنے اپنے اصول سیاست کو پیش کر کے ان کے متعلق احکام شرعیہ پوچھیں اور علماء انہیں جزئیات سیاست کے متعلق شرعی احکام بتائیں۔ اس طرح ماہرین سیاست تو ماہر شریعت ہو جائیں اور ماہرین شریعت ماہر سیاست ہو جائیں نہ ہلدی لگے نہ پھٹکری۔ بس اس وقت تو ہاں ہاں کرتے رہے پھر وہی خبط۔

الفرقان میں ایک انگریزی داں عہدہ دار نے ایک مضمون لکھا ہے جس میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب حجتہ اللہ البالغہ کے حوالہ سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ عقل معاد کے ساتھ عقل معاش کا بھی ہونا ضروری ہے اور عقل معاش بھی محض احکام کی حکمتیں اور مصالح ہی نہیں بلکہ صنائع جدیدہ کی ایجاد جس کا کہیں حجتہ اللہ میں نشان تک نہیں ایسے لوگوں کا شریعت پر کچھ لکھنا یا کوئی کتاب تصنیف کرنا ایسا ہی ہے جیسے میں کوئی کتاب فن زراعت یا قانون کے موضوع پر تصنیف کروں۔ ایک ڈپٹی کلکٹر صاحب نے سود کے

متعلق مجھ سے کہا کہ فلاں صاحب کی تفسیر میں جو اردو کے مشہور مضمون نگار ہیں سود کے متعلق یہ لکھا ہے میں نے کہا کہ آپ ڈپٹی کلکٹر ہیں فیصلے کرتے ہیں آپ مجھے قانون کی اردو کتاب دیجئے میں نے عربی اور فارسی بھی پڑھی ہے اس لئے اردو کا سمجھنا میرے لئے کیا مشکل ہے میں اس کی شرح لکھ کر آپ کو دوں۔ اور میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس شرح کو کتاب کے الفاظ پر منطبق کر دوں گا پھر آپ اس تاریخ سے اسی شرح کے مطابق اپنے فیصلے لکھا کریں۔ اگر آپ ایسا کریں تو کیا گورنمنٹ سے آپ پر لتاڑ نہ پڑے ضرور پڑے اور سخت باز پرس ہو اس صورت میں آپ یہ جواب دیں کہ ایک ماہر زبان کی شرح کے مطابق میں نے فیصلے دیئے ہیں تو کیا یہ جواب قبول ہوگا ہرگز نہیں بلکہ یہ تنبیہ ہوگی کہ یہ مانا کہ وہ زبان جانتا ہے لیکن فن تو نہیں جانتا اس لئے اس کی رائے قانونی امور میں معتبر نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح فلاں بیچارہ کیا جانے کہ تفسیر کسے کہتے ہیں اھ پھر فرمایا کہ افسوس جو اٹھتا ہے سب سے پہلے قرآن پر یا دین پر مشق کرتا ہے چنانچہ دین پر ایک مشق یہ بھی کی جاتی ہے کہ احکام دینیہ سے مقصود بالذات صرف مصالح دنیویہ کو قرار دیا جاتا ہے ہم کو اس کا انکار نہیں کہ ان احکام سے بعضے دنیوی مصلحتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں لیکن وہ ان کے لئے موضوع تو نہیں مثلاً نماز باجماعت اصل میں تو موضوع ہے عبادت کے لئے لیکن اس میں یہ نفع بھی متوقع ہے کہ جب سب ملکر نماز پڑھیں گے تو آپس میں اتفاق ہوگا یہ تو نہیں کہ نماز باجماعت کا حکم ہی اتفاق کے لئے ہے اگر یہ بات ہے تو کلب گھر کو زیادہ ترجیح ہوگی کیونکہ مسجد میں تو اکثر نمازی امام تک کو بھی نہیں پہچانتے اور کلب گھر میں سب ممبر ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور آپس میں خوب میل جول ہوتا ہے جس سے محبت بڑھتی ہے اور اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ تو کلب گھر میں جانے کا اہتمام جماعت سے بھی زیادہ کرنا چاہئے۔ اگر دنیوی حکمتوں ہی پر مدار احکام رکھا جائے گا تو پھر ہمیشہ احکام بدلا کریں گے کیونکہ کبھی وہ حکمت کسی چیز سے حاصل ہوگی اور کبھی کسی چیز سے رہا ترتب بدون مقصودیت کے اس کا انکار نہیں جیسے کوئی جج

کو جائے تو اس سے اصل مقصود تو عبادت ہے یعنی طواف بیت اللہ اور وقوف عرفات لیکن راستے میں بمبئی اور سمندر کی سیر کا لطف بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ غرض لوگوں نے یہ گت بنا رکھی ہے شریعت کی۔

نوٹ از جامع۔ بعد برخاست مجلس ایک صاحب نے جو معززین لکھنو میں سے ہیں اور بہت قابل وکیل اور ایک کالج میں محمڈن لا (یعنی قانون شرع محمدی کے پروفیسر ہیں احقر سے نہایت مسرت کیساتھ فرمایا کہ آج تو حضرت کی تقریر سے میرا ایک بہت پرانا شبہ زائل ہو گیا۔ میں اس شبہ میں مبتلا تھا کہ جب قرآن و حدیث موجود ہیں اور ہم عربی بھی جانتے ہیں (یہ صاحب عربی بھی جانتے ہیں) تو استنباط مسائل مثل فقہاء کے ہم بھی کر سکتے ہیں ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے حضرت کی اس مثال سے میری پوری تسلی ہو گئی کہ اگر میں کسی قانونی کتاب کی شرح لکھوں تو وہ اس بناء پر معتبر نہ ہو گی کہ میں گو زبان جانتا ہوں لیکن فن تو نہیں جانتا۔ انہیں صاحب نے یہ واقعہ بھی نقل کیا کہ ایک مشہور مسلمان جج نے فقہاء مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کسی شرعی حق کے متعلق فیصلہ دیا تھا اور یہ لکھا تھا کہ قرآن اور حدیث موجود ہیں ان کو میں بھی سمجھ سکتا ہوں لہذا کوئی وجہ نہیں کہ میں فقہاء کے مسائل کا اتباع کروں اور انہیں کی رائے کے مطابق فیصلہ دوں۔ اس فیصلہ کو پریوی کونسل لندن نے یہ لکھ کر مسترد کر دیا کہ مسائل شرعیہ میں ائمہ مجتہدین ہی کی رائے معتبر ہے کیونکہ انہوں نے اپنی ساری عمر انہیں مسائل کے سلجھانے میں صرف کر دی جتنے وہ اس فن سے واقف تھے اتنا اور کوئی نہیں ہو سکتا لہذا تمہاری رائے ان کی رائے کے مقابلہ میں ہرگز قابل اعتبار نہ ہو گی اور ہرگز نہ مانی جائے گی۔ حضرت اقدس اس واقعہ کو سن کر بہت مسرور ہوئے۔

۵ رر رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ شنبہ مجلس بعد الظہر

(ملفوظ ۱۴۳۲) عبادت میں غلو کی ممانعت

احقر سے فرمایا کہ ملفوظات میں فوائد ہوں زوائد نہ ہوں۔ جب عبادت میں بھی غلو کی ممانعت ہے تو عبارات میں کیوں نہ ممانعت ہو گی۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے دو ستونوں میں ایک رسی بندھی ہوئی دیکھی تو پوچھا کہ یہ کس لئے باندھی گئی ہے معلوم ہوا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اس لئے باندھی ہے کہ جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاویں تو اس سے کچھ سہارا لے لیں آپ نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور یہ ارشاد فرما کر رسی کھلوادی کہ تازگی رہنے تک نماز پڑھنا چاہئے اور جب تھک جاویں تو بیٹھ جائیں نیز حضور نے ایک بار یہ بھی فرمایا اذا نعس احدکم وھو یصلی فلیرقد یعنی جب نماز پڑھتے پڑھتے (مراد نفل نماز ہے اور ذکر وغیرہ بھی اسی حکم میں ہے) نیند کا غلبہ ہو تو اس وقت سو جانا چاہئے غرض حضور نے عبادات میں بھی راحت اور عافیت کے طریقے کو پسند فرمایا ہے پھر یہ نہیں کہ اس کی محض ترغیب ہی دی ہو بلکہ تاکید کی ہے۔ مشائخ محققین نے بھی ریاضات و مجاہدات میں غلو سے ممانعت فرمائی ہے۔ حسین ابن منصور رحمتہ اللہ علیہ کو ایک بار ایک بزرگ نے دیکھا کہ باوجود دھوپ آجانے کے ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے ذکر میں مشغول رہے اس پر انہوں نے ایک ایسا لفظ فرمایا جس کو ہم تو نقل بھی نہیں کر سکتے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ شخص عنقریب کسی بلا میں مبتلا ہونے والا ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

گفت آسان گیر بر خود کارہا کز روئے طبع
سخت می گیرد جہان بر مرداں سخت کوش

حضرت مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ سے ایک ذاکر نے پوچھا کہ بعض

اوقات جب ذکر کرنے بیٹھتا ہوں تو نیند کا بہت غلبہ ہوتا ہے اس کا کیا علاج کروں۔ حضرت نے فرمایا کہ نیند کا علاج سونا پڑ کر سورہا کرو جب نیند بھر جائے اٹھ کر پھر ذکر پورا کر لیا حضرت کے ایک اور خادم تھے جو صاحب علم بھی تھے انہوں نے باوجود ممانعت کے ریاضات اور مجاہدات میں اتنی زیادتی کی کہ یبس کا غلبہ ہو گیا۔ انہیں کشف بھی ہونے لگا تھا کیونکہ کبھی یبس کے غلبہ سے بھی کشف ہونے لگتا ہے۔ نیز اس سے اخلاط میں اشتعال پیدا ہو جاتا ہے۔ انہیں اسی اشتعال اخلاط کی وجہ سے نورانی حروف میں کچھ عربی عبارتیں بھی لکھی ہوئی نظر آتی تھیں جب حضرت گنگوہی کو اس حال کی اطلاع دی گئی تو فرمایا کہ عنقریب ان کو جنون ہونے والا ہے۔ چنانچہ جنون ہو گیا پھر یہاں تک نوبت پہنچی کہ ایک درخت کے نیچے ننگ دھڑنگ بیٹھے رہے تھے نہ نماز نہ روزہ۔ یہ انجام ہوا اس کا مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں
خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

پس اگر وہ آرام ہی کرانا چاہیں تو آرام کرو اور مجاہدہ پر خاک ڈالو۔ یہ تو معالجہ ہے مریض کو کیا حق ہے کہ اس میں اپنی رائے کو دخل دے۔ طبیب صاحب بصیرت ہوتا ہے کبھی بد پرہیزی تک بھی کراتا ہے مگر باطنی بد پرہیزی معصیت کے درجہ میں نہیں ہوتی۔ اسی لئے شیخ کی ضرورت ہے گو یہ صحیح ہے کہ کتابوں میں سب کچھ ہے لیکن ان میں کلیات ہی تو ہیں یہ جزئیہ تو نہیں کہ اس حالت میں یوں کرو اس حالت میں یوں کرو۔ اس کو تو شیخ محقق ہی تجویز کر سکتا ہے کتابوں سے خود تجویز کرنے اور شیخ سے تجویز کرانے میں بس ایسا فرق ہے جیسا کسی نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

محبوب کا فوٹو تو لے لیا لیکن اس میں ناز و انداز کہاں۔ بس ایک ٹھوس

فوٹو ہے جو ایسا مستقل مزاج ہے کہ بدلتا ہی نہیں بس ایک حال پر قائم ہے اور جس کا وہ فوٹو ہے اس میں ہر وقت انقلابی حرکات ہوتی رہتی ہیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ صدیق میں شب و روز ستر انقلاب ہوتے ہیں دیکھئے جو ولی کامل ہے اس کی حالت میں بھی اتنی تبدیلیاں ہوتی ہیں ہاں تبدیل کی قسمیں دو ہیں ایک تبدیل الی الخیر دوسری تبدیل الی الشر۔

ایسے حضرات میں تبدیل الی الشر نہیں ہوتی لیکن تبدیل الی الخیر برابر ہوتی رہتی ہے جس سے ان کے درجات بڑھتے رہتے ہیں اگر ایک حالت پر رہیں تو ترقی کیسے ہو اگر طالب علم ایک ہی سبق کو روز پڑھتا رہے تو وہ کیا ترقی کر سکتا ہے۔ ترقی تو یہ ہے کہ نیا سبق روز پڑھے ان ہی ترقیات کو انقلابات سے تعبیر کیا گیا ہے جس کی مراد نہ سمجھنے سے ناواقف انقلاب کو عام سمجھ کر اپنے ہر انقلاب کو ترقی سمجھنے لگا اور اکثر صوفیہ کی عبارتوں میں ایسے ابہامات ہوتے ہیں جس سے کبھی وہ نشانہ ملامت اور کبھی غلط فہمی کا سبب بن جاتے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ ان کی نظر دوسروں پر نہ تھی کہ ان کو نقصان ہو گا بلکہ فقط اپنے ہی اوپر نظر تھی کہ اگر لوگ ہمیں برا بھی سمجھیں گے تو سمجھا کریں انہیں اس کی پروا ہی کیا ہے ہاں فقہاء کی نظر نہایت وسیع تھی ان حضرات کی اپنے اوپر تو نظر تھی ہی لیکن اس کے ساتھ ہی تمام عالم پر بھی نظر تھی۔ وہ حضرات جامع تھے ان کا شاہی دماغ تھا انہوں نے سب کا انتظام کیا اور حکم دیا کہ ایسی کوئی بات مت کرو جس سے تم پر دوسروں کو شبہ ہو کیونکہ یہ شبہ چونکہ بلا دلیل ہو گا اس لئے صاحب شبہ کو اس کا گناہ ہو گا اور تم سبب ہو گے اس گناہ کے۔ ان حضرات نے تو یہاں تک عوام کی حفاظت کا اہتمام فرمایا ہے کہ یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ مباح تو مباح اگر کسی مستحب میں بھی یہ احتمال ہوا کہ عوام کہیں اس کو مستحب کے درجہ سے بڑھا کر موکد یا واجب نہ سمجھنے لگیں تو اس مستحب کو بھی مکروہ قرار دیدیا۔ اس حفاظت کی ایسی مثال ہے جیسے آپ کا کوئی بچہ بیمار ہے اور اس کو طبیب نے حلوا مضر بتایا ہے تو آپ اس کو ضرر سے بچانے کے لئے یہاں تک اہتمام

کریں گے کہ آپ خود بھی حلوا نہیں کھائیں گے۔ دیکھئے گو آپ کے لئے طبیب نے حلوے کو مضر نہیں کہا لیکن پھر بھی چونکہ بچے سے آپ کو محبت ہے اس لئے اگر آپ کا جی بھی چاہے گا تب بھی حلوا نہ کھائیں گے تاکہ آپ کو دیکھ کر آپ کے بچے کا بھی کہیں جی نہ للچا جائے اور کھا کر ضرر میں نہ مبتلا ہو جائے اس کی حفاظت کے لئے آپ نے اپنی مرغوب بلکہ مفید شی کو بھی اپنے لئے ناجائز کر لیا۔ یہ معنے ہیں فقہاء کے بعض افعال مستحبہ کو بھی مکروہ کہنے کے اب فقہائے حنفیہ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ایسے فعل کو مکروہ کہتے ہیں جس کی فضیلت حدیث میں ہے۔ معترضین یہی نہیں سمجھے کہ کیوں مکروہ کہتے ہیں جو میں نے مثال دی ہے اس میں کبھی اعتراض نہ کیا کہ حلوے سے منع تو کیا تھا بچے کو اور گھر کے افسر نے منع کر دیا گھر والوں کو بھی صوفیہ اور فقہاء میں اس فرق کے ذکر کرنے کے بعد حضرت اقدس نے حاضرین سے والہانہ لہجہ میں فرمایا کہ میں دل سے ملانوں ہی میں حشر زیادہ پسند کرتا ہوں اس سے کہ صوفیوں میں حشر ہو کیونکہ میں اسی جماعت کو افضل سمجھتا ہوں۔

ہاں غیر محقق ملانوں کی طرح مجھ میں خشکی بھی نہیں میں بے ادب نہیں۔ حضرات صوفیہ کا بھی بیحد ادب کرتا ہوں اور جو ان کو برا کہے اس کو گستاخی سمجھتا ہوں کیونکہ میں ان حضرات کی غلطیوں کا منشا جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ ان سے کہاں غلطی ہوئی۔ اس منشاء پر میری نظر ہے منشا پر نظر ہونے سے وہ غلطیاں زیادہ ثقیل نہیں معلوم ہوتیں۔ اسی لئے اللہ اللہ کرنے والے کا میں نے ہمیشہ ادب کیا اور کسی کا دل نہیں دکھایا۔ ہاں ان کے غلط مشرب کا ردو قدح کھلم کھلا کیا ہے مگر ایسے عنوان سے کہ دل نہ دکھے اور حق واضح ہو جائے۔ مجھے مولانا رومیؒ کا یہ قول بہت پسند ہے۔ ع نرم گو لیکن مگو غیر صواب۔ علاوہ غلطیوں کے ایک وجہ بعض صوفیہ کی زبان درازی کی یہ بھی ہے کہ بعض طبیعتیں آزاد ہوتی ہیں اور بعض میں ادب کا غلبہ ہوتا ہے۔ لیکن عبدیت تو یہی ہے کہ ادب کا غلبہ ہو۔ مولانا ایک مقام پر اس لفظی بے ادبی کا بھی عذر بیان فرماتے ہیں۔

گفتگوئے عاشقاں در کار رب
جوشش عشق است نے ترک ادب

آگے فرماتے ہیں ؎

بے ادب ترنیست زوکس در جہاں
با ادب ترنیست زوکس در نہاں

یعنی باطن میں تو با ادب ہیں۔ علانیہ بے ادب ہیں۔

یہ عذر بیان کرنے کے ساتھ ہی دوسری جگہ ادب کو ترجیح دیتے ہیں ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب　　بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب خود را نہ تنہا داشت بد　　بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
ہر کہ گستاخی کند اندر طریق　　باشد اندر لجئہ حیرت غریق
از ادب پر نور گشت ست ایں فلک　　وز ادب معصوم و پاک آمد ملک

اب تو اکثر صوفی صاحب حال بھی نہیں رہے محض نقل کی نقل رہ گئی وہ بھی بے ادبوں کی۔ نقل کرو تو با ادبوں کی کرو تاکہ لوگ بگڑیں تو نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ظالم اں قومیکہ چشماں دو ختند
از سخنہا عالمے را سوختند

ادب وہ چیز ہے کہ ایک شخص حضرت احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں تھا وہ انتقال کر گیا کسی نے اس کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ حق تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ فرمایا اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت صرف ایک ایسے عمل پر فرمادی جس کو میں بہت ہی معمولی سمجھتا تھا۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ میں نہر پر وضو کر رہا تھا کہ حضرت احمد ابن حنبل آئے اور میری پائیں میں وضو کرنے کے لئے بیٹھ گئے اس طرح کہ میرے سامنے کا پانی ان کی طرف سے گذرتا تھا۔ مجھے خیال ہوا کہ میرا مستعمل پانی ان کے استعمال میں نہ آنا

چاہئے۔ یہ بے ادبی ہے لہذا میں وہاں سے اٹھ کر ان کی پائیں میں جا بیٹھا بس اسی عمل پر میری مغفرت ہو گئی کہ ہمارے مقبول بندے کا ادب کیا۔ تو دیکھئے اتنی قدر ہے وہاں ادب کی۔ یہ بھی کوئی بڑا بھاری کام تھا۔ لیکن چونکہ اس میں ادب تھا اس لئے اس قدر مقبول ہوا پھر ایک شخص کا قصہ بیان کیا جنہوں نے اہل طریق کے ادب کی تعلیم سن کر اپنی کج طبعی سے عجیب نتیجہ نکالا۔ وہ واقعہ یہ بیان کیا کہ ایک ٹھوس دماغ کے آدمی نے جو بہت سے مشائخ کے پاس دراز دراز مدت تک رہ چکے تھے اور جنہوں نے مدینہ طیبہ سے لیکر ہندوستان تک استفادہ شیوخ میں چھان مارا تھا لیکن پھر بھی انہیں اتنی اجنبیت تھی طریق سے کہ مجھے آپ نے یہ لکھا کہ مشائخ کی تعلیم کا خلاصہ یہ سمجھ میں آیا کہ ہمیں بڑا سمجھو۔ سبحان اللہ کیا خلاصہ سمجھا۔ لیکن مجھے ان پر غصہ نہیں آیا کیونکہ ان کی طبیعت کو کسی سے مناسبت ہی نہ تھی تو وہ یہ نہ کہتے تو اور کیا کہتے بلکہ بجائے غصہ کے میں نے انہیں یہ رائے دی کہ تمہارے لئے بہتر یہ ہے کہ آئندہ کسی شیخ سے تعلق نہ رکھو کیونکہ جب کسی سے مناسبت نہیں ہے تو تعلق بجائے مفید ہونے کے مضر ہو گا بس اللہ سے دعاء کرتے رہو کہ وہی رہنمائی فرماتے رہیں۔ اور جہاں تک اپنی سمجھ کام دے قرآن و حدیث پر عمل رکھو۔ اس صورت میں اگر کوئی لغزش بھی ہو جاوے گی۔۔۔۔۔

تو امید ہے کہ معاف ہو جائے۔ کیونکہ نیت تو اچھی ہے اور اپنی سمجھ کے مطابق عمل بھی کر رہے ہو اس لئے میں نے انہیں یہی رائے دی دیکھئے اس طریق میں تنگی نہیں ایسوں کے لئے بھی راہ ہے کچھ وقفہ کے بعد ادب ہی کے سلسلہ میں خصوصیت کے ساتھ مغلوبین کے ساتھ ان کے عذر کی بناء پر ادب ملحوظ رکھنے کے متعلق ان کے عذر کی توضیح کے لئے اپنا ایک واقعہ مثال کے طور پر بیان کیا کہ ایک بار مجھ پر بوجہ نیند کے غلبہ کے ایک ایسی حالت بین النوم والیقظہ طاری ہوئی کہ جس سے مجھ کو بزرگوں کی مغلوبیت کا گویا مشاہدہ ہو گیا جمعہ کا دن تھا دوپہر کو سویا نہیں تھا اسی حالت میں ڈاک لکھی۔ نیند کے غلبہ کی

وجہ سے بار بار ایسی حالت ہو ہو جاتی تھی کہ الفاظ کچھ کے کچھ لکھے جاتے تھے گو بالکل بے ہوش تو نہ تھا آخر الفاظ تو ارادے ہی سے لکھے جا سکتے تھے کیونکہ لکھنا ایک فعل اختیاری ہے بلا ارادہ اس کا صدور کیسے ہو سکتا تھا تو اس وقت اختیار تو تھا لیکن اتنا ضعیف اور مضمحل تھا کہ الفاظ تو صحیح ہوتے تھے لیکن کچھ کے کچھ لکھے جاتے تھے جن کو پھر نظر ثانی سے درست کرنا پڑتا تھا بس میرے خیال میں آیا کہ بزرگوں کی مغلوبیت جس میں ان سے شطحیات کا صدور ہوتا ہے اسی کے مشابہ ہوتی ہو گی۔ اس وقت کوئی دوسرا مجھ کو لکھتا ہوا دیکھتا تو یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ میری یہ حالت ہے میں خود اس وقت اپنی اس حالت کو الفاظ میں ادا نہیں کر سکتا لیکن مشاہدہ اور ذوق سے مجھے اس کی حقیقت معلوم ہے تو جو کیفیت اس وقت مجھ پر گذری اس کے بیان پر میں قادر نہیں۔ اس وقت مجھے اہل غلبہ کا عذر معلوم ہوا کہ جب نیند کے غلبہ نے جو ایک معمولی چیز ہے یہ حالت پیدا کر دی تو جس پر سکر کی حالت طاری ہو وہ کیوں نہ مغلوب ہو گا اور جس طرح اس وقت مجھ کو کوئی دیکھنے والا مغلوب نہیں سمجھ سکتا تھا اسی طرح اہل سکر کو دوسرے عام لوگ مغلوب نہیں سمجھ سکتے اس وجہ سے یہ دیکھ کر کہ یہ شخص کھاتا ہے پیتا ہے ہنستا ہے بولتا ہے اعتراض کر دیا کہ پھر نماز کیوں نہیں پڑھتا روزے کیوں نہیں رکھتا بات یہ ہے کہ اس کے حواس سالم ہیں لیکن عقل غائب ہے یہ بہت ہی باریک بات ہے حواس اور عقل دو جدا چیزیں ہیں اور مدار تکلیف عقل ہے نہ کہ حواس۔ چنانچہ اگر کسی کے حواس تو ہیں لیکن عقل نہیں تو وہ احکام کا مکلّف نہیں دیکھئے گھوڑے بیل میں حواس تو ہیں لیکن عقل نہیں۔ اگر حواس نہیں تو دانا گھاس کیسے کھاتے ہیں اور اپنے نفع و ضرر کا کیسے احساس ہوتا ہے۔ البتہ دیوانے کتے میں حواس بھی نہیں۔ بخلاف اس کے معمولی کتے میں حواس ہیں مگر چونکہ عقل نہیں اس لئے مکلّف نہیں۔ اسی طرح بعض مجاذیب کی عقل تو زائل ہو جاتی ہے لیکن حواس باقی رہتے ہیں وہ ہنستے ہیں بولتے ہیں کھاتے ہیں پیتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے کیونکہ ان کے حواس تو ہیں لیکن عقل نہیں

رہی اس لئے وہ مکلّف نہیں۔ اسی واسطے احتیاط یہ ہے کہ کسی کے معاملہ میں دخل نہ دے کاملین پر چھوڑ دیے۔

در نیابد حال پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

ایسوں کا نہ معتقد ہو نہ مخالف اور اگر تحقیق کا زیادہ شوق ہو تو یہ دیکھے کہ اس زمانہ کے جو مسلم کاملین ہیں ان کا کیا برتاؤ ہے وہ اگر ادب کرتے ہوں تو تم بھی اس کی رعایت کرو اور اگر وہ اس کو بے ہودہ سمجھیں تو تم بھی ان کی تقلید کرو۔ ایک صاحب نے ایک خاص نام لیکر کچھ سوال کرنا چاہا تو ان کو روک دیا اور فرمایا کہ نام نہ لیجئے۔ یہ ہمارا شیوہ نہیں کہ ذاتیات کے متعلق کوئی حکم لگاویں یہ ہمارے بزرگوں کی عادت نہیں۔ ہر شخص کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ ہے۔ میں تو مسائل کلیہ بیان کر رہا ہوں۔ ان احکام میں سب کے احکام آگئے کیونکہ میں تو قانون بیان کر رہا ہوں۔ اب تو ان مسائل کی بھی خبر نہیں دیکھ لیجئے ایک چھوٹا سا مسئلہ ہے کہ حواس کی درستی اور چیز ہے عقل کی درستی اور چیز ہے اور ہر ایک کے جدا احکام ہیں اسی کی لوگوں کو خبر نہیں۔ ایک صاحب نے کہا کہ جن مجذوبوں کو زمانہ کے اہل اللہ اچھا سمجھیں کیا انہیں بزرگ سمجھا جائے۔ فرمایا کہ میری تقریر میں تو کوئی شق چھوٹی نہیں۔ اس کی بناء پر بہتر یہ ہے کہ یہ بھی نہ کرے کیونکہ نبی پر تو ایمان لانا ضروری ہے۔ ولی پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ قیامت میں کسی سے یہ مواخذہ نہ ہو گا کہ تم نے فلاں ولی کو ولی کیوں نہیں سمجھا البتہ ایسے کو برا بھی نہ سمجھے اپنے کام میں لگا رہے۔

کار خود کن کار بیگانہ مکن
در زمین دیگران خانہ مکن

اور برا سمجھنا تو خطرناک یا کم از کم فضول ہی ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا کہ یزید پر لعنت کرنا کیسا ہے۔ میں نے کہا کہ جس کو یہ یقین ہو کہ یزید سے اچھی حالت میں مرے گا وہ ایسا کرے اور یہ یقین ظاہر ہے کہ مرنے

کے بعد ہو گا اس لئے اس وقت یہ سوال ہی فضول ہے کیونکہ اگر خدانخواستہ یزید سے بھی بدتر ہو کر مرے تو پھر بڑی ذلت ہو گی جس پر لعنت کرتے تھے اس سے بھی زیادہ مستحق لعنت ثابت ہوئے ابھی تو خود ہماری ہی حالت ایسی ہے کہ جس پر اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔

گہ رشک برد فرشتہ بر پاکی ما
گہ خندہ زند دیو زنا پاکی ما
ایمان چو سلامت بلب گور بریم
احسنت بدیں چستی و چالاکی ما

کیا خبر کہ کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو۔ ع تا یار کرا خواہد و میلش بہ کہ باشد۔

اگر کسی کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہو اور اس نے مراحم خسروانہ کے تحت میں اپیل کی ہو اور سزا معاف ہو جانے کی صرف ایک موہوم سی امید ہو تو کیا وہ اس شخص کی فکر میں پڑے گا جس پر کوئی ایسا جرم قائم کیا گیا ہو جس میں صرف پانچ روپیہ جرمانہ کا شبہ ہو۔ اگر کوئی بیوقوف اور نحس ایسا کرے بھی تو یہ کتنی بے جوڑ بات ہے وہ تو دراصل اس دوسرے کے مقدمہ کا تذکرہ بھی پسند نہ کرے گا چہ جائیکہ اس کی پیروی کرے یا پوچھنے پر اس کے متعلق کوئی مشورہ بھی دے بلکہ وہ تو یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لے گا کہ اجی ہم اپنی ہی مصیبت میں مبتلا ہیں جو تمہاری مصیبت سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہمیں مشورہ کی کہاں فرصت۔ اب ہر شخص اپنے جرم کو دیکھ لے کہ اس کا حق تعالیٰ کے ساتھ کیا معاملہ ہے اور کتنے حقوق ادا ہو رہے ہیں نماز تک تو ٹھیک ہے نہیں پھر کیا منہ لیکر کسی کو برا کہیں اور برا سمجھیں بلکہ اگر غلطی سے کسی برے کو بھلا سمجھ لیا تو یہ اتنا برا نہیں ہے جتنا یہ کہ کسی بھلے کو برا سمجھ بیٹھے یہ بہت ہی خطرناک اور نازک معاملہ ہے۔

۶ / رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ یکشنبہ مجلس بعد الفجر

(ملفوظ ۱۴۳) دل آزاری سے بچ کر حق بیان کرنا چاہیئے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ بات تو حق کہے لیکن عنوان نرم ہو۔ دل آزار اور غیر مہذب نہ ہو۔ مولانا فرماتے ہیں ع نرم گو لیکن مگو غیر صواب۔ لیکن یہ نہیں کہ زید سمجھے ہمارے مشرب کا ہے عمرو سمجھے ہمارے مشرب کا ہے۔

۷ / رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ دو شنبہ مجلس بعد الفجر

(ملفوظ ۱۴۴) ادائیگی منت کا ایک دقیق مسئلہ کی رعایت

ایک صاحب نے اپنے صاحبزادہ کی خطرناک اور نہایت تکلیف دہ علالت پر یہ منت مانی کہ صحت ہو جانے پر چار نفل شکرانہ حرم کعبہ میں ادا کروں گا چونکہ ان کے پاس سفر خرچ نہ تھا اس لئے انہوں نے حضرت اقدس کی خدمت میں درخواست کی کہ اگر کوئی صاحب حج بدل کے لئے لکھیں تو ان کا خیال رکھا جائے۔ چنانچہ حسن اتفاق سے ایک صاحب نے حضرت کے ذریعہ سے حج بدل کرنے والا تجویز کرایا تو حضرت نے انہیں صاحب کا حوالہ دیدیا اور پھر براہ راست خط و کتابت سے سب باتیں طے ہو گئیں۔ سوء اتفاق سے صاحب ممدوح کے صاحبزادہ صحت ہو جانے کے کچھ عرصہ کے بعد اب پھر بیمار پڑ گئے ہیں اس پر حضرت اقدس کا خیال مبارک فوراً اس طرف گیا کہ آیا یہ بیماری اسی پہلی بیماری کے سلسلہ میں ہے اور وہی عود کر آئی ہے یا اس بیماری سے پوری صحت ہو گئی تھی اور اب یہ از سر نو پھر مستقلاً بیمار ہوئے ہیں اور اس بیماری کا سابقہ بیماری سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی تحقیق طبیب حاذق سے ضروری ہے۔ کیونکہ اگر پچھلی بیماری ہی عود کر آئی ہے تو ابھی صحت ہوئی ہی نہیں اس لئے منت واجب نہیں ہوئی اور تقدیم ادا جائز نہیں یعنی اگر قبل صحت کے اس منت

کو پورا کر لیا گیا تو بعد صحت پھر ادا کرنا ہو گا۔ اور اگر پچھلی بیماری سے بالکل صحت ہو گئی تھی اور اب از سر نو بیمار ہوئے ہیں تو البتہ اس وقت کا ادا کرنا کافی ہو جائے گا۔ بلا اس تحقیق کے سفر نہ کیا جائے۔ نیز اس امر میں ایک دوسری اہم تحقیق بھی ضروری ہے وہ یہ کہ منت کرتے وقت حج کی نیت تھی یا محض حرم شریف میں نماز شکرانہ پڑھنے کی۔ اگر حج کی بھی نیت تھی تو حج بدل میں جانے سے منت پوری نہ ہو گی بلکہ اس کے لئے اپنے ذاتی خرچ سے سفر کرنا ضروری ہو گا۔ اور اگر محض شکرانے کی نماز وہاں پڑھنے کی نیت تھی حج کی مستقل نیت نہیں تھی تو حج بدل میں بھی وہاں نماز ادا کر لینا منت کے پورے ہونے کے لئے کافی ہو گا۔

(نوٹ از جامع) سبحان اللہ آج کل ایسے دقائق کی طرف عموماً نظر ہی نہیں جاتی حالانکہ اب معلوم ہونے کے بعد یہ باتیں نمایاں طور پر بہت ضروری اور قابل اہتمام معلوم ہوتی ہیں۔

۸ ؍ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ سہ شنبہ مجلس بعد الظہر

(ملفوظ ۱۳۵) زین کی دو مختلف تفسیریں

حضرات فقہاء کے متعلق فرمایا کہ یہ جماعت دنیا بھر میں سب سے زیادہ عاقل گذری ہے حکماء ان کے سامنے طفل مکتب معلوم ہوتے ہیں جن کی نظر دور رس نہیں وہ ان پر الزام لگاتے ہیں کہ نصوص کے ہوتے ہوئے انہوں نے قیاس کیا حالانکہ یہ بالکل غلط ہے انہوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ القیاس مظھر لامثبت یعنی جو احکام نصوص میں مضمر ہیں اور عام افہام کی رسائی سے بعید ہیں ان کو قیاس صرف ظاہر کر دیتا ہے مستقلاً کسی حکم کو ثابت نہیں کرتا چنانچہ کتاب اعلاء السنن اس کا بین شاہد ہے اس صورت میں قیاس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہو سکتا لیکن نصوص سے مسائل کا استنباط کر لینا ہر شخص کا

کام نہیں۔ یہ ملکہ اللہ تعالیٰ نے حضرات مجتہدین ہی کو عطا فرمایا تھا۔ پس در حقیقت عاقل وہی حضرات تھے اور آج کل جن کو بڑا عاقل سمجھا جاتا ہے وہ اہل صنعت ہیں اہل عقل نہیں اور بقول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ قینچی چاقو اچھے بنانا جانتے ہیں۔ عاقل نہیں آکل ہیں۔ یعنی کھانا کمانا اچھا جانتے ہیں۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ صناعین کو عاقل کہتے ہیں ایک نو تعلیم یافتہ نے ایک ماہواری رسالہ میں اپنے مضمون میں علماء پر یہی اعتراض کیا ہے کہ ان میں عقل معاد تو ہے عقل معاش نہیں حالانکہ وہ بھی ضروری ہے انہیں چاہیئے کہ ہوائی جہاز موٹر وغیرہ بنانا بھی سیکھیں اور سکھائیں۔ میں کہتا ہوں کہ اگر صنعتوں کے جاننے ہی کا نام عقل ہے تو ریل میں سفر کرنے والوں سے جن میں بڑے بڑے پڑھے لکھے اور عاقل بھی ہوتے ہیں ذرا پوچھئے کہ انجن کس طرح چلایا جاتا ہے اور اس کے کل پرزوں کی کیا حقیقت ہے ان میں سے باستثناء شاذ ایک بھی ایسا نہ نکلے گا کہ اس کی پوری واقفیت رکھتا ہو حالانکہ اس سے نفع سب اٹھا رہے ہیں تو کیا یہ سب پاگل ہیں ان میں کوئی عاقل ہی نہیں اور کیا صرف ڈرائیور ہی عاقل ہے جو ایک ادنیٰ تنخواہ دار اور ذلیل و خوار ملازم ہے کل پرزوں کی حقیقت تو شاید وائسرائے کو بھی معلوم نہ ہو تو کیا اس نو تعلیم یافتہ کے نزدیک وہ بھی عاقل نہیں اگر وہ عاقل نہیں تو اس کے تو یہ معنے ہوئے کہ گورنمنٹ بھی عاقل نہیں جو ایک غیر عاقل کو اتنی بڑی تنخواہ دے رہی ہے پس جس طرح صنعتیں نہ جاننے کی وجہ سے وائسرائے کو کم عاقل نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح علماء کو بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں میں خود ان صنعتوں کے سیکھنے اور دنیوی ترقی کرنے کا مخالف نہیں اگر ترقی کریں اجازت ہے شریعت میں منع کون کرتا ہے باقی یہ نہ کمال ہے نہ نقص ایک مستقل چیز ہے اور مباح ہے جس کو مناسبت ہو کرے بلکہ اگر اچھی نیت سے ہو ہم اس کو مستحب کہتے ہیں لیکن یہ ہمارا منصبی فرض نہیں کہ ہم اس کی ترغیب دیں یہی کافی ہے کہ منع نہ کریں۔

سب کو معلوم ہے کہ حکیم عبدالمجید اور حکیم عبدالعزیز کا یہ کام ہے کہ

مثلاً اگر کوئی دق کا مریض آئے تو اس کو نسخہ لکھدیں۔ جب دق کا نسخہ لکھدیا تو حق ادا ہو گیا یہ نہیں کہ اگر اس مریض کی جوتی ٹوٹی ہوئی ہو تو اس پر بھی نظر کریں اور اس کے متعلق بھی مشورہ دیں۔ اب فرض کیجئے یہ شخص نسخہ لکھوا کر چلا۔ باہر دروازہ پر ایک چمار جوتے سینے والا ملا اس نے ٹوٹی جوتی دیکھ کر کہا کہ ذرا ادھر آنا جب وہ پاس پہنچا تو کہا کہ تمہاری جوتی ٹوٹی ہوئی ہے حکیم صاحب نے اس کے متعلق بھی کچھ کہا۔ کہا کچھ نہیں کہا معلوم ہوتا ہے انہیں تمہارے ساتھ ذرا ہمدردی نہیں اگر کانٹا چبھ جائے تو کیا ہو۔ اس ضرر سے بچانا بھی تو ضروری تھا اس صورت میں آپ جواب میں کیا کہیں گے یہی کہیں گے کہ جوتیوں کی دیکھ بھال حکیم صاحب کے ذمہ نہیں چمار کے ذمہ ہے ہاں حکیم صاحب اس وقت دخل دیں گے جب دیکھیں گے کہ جوتی اس طرح سلوائی جارہی ہے کہ پاؤں کی کھال کے اندر ٹانکے پہنچتے لگے ہیں کیونکہ یہ مضر صحت ہے غرض حکیم صاحب جوتی سلوانے سے منع نہ کریں گے لیکن اگر اس بے ڈھنگے پن سے سلوائی جائے گی تو ضرور منع کریں گے ان کے ذمہ جوتی سلوانا نہیں لیکن جوتی سلوانے کے آداب بتانا ہے۔ اسی طرح علماء کی ذمہ دنیا کمانے کی تعلیم و ترغیب دینا نہیں لیکن اس کے آداب بتانا ہے دنیا کمانے سے وہ منع نہیں کرتے دنیا کماؤ مگر اس طرح کہ دین محفوظ رہے اب ان دونوں میں فرق بتلایئے وہ مضمون نگار صاحب کہتے ہیں کہ علماء میں مکمل تعلیم نہیں کی جاتی ہوائی جہاز بنانا نہیں سکھایا جاتا اھ پھر حضرت اقدس نے فرمایا کہ یوں عقل پر پردے پڑ گئے دنیا اور دین دو مختلف شعبے ہیں علماء براہ رست دین کی تعلیم کے لئے ہیں رہی دنیا اس کے اہل دنیا خود ذمہ دار ہیں ہر ایک کا جدا کام ہے۔ ہاں اگر ہم مباح دنیا سے علے الاطلاق منع کریں تو بیشک قابل الزام ہیں باقی تعلیمات میں اگر کسی عنوان سے مطلق دنیا سے منع کرنے کا شبہ ہوتا ہو سو مراد ان کی وہی مقید ہے یعنی دنیائے مضر کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ لوگ دنیائے مضر کی تحصیل میں منہمک ہیں تو قرینہ حال سے یہ ہی سمجھا جائے گا کہ گو لفظ مطلق ہے مگر مراد مطلق

نہیں ہے بلکہ مقید ہے تو اگر علماء یا خود شارع علیہ السلام کسی عبارت میں دنیا سے منع کریں تو اس سے مراد دنیائے مضر ہی ہو گی چنانچہ خود حق تعالیٰ کے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اسی عنوان سے دنیائے مضر سے منع فرمایا گیا ہے چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو احد کی لڑائی میں اللہ تعالیٰ نے یوں خطاب فرمایا ہے مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ دیکھئے یہاں دنیائے مطلق کا ذکر ہے اور صحابہ کے حالات کے دیکھنے سے دنیائے مقید مراد ہے۔ اگر یہ سب حالات اور آیات و احادیث ملا کر پھر علماء کے کلام کو دیکھو تو معلوم ہو گا کہ دنیا کی ممانعت سے علماء کی بھی یہی مراد ہے کہ جو دنیا مضر دین ہے اس کو چھوڑو پھر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ علماء کی ممانعت کو ایک ہی جلسہ میں سن کر فیصلہ کر لیا گیا انہوں نے کسی دوسرے جلسہ میں یہ بھی تو کہا ہو گا کہ حب دنیا وہ مذموم ہے جو غالب ہو حب دین پر اور جو تابع ہو وہ مذموم نہیں چنانچہ خود قرآن ہی میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ الی قولہ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ الایہ دیکھئے خود قرآن ہی کی تصریح سے حب دنیا منع نہیں بلکہ احبیت دنیا یعنی اللہ و رسول سے زیادہ محبوب ہونا منع ہے تو علماء اس کے خلاف کب تعلیم دے سکتے ہیں بعضوں کو یہ غلطی ہو گئی کہ مطلق محبت کو مذموم سمجھا چنانچہ ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ بیوی بچوں کی محبت دل سے نہیں جاتی۔ میں نے لکھا کہ بیوی بچوں کی محبت سے تو گھبراتے ہو لیکن بہت سی اور چیزیں بھی تو ہیں جن سے محبت ہے ان کو کیوں نہیں چھوڑتے یا چھوڑنے کی کوشش نہیں کرتے پیاس میں پانی سے محبت ہے بھوک میں کھانے سے محبت ہے نیند میں سونے سے محبت ہے۔ ان چیزوں کے بارہ میں کبھی نہ پوچھا کہ ان کی محبت نہیں جاتی۔ کیا بیوی بچے ہی مشق کے لئے رہ گئے ہیں اگر تمہارے نزدیک عارف وہی ہے جس کو غیر اللہ کی محبت بالکل نہ رہی ہو تو عارف تو تم بیوی بچوں کو چھوڑ کر بھی نہ ہوئے کیا اور ضروریات زندگی سے محبت ہوتے ہوئے تم اپنے معیار کے مطابق عارف ہو سکتے ہو بس تو معلوم ہوا کہ غیر اللہ کی بھی مطلق

محبت عارف ہونے کے منافی نہیں ہے بشرطیکہ اللہ اور رسول کی محبت کے مزاحم اور مصادم نہ ہو۔ یہ سب موٹی موٹی باتیں ہیں کوئی الجھن کی بات نہیں ہے دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر تو ہم زاہد اور تارک غیر اللہ ہو نہیں سکتے لیکن جب فارس کی سلطنت پر قبضہ ہوا ہے اور وہ اتنی بڑی اور دولت مند سلطنت تھی کہ اس کے مقابلہ میں عیسائیوں کی سلطنت کی کوئی حقیقت نہ تھی جس کا ظاہری سبب یہی تھا کہ وہاں ایک ہی خاندان میں سلطنت مدت دراز سے برابر چلی آرہی تھی اور جگہ تو غارت و تاراج سے حکومتیں بدلتی رہیں لیکن وہاں کیانیوں ہی کی سلطنت برابر قائم رہی اور انقلابات سے محفوظ رہی غرض وہ بڑی پرانی سلطنت تھی جب وہ فتح ہوئی تو وہاں سے ایسی عجیب و غریب چیزیں مال غنیمت میں آئیں کہ اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں بھی نہیں آئی تھیں بڑے بڑے ذخائر و غنائم مسجد نبوی میں لاکر ڈھیر کئے گئے جن کو دیکھ کر بھی آنکھیں چکا چوند ہوتی تھیں۔ ان میں ایک قالین ایسا تھا کہ جس میں پھول بوٹے ایسے خوشنما بنے ہوئے تھے کہ دیکھنے والو کو یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ یہ قالین ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایک نہایت سر سبز و شاداب باغ ہے جس میں طرح طرح کے درخت ہیں اور ان میں پھل لگے ہوئے ہیں پھول کھلے ہوئے ہیں معلوم تو باغ ہوتا تھا اور تھا قالین صنعتیں پہلے بھی تھیں لیکن پہلے وہ آلہ تجارت نہیں تھیں بلکہ ان کو کمال سمجھا جاتا تھا اور بجائے اس کے کہ ان کو بازاروں میں لاکر بیچا جائے اور نفع حاصل کیا جائے ان کو چھپایا جاتا تھا دوسروں کو سکھانے اور بتانے سے بخل کیا جاتا تھا تو اس ڈھیر میں ایسی ایسی صنعتوں کی چیزیں تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چیزوں کو دیکھا تو جو اثر ان پر ہوا اور جو رائے انہوں نے ظاہر کی وہ دیکھنے کے قابل ہے اس کے بعد کیا ان پر یا ان کے پیروں پر یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مطلقاً ترک دنیا سکھاتے ہیں پہلے تو آپ ان ذخائر و غنائم کو دیکھ کر روئے اور پھر یہ دعا کی کہ اے اللہ یہ تو ہم نہیں عرض کرتے کہ آپ ان چیزوں کی محبت ہمارے دل سے نکال دیجئے کیونکہ آپ کا ارشاد ہے زُيِّنَ لِلنَّاسِ

حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ جب آپ نے خود ان چیزوں کی محبت کو ہمارے قلوب میں مزین فرما دیا ہے تو اس کے زائل ہونے کی دعاء کرنا تو سخت گستاخی ہے لیکن یہ عرض ہے کہ ان چیزوں کی محبت کو آپ اپنی محبت کی معین بنا دیجئے سبحان اللہ کیا اچھی دعا فرمائی اور کیسا حقیقت کو سمجھا زین کی دو مختلف تفسیریں ہیں اور وہ اختلاف اس میں ہے کہ زین جو مبنی للمفعول ہے اس کا فاعل کون ہے ان چیزوں کی جو محبت مزین (بفتح الیاء) کر دی گئی تو اس کا مزین (بکسر الیاء) کون ہے یعنی اس تزئین کا فاعل کون ہے یعنی اس میں اختلاف ہے کہ اس تزیین کے فاعل حق تعالیٰ ہیں یا شیطان ہے اب یہاں ضرورت علم کی ہے افعال میں ایک مرتبہ تو خلق کا ہے اور ایک کسب کا سو مرتبہ خلق میں تو اللہ تعالیٰ فاعل ہیں اور مرتبہ کسب میں شیطان یعنی اس زینت کے پیدا کرنے والے اور خالق تو حق تعالیٰ ہیں انہوں نے یہ چیز قلب میں پیدا فرما دی اگر تم اس کو اپنے محل میں استعمال کرو تو وہ خیر ہے اور اگر غیر محل میں استعمال کرو تو وہی شر ہے یہ استعمال مرتبہ کسب کا ہے اور اس مرتبہ میں شیطان متصرف ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مرتبہ خلق پر نظر تھی کیونکہ عارف کی غلبہ توحید میں اول اسی پر نظر جاتی ہے۔ اسی کے غلبہ میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کیا کہ ان چیزوں کی محبت تو آپ نے طبائع میں پیدا کر دی ہے یہ کیسے زائل ہو سکتی ہے اور اس سے ہم اپنا تبریہ کیسے کر سکتے ہیں۔ ہر شخص کو ان چیزوں کی طرف طبعی میلان ہے روپیہ پیسہ کیا کسی کو برا لگتا ہے اگر برا لگتا تو انبیاء علیہم السلام دوسروں کو بانٹتے نہیں اگر سانپ بچھو سمجھتے تو کیا دوسروں کو سانپ بچھو بانٹے جاتے ہیں۔ ہمارے حضور اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سو سو اونٹ ایک ایک شخص کو ایک ایک وقت میں عطا فرمائے ہیں کوئی بادشاہ بھی ایسی داد و دہش کیا کرے گا جیسی حضور نے کی ہے تو کیا آپ نے سانپ بچھو بانٹے۔ بہر حال ان چیزوں کی ہر شخص کو طبعی محبت ہے اس لئے حضرت عمر رضی اللہ

عنہ نے یہ دعا نہیں کی کہ ان کی محبت زائل فرما دیجئے بلکہ یہ دعا کی کہ آپ نے جو ان چیزوں کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر دی ہے وہ معین ہو جاوے آپ کی محبت کی۔ غرض دنیا کی محبت میں بھی بڑی مصلحتیں ہیں مولانا اسی مصلحت کو فرماتے ہیں ؎

شہوت دنیا مثال گلخن است
کہ ازو حمام تقوی روشن است

اگر کسی چیز کی محبت ہی نہ ہو تو اس کے ترک میں مجاہدہ ہی کیا ہو۔ کمال تو یہی ہے کہ ایک چیز کا اشتیاق ہو لیکن یہ سمجھ کر کہ اس کا استعمال اس طرح مضر ہو گا اس کو ترک کر دے مولانا کا یہی مطلب ہے کہ صبر عن الدنیا میں فضیلت ہے اور دنیا کی رغبت ہی تو سبب ہے تقوی کا کیونکہ جب اس کے بے محل استعمال سے رک گیا تو صبر عن الدنیا کی فضیلت حاصل ہو گئی اور یہی تقوی ہے تو تقوی کا سبب یہی دنیا ہے غرض ہم تو حب دنیا کو بھی برا نہیں سمجھتے کیونکہ تقوی کا سبب یہی ہے اب بتلایئے کہ علماء پر خواہ مخواہ تہمت لگانا کہ یہ دنیا کو چھڑاتے ہیں اپنی عاقبت خراب کرنا نہیں ہے تو کیا ہے ہاں ہم یہ مطالبہ ضرور کرتے ہیں کہ دنیا کا بھی جو کام کرو ہم سے پوچھ کر کرو کہ جائز ہے یا ناجائز غرض ادھوری بات سن کر علماء کے متعلق غلط رائے قائم کر لی گئی ہے۔ اگر پوری بات ٹھنڈے دل سے سنتے تو ایسے بیجا اعتراضات کی نوبت نہ آتی۔ اگر انگریزی سے منع کرنے کی بناء پر یہ شبہ ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر انگریزی کو منع کرتے ہیں تو عربی کی بھی تو ترغیب دیتے ہیں۔ جب عربی کی ترغیب کا بھی کوئی اثر لوگوں پر نہیں ہوتا تو انگریزی کی ممانعت کا اثر ان کی طرف کیوں منسوب کیا جاتا ہے۔ پس جو عربی نہ پڑھنے کی وجہ ہے یعنی سستی اور کاہلی وہی وجہ ہے انگریزی نہ پڑھنے کی بھی۔ لوگ خواہ مخواہ علماء سے بدگمان ہو رہے ہیں میں تو کہا کرتا ہوں کہ کسی محقق مولوی کے پاس چھ مہینے رہ جاؤ پھر جو کوئی بھی بدگمانی رہ جاوے۔

تو نہ دیدی گہے سلیمان را

چہ شناسی زباں مرغاں را

محقق علماء کو دیکھا نہیں بھالا نہیں اور دل میں ایک ڈراؤنا خیال پکا لیا
کہ ایسے ہوتے ہیں ویسے ہوتے ہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ ہم فلاں مولوی کے
پاس رہے ہم نے ان میں یہ یہ کمزوریاں دیکھیں تو میں کہوں گا کہ جب آپ
مریض ہیں تو کسی حکیم حاذق کے پاس جاتے آپ پنساری کے یہاں گئے اور سب
حکیموں سے بدگمان ہو گئے۔ اجی جس کے پاس آپ گئے وہ حکیم تھا ہی کب وہ تو
پنساری تھا جس کو اپنے ٹکے سیدھے کرنے سے کام وہ کیا جانے حکمت کسے کہتے
ہیں حکیموں کے پاس جاؤ جب معلوم ہو کہ حکیم کیسے ہوتے ہیں وہ حکیم حضرات
تو یہ کہتے ہیں کہ سلطنت بھی دین کے منافی نہیں۔ آخر انبیاء علیہم السلام میں
بادشاہ بھی تو ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی
تھے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی دونوں شانیں تھیں۔ آپ نبی بھی
تھے اور بادشاہ بھی تھے پھر کیا آپ کے علماء امت پاگل ہیں کہ سلطنت کی یا ترقی
مالی کی مذمت کریں بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تو یہ دعا کی تھی رَبِّ
هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ کہ اے اللہ مجھے سلطنت عطا فرمایئے
جو ایسی ہو کہ پھر ویسی کسی کو نہ ملے۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ آپ ایسی ترقی
کیجئے کہ پھر کوئی آپ کا مقابلہ نہ کر سکے لیکن جائز ہو نا جائز نہ ہو۔ اب آپ نے
دیکھ لیا کہ علماء مطلق ترقی کو منع نہیں کرتے بلکہ اس کو مقید کرتے ہیں حدود
شرعیہ کے ساتھ باقی بعض بزرگوں نے جو سلطنت چھوڑی ہے تو محض اس لئے
کہ وہ ان کے مذاق کے موافق نہیں تھی جیسے بھنی ہوئی بوٹی بعضوں کو موافق
نہیں آتی لیکن وہ اس کے ترک کی تعلیم تو اوروں کو نہیں کرتے بلکہ اگر تم کو
مرغ موافق ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کھاؤ کچھ مضائقہ نہیں۔ سو جن بزرگوں نے
لذات کو چھوڑا ہے معالجہ سمجھ کے چھوڑا ہے۔ ترک لذات کو عبادت نہیں سمجھا
جیسے معالجہ جسمانی میں پرہیز کرایا جاتا ہے دیکھئے طبیب ایک کو ایک چیز سے منع

کرتا ہے ایک کو نہیں طبیبوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتا وہ جب مسہل دیتے ہیں تو تاکید کر دیتے ہیں کہ دیکھو بھائی تنہا بیٹھنا باتیں نہ کرنا سونا نہیں کوئی ثقیل چیز نہ کھانا۔ برابر خیال رکھنا کہ اب دست آیا اب دست آیا۔ اس ترک لذت اور مراقبہ اور ترک طعام و منام و خلوت پر کوئی اعتراض نہیں کرتا اور حکماء دین صوفیہ نے جو ترک لذات اور مراقبہ کرایا تو اس پر اعتراض ہے۔ آخر ان دونوں میں فرق ہی کیا ہے جو ایک جگہ تو ضروری سمجھا جاتا ہے اور دوسری جگہ قابل اعتراض ٹھہرایا جاتا ہے جس طرح طبیب علالت کے دوران میں یہ پرہیز کراتا ہے پھر بعد صحت جب ضرورت باقی نہیں رہتی پرہیز چھڑا دیتا ہے اسی طرح صوفی محقق ان مجاہدات کو عبادت نہیں کہتا بلکہ محض معالجہ سمجھتا ہے۔ یوں اگر کسی کا مرض دائم ہو تو معالجہ بھی دائم رہے گا ورنہ مرض ختم ہونے پر معالجہ بھی ختم ہو جاتا ہے پھر کیا حال ہوتا ہے وہ حال ہوتا ہے کہ دل بہ یار دست بکار اور وہ حال ہوتا ہے ؂

چو فقر اندر قبائے شاہی آمد   بہ تدبیر عبید اللّٰہی آمد

سلطنت کے اندر بھی فقیری ہو سکتی ہے اور اسی سے جواب ہو گیا بعض جہلاء کے اعتراض کا کہ پیر خود تو مرغ اڑاتے ہیں اور مریدوں کو بھوکا مارتے ہیں اس اعتراض کا منشا محض ناواقفیت ہے ؂ چوں نہ دید ند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ انہیں اس فرق کی وجہ نہیں معلوم وہ وجہ اس شعر میں ظاہر کی گئی ہے ؂

تو صاحب نفسی اے غافل میاں خاک خوں مے خود

کہ صاحب دل اگر زہرے خورد آں انگبین باشد

غرض جو معالجہ سے فارغ ہو چکا ہو پھر اس کو پرہیز کی ضرورت نہیں رہتی چنانچہ مولانا فرماتے ہیں ؂ خلوت و چلہ بر و لازم نماند۔

پھر اس کو اجازت ہو جاتی ہے کہ ہنسے بولے عوام سے ملے معاملہ کرے پھر یہ چیزیں اس کو مضر نہیں ہوتیں پھر تو اس کا وہ درجہ ہو جاتا ہے کہ ؂

گرت مال وزرہست وزرع و تجارت
چو دل باخدائے ست خلوت نشینی

بلکہ بعض اوقات شیخ کامل کی اجازت سے یہ امور اس مقام کے حصول میں معین ہو جاتے ہیں چنانچہ اسی حکمت کی بناء پر ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پی کر مجھے خاص خطاب کیا کہ میاں اشرف علی جب پانی پیو تو خوب ٹھنڈا پیو تاکہ ہر بن منہ سے الحمدللہ نکلے ورنہ گرم پانی پینے پر زبان تو کہتی ہے الحمد للہ لیکن قلب نہیں کہتا آہ

حضرت حاجی صاحبؒ کا یہ ارشاد نقل فرما کر فرمایا کہ آخر اللہ تعالیٰ نے ٹھنڈا پانی اور گرم کھانا اپنے بندوں ہی کے لئے تو پیدا فرمایا ہے یا صرف یہود و نصاریٰ کے لئے خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ دیکھئے یہاں کافروں کا ذکر ہی نہیں اس سے معلوم ہوا کہ حیات دنیا میں بھی یہ نعمتیں اصل میں اہل ایمان ہی کے لئے پیدا فرمائی گئی ہیں اوروں کو انہیں کے طفیل میں مل جاتی ہیں مگر اہل ایمان کے لئے ان طیبات کا خاص ہونا مقید ہے ایک قید کے ساتھ اور وہ یہ ہے خالصة يوم القيامة یعنی اس قید کے ساتھ ان کے لئے مخصوص ہیں کہ قیامت کے روز بھی خالص رہیں کدورات سے تو مومنین کے ساتھ یہ نعمتیں حیات دنیا میں اس طرح خاص ہیں کہ وہ ان کو اس طرح برتیں کہ وہ قیامت میں بھی کدورات سے خالص رہیں اور ان سے وہاں کوئی ضرر نہ ہو اور کفار جو ان چیزوں کو برتتے ہیں تو وہ اس قید سے نہیں برتتے پس خالصة يوم القيامة کے مصداق مومنین ہی ہیں جو برتنے میں یہ قید بھی ملحوظ رکھتے ہیں پھر جو اس کی تحریم کا اعتقاد رکھے اس کی اللہ تعالیٰ ہی مذمت فرماتے ہیں پھر آگے فرماتے ہیں کہ اور کونسی چیز ممنوع ہیں قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا

تَعْلَمُوْنَ غرض ان سے پوچھو کھانے پینے سے کس نے منع کیا ہے دیکھئے قرآن کی تو یہ تعلیم ہے تو اس تفسیر کے سمجھنے سے پہلے خالصة یوم القیامة کی ترکیب میں میں بہت پریشان تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ نہایت آسانی سے سمجھ میں آگیا کہ مومنین کی تخصیص اس قید کے ساتھ ہے کہ ان کے لئے قیامت کے روز بھی یہ نعمتیں کدورات سے خالی اور بے خطر ہوں گی یہ بات اور کسی کو نصیب نہیں پس یہ حال ہے اور حال قید ہوتی ہے عامل کی جس کی کافی تقریر ابھی گذری جب علماء کی یہ تحقیق قرآن مجید سے ہے تو ان پر یہ شبہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ مطلقاً تحصیل دنیا سے منع کرتے ہیں مگر اس پر بھی معترضین کی یہ حالت اور یہ جہالت ہے کہ دنیا میں کوئی کمی ہو کوئی کوتاہی ہو کوئی پستی ہو ہر معاملہ کو مولویوں ہی کے ذمہ تھوپتے ہیں بس وہی مثل صادق آتی ہے کرے گا کوئی بپے گا کوئی۔ لیکن اہل علم کو اس ملامت سے رنج ہرگز نہ کرنا چاہئے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ خوش ہونا چاہئے کیونکہ تجربہ ہے کہ ملامت سے آدمی دین میں زیادہ پختہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ حمیت ضد۔ اور پچ انسان کا طبعی امر ہے جب چاروں طرف سے لتاڑ پڑتی ہے تو اپنی بات کی پچ پڑ جاتی ہے کہ اب تو یہی کریں گے اس لئے لوگوں کی ملامت سے علماء کو دل گیر نہ ہونا چاہئے اس سے ان کا دین پختہ ہو جائے گا۔ میں نے تو اسی ملکہ پر نظر کر کے ایک خاص علاج کیا تھا جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ ایک بریلی کے خان صاحب کا پوتا علی گڑھ کالج میں پڑھتا تھا خان صاحب نے میرے سامنے اسے پیش کیا کہ یہ نماز نہیں پڑھتا اس کو سمجھا دیجئے۔ میں نے بلا کسی تمہید کے سادگی اور ہمدردی کے ساتھ پوچھا کہ بھائی تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اس نے بے تکلف کہا کہ سچ کہدوں میں نے کہا ہاں سچ ہی کہہ دو کہنے لگا بات یہ ہے کہ میں خدا ہی کا قائل نہیں نماز کس کی پڑھوں اور اس کہنے کے ساتھ ہی رونے لگا اور کہنے لگا کہ اس کے ذمہ دار خود میرے والدین ہیں جنہوں نے شروع ہی سے مجھے انگریزی میں لگا دیا اور دین کی کوئی تعلیم ہی نہ دی۔ میں نے خان صاحب سے کہا کہ اجی آپ تو نماز کو لئے پھرتے ہیں اس شخص میں تو

ایمان بھی نہیں پہلے اس کے ایمان کی فکر کیجئے خواہ بے نمازی ہی رہے وہ بہت پریشان ہوئے اور کہنے لگے کہ اس کا کیا علاج میں نے کہا کہ اس کا علاج تو ہے لیکن اگر اس کی لم نہ پوچھی جاوے اور بلا دلیل اس پر عمل کیا جاوے تو بتاؤں انہوں نے یہ شرط مان لی میں نے کہا کہ ان کو علی گڑھ کالج سے ہٹا کر کسی سرکاری اسکول میں داخل کرا دیا جاوے چنانچہ انہوں نے یہی کیا تقریباً سال بھر کے بعد پھر جب بریلی جانے کا اتفاق ہوا وہ پھر ملے اور بیان کیا کہ اب وہ لڑکا پکا دیندار اور نمازی ہو گیا۔ اس وقت خان صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب تو اس کی وجہ بتا دیجئے۔ میں نے کہا کہ علی گڑھ کالج میں تو سب آزاد خیال مسلمان ہی لڑکوں کا مجمع تھا آزادی سے جو چاہتے تھے بک دیتے تھے وہاں حمیت اسلام کے جذبہ کا کوئی محرک نہ تھا جب سرکاری اسکول میں داخل ہو گیا تو وہاں زیادہ تر ہندوؤں کے لڑکوں سے سابقہ پڑا اور ان میں عادت چھیڑ چھاڑ کی ہوتی ہے وہ مذہبی گفتگو اسلام کے خلاف کرتے تھے یہ حمیت قومی میں جواب دیتا تھا اس ضد میں آکر یہ دین پر پختہ ہو گیا اس کو سن کر خان صاحب کہنے لگے کہ جی ہاں یہ ہی واقعہ بھی ہے پھر تو یہاں تک نوبت پہنچی کہ اس نے مجھ سے بیعت ہونے کی درخواست کی گو میں نے مرید نہیں کیا کیونکہ میں ایسے جلدی کسی کو بیعت نہیں کیا کرتا مگر وہ یہاں تک پہنچ گیا تھا۔ تو میری اسی پر نظر ہو گئی کہ انسان کے اندر پچ کا مادہ ہے چنانچہ اس موقعہ پر پچ ہی کام آئی جو ملامت اور اعتراض سے ابھری تو علماء کو بھی جہلاء کے ملامت سے بددل نہ ہونا چاہئے اور اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی دستگیری ہے کہ اس کے لئے جو تجویز نافع تھی وہ ہی ذہن میں آئی حالانکہ بظاہر یہ الٹی سی بات تھی اور قبل عمل دوسروں کی سمجھ میں بھی نہیں آ سکتی تھی اسی لئے میں اس پر تفریعاً یہ ایک بات بھی کہا کرتا ہوں کہ جس پر اعتماد ہو اس سے قیل و قال نہیں کرنا چاہئے کہ اس کی کیا وجہ اس کی کیا وجہ۔ اگر مریض طبیب سے ہر نسخہ کی وجہ پوچھے گا تو طبیب بددل ہو جائے گا البتہ اگر کسی طبیب پر اعتماد نہ رہے تو اس کو چھوڑ دینا تو برا نہیں لیکن اس سے ہر ہر دوا کی

وجہ پوچھنا یہ بالکل خلاف اصول ہے اور ہرگز مناسب نہیں اب آپ اسی علاج کو دیکھئے جو اس لڑکے کا میں نے کیا بھلا آپ عقلاء زمانہ سے سن تو لیں یہ علاج۔ بس اس کی مرض کی لم منجانب اللہ سمجھ میں آگئی مگر یہ بھی نہیں ہے کہ ہر جگہ اسی علاج کو برتنے لگے بعض جگہ یہی چیز مضر بھی ہو جاتی ہے یہ طبیب ہی کا کام ہے کہ نبض دیکھ کر ذوقی طور پر مرض کی تشخیص کرے۔ تشخیص ایک ذوقی چیز ہے اسی طرح امراض روحانی کی تشخیص بھی ایک ذوقی چیز ہے۔

۱۴ر رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ دو شنبہ مجلس بعد الظہر

(ملفوظ ۱۳۶) قلوب اولیاء اللہ میں خوف عظمت الٰہی

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اولیاء اللہ کو اللہ تعالٰی کی عظمت کا ڈر ہوتا ہے گو بعض اوقات دوزخ کا نہیں رہتا۔ بلا شبہ جیسے کوئی شیر کٹہرے میں ہے۔ یا پلا ہوا ہے یا کسی عمل سے ایسا مسخر ہے کہ اس سے کوئی احتمال ہی حملہ کا نہیں دیکھئے ان صورتوں میں اگر کسی کو پورا وثوق بھی ہو کہ شیر میرا کچھ نہیں کرے گا لیکن اس یقین کے بعد بھی وہ اپنے دل کو ٹٹول کے دیکھ لے کہ آیا پھر بھی اس کے دل میں شیر کی ہیبت ہے یا نہیں۔ ضرور اپنے دل میں اس کی ہیبت کا اثر پائے گا لیکن یہ ایذاء کی ہیبت نہیں ذات کی ہیبت ہے کیونکہ خدا نے اس کی ذات میں ہیبت رکھی ہے بھائی کہتے تھے کہ دہلی کے عجائب خانہ میں ایک شیر کٹ گھر میں بند تھا ایک گنوار تماشائی نے اس کو مقید سمجھ کر لکڑی سے چھیڑا مگر وہ اس کی پرواہ بھی نہ کرتا تھا اور برابر ادھر سے ادھر ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا جب وہ گنوار بہت دیر تک چھیڑتا رہا تو وہ ذرا کھڑا ہو گیا اور آنکھیں کھول کر اس گنوار کو ذرا تیز نظر سے دیکھا وہ گنوار فوراً دھڑام سے زمین پر گرا اور وہیں پیشاب خطا ہو گیا تو وہ کیا بات تھی بس عظمت تھی اس کی ذات کی جس سے باوجود اس کے کہ اس کو پورا یقین تھا کہ یہ کٹ گھر میں بند ہے میرا کچھ نہیں کر سکتا اتنا خوف اس

کے دل پر طاری ہو گیا جب ایک ادنیٰ شیر کی ذات میں اتنی عظمت ہے تو حق تعالیٰ کی عظمت کا کیا ٹھکانا ہے۔

ان حضرات کو اللہ تعالیٰ سے خوف عظمت ذات کا ہوتا ہے اور ہم سوالوں کو دوزخ کا اور عقوبت کا غلبہ رجاء سے اولیاء اللہ سے یہ خوف منفک ہو جاتا ہے لیکن وہ خوف عظمت کا کبھی منفک نہیں ہوتا البتہ جنت میں گو یہ خوف تو رہے گا مگر اس کی کیفیت بدل جاوے گی یعنی بجائے اضطرار کے اس میں سکون ہو گا اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ وہاں خوف میں بھی راحت ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ قدرت ہے وہ باوجود استحضار عظمت کے پریشانی نہ ہونے دیں گے اس پریشانی نہ ہونے پر ایک مسئلہ کی تحقیق اور متفرع فرمائی وہ یہ کہ بعض صوفیہ کا قول ہے کہ عشاق کو جنت میں بھی شورش عشقی رہے گی ان کا یہ قول اس عبارت سے مشہور ہے ان الجنان لجنۃ لیس فیھا حور ولا قصور ولکن فیھا ارنی ارنی۔ مگر یہ قول محض غلط ہے۔ اور اس غلطی کا منشا چند مقدمات کا جمع ہونا ہے اول مقدمہ یہ کہ حق تعالیٰ کے ساتھ عشق عقلی تو سب کو ہے ان حضرات کو عشق طبعی بھی ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ کہ محبت طبیعہ کے لئے اشتیاق والتہاب لازم ہے۔ تیسرا مقدمہ یہ کہ لازم اپنے ملزوم سے کبھی منفک نہیں ہوتا چوتھا مقدمہ یہ کہ جمال حسن الٰہی کی کوئی حد نہیں ہے جس قدر اس کا انکشاف ہوتا جاتا ہے آگے شوق بڑھتا چلا جاتا ہے اور یہاں دنیا کے محبوبوں کے وصال سے سیری اس لئے ہو جاتی ہے کہ ان کا حسن متناہی ہے اس کے حصول کامل سے شوق زائل ہو جاتا ہے اور وہاں حسن کی حد نہیں لہذا شوق کی بھی حد نہ ہو گی اور اس کے لئے التہاب و اضطراب لازم ہے اس لئے یہ بھی دائمی ہو گا اور اس اضطراب میں وہ حضرات حور و قصور کی طرف التفات بھی نہ کریں گے اور اس قول کی شہرت سے میں نے اکابر کو بھی یہ دعویٰ کرتے دیکھا ہے۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب میرے دل میں ڈال دیا وہ یہ کہ ان حضرات کو ان مقدمات میں سے ایک مقدمہ میں غلطی ہو گئی وہ یہ کہ زوال اشتیاق کا مدار حسن

کی تناہی اور حصول کامل پر رکھا گیا اور وہاں نہ حسن متناہی ہو گا نہ حصول کامل اس لئے اشتیاق زائل نہ ہو گا اور اس کے لئے شورش لازم ہے سو یہی غلطی ہے بلکہ اس کا مدار حصول کامل بقدر استعداد ہے اور وہاں گو حصول کامل نہ ہو گا مگر بقدر استعداد ہو جاوے گا اس لئے اشتیاق التہابی نہ رہے گا سکون ہو جاوے گا اور یہاں عشاق الہی کو بقدر استعداد بھی حصول نہیں ہوتا اس لئے التہاب ہوتا ہے اور دلیل اس کی نصوص والہ علی نفی حزن و نصب و لغوب وحصول طمانیت و راحت من کل الوجوہ ہیں سو ان قائلین کی اس حقیقت پر نظر نہیں گئی کہ استعداد کی ایک انتہاء ہے دنیا میں جو تجلی ان کے قلب پر منکشف ہوتی ہے وہ اس استعداد کی انتہاء تک نہیں پہنچتی یہ وجہ ہے دنیا میں اشتیاق و التہاب باقی رہنے کی بخلاف اس کے جنت چونکہ سکون کی جگہ ہے وہاں جتنی استعداد ہے اس کے مطابق پوری تجلی ہو جائے گی گو وہ تجلی تو غیر متناہی ہے لیکن استعداد کی جو انتہاء ہے اس کے انتہائی درجہ تک وہ حاصل ہو جائے گی جس کا یہ اثر ہو گا کہ لذت تو ہو گی شوق مستتبع اضطراب نہ ہو گا اس لئے وہاں اضطراب بھی نہ ہو گا جس کا دعوی ان غیر محققین صوفیہ نے کر دیا۔ اور یہ غیر محقق صوفی بس ایسی باتوں کو نکات تصوف سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مولوی کیا جانیں ان نکات کو۔ ارے بھائی مولوی تو وہ بھی جانتے ہیں جو تم جانتے ہو اور اس سے آگے بھی جانتے ہیں اور موٹی بات ہے کہ اگر وہاں جا کر بھی بے چینی رہی تو وہ جنت ہی کیا رہی وہاں تو سکون ہی سکون اور چین ہی چین ہو گا۔ وہاں اضطراب اور بے چینی کا کیا کام صوفیہ کی ایسی غلطیوں کو سمجھ لینا اور بیان کر دینا اور پھر ان کو رفع کر دینا یہ بھی محقق کی صحبت ہی پر موقوف ہے۔

۱۵؍ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ سہ شنبہ مجلس بعد الفجر

(ملفوظ ۱۳۷) چھوٹی چھوٹی باتوں کا نتیجہ زوال سلطنت ہوتا ہے

ایک خادم کی ایک ادنی انتظامی غفلت سے بہت دیر تک پریشانی رہی پھر فرمایا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی بہت اہتمام چاہئے۔ سلطنت جو گئی ہے میرے نزدیک چھوٹی چھوٹی چیزوں کے اہتمام کی غفلت ہی سے گئی ہے کیونکہ چھوٹی چھوٹی جزئیات کی طرف سے جو غفلتیں ہوتی رہتی ہیں وہ سب مل کر ایک بہت بڑا مجموعہ غفلتوں کا ہو جاتا ہے جو آخر میں رنگ لاتا ہے اور زوال سلطنت کا موجب ہو جاتا ہے- نیز جب چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام نہیں ہوتا تو غفلت کی عادت پڑ جاتی ہے پھر بڑے بڑے امور میں بھی غفلت ہونے لگتی ہے اور وہ براہ راست مخل ہیں- سلطنت کی اس لئے چھوٹی چیزوں کا اہتمام ویسا بھی ضروری ہے جب چھوٹی چیزوں کا اہتمام ہو گا تو بر بنا عادت بڑی چیزوں کا تو اہتمام ضروری ہی ہوگا اس میں ایک بڑا راز یہ بھی ہے کہ چھوٹے امور میں کوتاہی کرنے سے باہمی معاملات میں بھی یہی عمل ہوتا ہے جس سے باہم کدورت پیدا ہو جاتی ہے اس صورت میں باہم الفت نہیں رہتی اور مدار سلطنت کا باہمی اتفاق پر ہے- اس اہتمام کی تائید میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار شب کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ آکر باتیں کرنے لگے تو آپ نے فوراً چراغ گل کر دیا کیونکہ اس وقت آپ بیت المال کا کام کر رہے تھے اور چراغ میں تیل بھی بیت المال ہی کا تھا- لیجئے یہ بھی کوئی بڑی بات تھی لیکن جو شخص ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کا اہتمام کریگا وہ بڑے بڑے امور کو تو کیوں نظر انداز کریگا-

(ملفوظ ۱۳۸) کثرت رائے کے باطل ہونے کی دلیل

آج شب کو حضرت اقدس مدظلہم العالی کو پھر بعض شکایت ہو گئیں جس سے غیر معمولی ضعف لاحق ہو گیا- بعد فجر زائرین کا حسب معمول ہجوم

تھا- حضرت اقدس نے یہ کہلا بھیجا کہ آج ضعف زیادہ ہے ہجوم کا تحمل نہیں لہذا صرف چند صاحبوں کو بلا سکتا ہوں اور بقیہ سے معافی چاہتا ہوں یہ سن کر سب نے بلا ادنی تامل قبول کیا بلکہ بعض از خود واپس تشریف لے گئے- پھر موجودین کی ایک فہرست مرتب کی گئی جس میں سے بلانے کے لئے پہلے ۱۸ صاحب منتخب کئے گئے اور نو باقی رہے لیکن حضرت اقدس نے چاہا کہ نہ بلائے جانیوالوں کی تعداد زیادہ ہو جن میں مخصوص حضرات بھی کافی تعداد میں ہوں تاکہ ان کو خصوصیت کا ناز نہ ہو اور غیر مخصوصین کو اپنی عدم خصوصیت پر حسرت نہ ہو اور اجمالی طور پر فرمایا کہ اس کا عکس ہونا چاہئے چنانچہ فہرست پر نظر ثانی کی گئی تو حسن اتفاق سے جو تعداد انتخاب میں آئی وہ بالکل سابق کا عکس تھا یعنی نو بلانے کے لئے اور اٹھارہ واپسی کیلئے اور حضرت اقدس یہی چاہتے تھے اس کے متعلق فرمایا کہ انتخاب کرتے وقت مجھ کو بہت ندامت ہوئی لیکن انتخاب نہ کرتا تو کیا کرتا جہاں تک ہو سکا انتخاب میں اس کی رعایت کی گئی کہ اوروں کی دل شکنی نہ ہو اس کے بعد ایک محب خاص نے تبدیل علاج کی ضرورت پر گفتگو شروع کی تو فرمایا کہ اس وقت یہ گفتگو بے نتیجہ ہے کیونکہ بلا مشورہ کچھ طے نہیں کیا جا سکتا- عجلت مناسب نہیں- جو شقیں ہیں ان کے سب پہلوؤں پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور ہر شق کے مرجحات بھی اور موانع بھی سب دیکھنے چاہئیں- مشورہ جو مسنون ہے تو اسی مصلحت کے لئے کہ تمام شقوق سامنے آجائیں پھر ان میں سے ایک شق کو ترجیح دیدی جاوے لیکن اس انتخاب کے لئے کثرت رائے صحیح طریقہ نہیں جیسا اس وقت عام مذاق ہو گیا- کثرت رائے کے غیر صحیح ہونے کی ایک خاص دلیل نہایت قوی اسی وقت ذہن میں آئی وہ یہ کہ جنگ بدر میں ستر قیدی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں لائے گئے اس وقت تک اس کے متعلق کوئی نص تھی نہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جاوے- حضور نے صحابہ سے مشورہ کیا- خود حضور کی رائے مبارک یہ تھی کہ کچھ فدیہ لیکر سب کو چھوڑ دیا جائے- آپ تو بڑے رحیم و کریم تھے- خود صحابہ

کی بھی زیادہ تر یہی رائے ہوئی کیونکہ اسی میں مصلحت معلوم ہوئی اور مصلحت کھلی ہوئی تھی- کیونکہ وہ سب قیدی بڑے بڑے سردار تھے- یہ خیال ہوا کہ اگر ان کو چھوڑ دیا جائیگا تو ان کی تالیف قلب ہو گی- ممکن ہے کہ حضور کی شان کرم کو دیکھ کر ان لوگوں کو محبت ہو اور اسلام لے آئیں اور یہ رائے محض اس وجہ سے نہ تھی کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی رائے مبارک یہی تھی بلکہ خود صحابہ کی بھی آزادانہ رائے اس مصلحت سے جس کا ابھی ذکر کیا گیا یہی تھی اور مشورہ اسی لئے کیا بھی جاتا ہے کہ مختلف رائیں معلوم ہوں جن میں سے پھر مستثیر یا امیر ایک کو ترجیح دے سکے اور مشورہ کا حاصل یہی ہے کہ سب کی رائے ظاہر ہو جائے اس لئے سب صحابہ نے آزادانہ اپنی رائے پیش کی تھی- اتنی بڑی جماعت میں صرف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور سعد بن معاذ اس رائے میں موافق نہ تھے کہ ان قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے- سب مجمع میں ان دو بزرگوں کی یہ رائے تھی کہ یہ بڑے بڑے سردار ہیں ان سب کو قتل کر دیا جائے تاکہ کفر کی شوکت ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کی یہ دھاک بیٹھ جائے کہ افوہ ان میں اتنی قوت ہے کہ کسی جماعت کی پروا نہیں کی اور کسی کو تدبیر و تالیف سے اپنے میں مدغم کرنا نہیں چاہتے سب سے مستغنی ہیں- جب رائے کا انتخاب ہوا تو یہی رائے منتخب ہوئی کہ فدیہ لیکر سب کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس وقت دیکھئے صاف اسی کثرت رائے کی صورت تھی اگر یہ طریقہ کثرت رائے کا حق ہوتا تو اس کے خلاف آیت کیوں نازل فرمائی گئی اور آیت بھی کیسی سخت- ارشاد ہوا لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ- یعنی اگر تمہاری تقدیر میں پہلے سے خیر نہ لکھ دی گئی ہوتی تو تم نے جو عمل کیا اس پر عذاب عظیم آتا جب یہ آیت نازل ہو چکی تو حضور کو دیکھا گیا کہ رو رہے ہیں- حضرات صحابہ نے پریشان ہو کر پوچھا کہ حضرت کیا بات ہے- فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب قریب آگیا تھا لیکن رک گیا اور اگر نازل ہو جاتا تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ کے کوئی نہ بچتا سب ہلاک ہو جاتے

اھ- اللہ تعالیٰ نے غلطی دکھلانے کے لئے عذاب دکھلا دیا اور یہ دکھلانے کے لئے کہ اجتہادی غلطی معاف ہے عذاب کو ٹال دیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ بجائے اس کے فخر کرتے کہ میری رائے کے مطابق وحی نازل ہوئی بہت مغموم اور شرمندہ تھے کہ میں اس قابل کہاں کہ میری رائے کے موافق وحی نازل ہوئی- خیر یہ قصہ تو ہوا لیکن جن کو فدیہ دے کر چھوڑ دیا گیا ان میں سے اکثر نے بعد کو اسلام قبول کر لیا- انہیں میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے اگر وہ قتل کر دئے جاتے تو ان کی اولاد کہاں ہوتی اور بنو عباس کی خلافت کہاں ہوتی اور جو ان سے اسلام کی رونق اور قوت ہوئی وہ کہاں ہوتی- بہر حال کثرت رائے کا باطل ہونا اس سے زیادہ کس دلیل سے ثابت ہو سکتا ہے-

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ یکشنبہ (مجلس بعد الظہر)

(ملفوظ ۱۳۹) عبادات میں اجر عمل و اخلاص پر موقوف ہے

فرمایا کہ عبادات میں اجر لذت پر موقوف نہیں ہے عمل و اخلاص پر ہے- بزرگوں کی تو اس باب میں یہاں تک نظر گئی ہے کہ ایک بزرگ خلوت میں یہ دعا کرتے سنے گئے کہ اے اللہ مجھے تفویض تو عطا فرمایئے لیکن لذت تفویض سے اپنی پناہ میں رکھئے- تفویض تو نصیب ہو مگر اس میں جو لذت ہوتی ہے اس سے محفوظ ہوں تاکہ خالص تفویض نصیب ہو اس میں نفس کی اتنی بھی آمیزش نہ ہونے پاوے کہ وہ لذت سے خوش ہو اھ- سبحان اللہ کیا اخلاص تھا- اب لوگ طریق میں بھی لذت ہی ڈھونڈھتے ہیں- اجی لذت ہے ہی کیا چیز- شیخ شیرازی تو فرماتے ہیں ؎

اگر مرد عشقی کم خویش گیر
وگرنہ رہ عافیت پیش گیر

کم میں لذت کی کمی بھی آگئی اور یہ تو تشقیق ہے- آگے ایک شق کو

ترجیح دیتے ہیں فرماتے ہیں۔

مترس از محبت کہ خاکت کند
کہ باقی شوی چون ہلاکت کند

خاک ہونا وہی گم ہونا ہے جس کی تفسیر اوپر آچکی اور احوال و کیفیات جن میں لذت ہوتی ہے ان کے متعلق حضرت جنید علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں تلک خیالات تربی بھا اطفال الطریقۃ یعنی یہ احوال و کیفیات تو محض دل خوش کن خیالات ہیں جو اطفال طریق کو بہلانے کے لئے اور راہ پر ڈالنے کے لئے ہوتے ہیں جیسے کسی بچہ نے پڑھنا شروع کیا تو پہلے اس کو لڈو کھلا کھلا کر شوق دلاتے ہیں جب ذرا اس کو علم کا چسکا لگ گیا تو پھر وہ خود الٹا استاد کو لڈو دے دے کر سبق پڑھتا ہے لیجئے حضرت جنید کتنے بڑے صاحب طریق ہیں وہ یہ درجہ سمجھتے ہیں لذت کا یا بالفاظ دیگر یوں کہئے کہ جس مریض سے غذا بلا اچار چٹنی کے نہ کھائی جا سکے اس کو طبیب عارضی طور پر بمصلحت اجازت دے دیتے ہیں کہ بھائی اگر تجھ سے یوں غذا نہیں کھائی جاتی تو تو دستر خوان پر کچھ اچار چٹنی بھی رکھ لیا کر۔ کسی طرح بقدر ضرورت غذا تو پیٹ میں پہنچے جس پر حیات کا دارومدار ہے اھ۔

پھر حضرت اقدس مدظلہم العالی نے فرمایا کہ اگر باوجود لذت کی اس تحقیق کے سمجھ لینے کے پھر بھی طبعاً اس کی خواہش ہو بالخصوص اس نیت سے کہ یہ اعمال مقصودہ میں معین ہو گی تو اس کے حصول کے لئے صرف دعا کر لینے کا مضائقہ نہیں لیکن اس کی تحصیل کی تدبیر نہ کرے اور تدبیر میں یہ بھی داخل ہے کہ مثلاً شیخ سے لذت کے حصول کا طریق پوچھنے لگے اس سے پوچھنا یہ خود خلاف اصول ہے کیونکہ یہ نہ اس کے ذمہ ہے نہ اس کے قبضہ میں ہے بلکہ شیوخ تو بیچارے خود ہی قبض میں مبتلا ہوتے رہتے ہیں اور بعض اوقات تو ان کی ایسی شدید حالت ہوتی ہے کہ اگر مرید پر وہی حالت طاری ہو جائے تو اس سے سوائے خودکشی کے اور کچھ نہ بن پڑے سو جب وہ خود اپنا ہی علاج نہیں کر

سکتے تو پھر تمہارا علاج تو کیا کریں گے اور انہیں جب یہ حالت پیش آتی ہے تو ان کا دستور العمل زبان حال یا زبان قال سے یہ ہوتا ہے ؎

باغبان گر پنج روزے صحبت گل بایدش
بر جفائے خار ہجران صبر بلبل بایدش
اے دل اندر بند زلفش از پریشانی مغال
مرغ زیرک چون بدام افتد تحمل بایدش
تکیہ بر تقوی و دانش در طریقت کافریست
راہ رو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

اب لوگ کیفیات کو شیخ کے قبضہ میں سمجھتے ہیں یہ بڑی سخت غلطی ہے وہ سمجھے ہی نہیں کہ شیخ کے ذمہ ہے کیا- شیخ کے ذمہ صرف تعلیم طریق ہے ثمرہ اس کے قبضہ میں نہیں- اب آجکل نہ پیر کو خبر کہ مرید کا منصب کیا ہے نہ مرید کو خبر کہ پیر کا منصب کیا ہے اور یہ تو ان کا حال ہے جو دکاندار نہیں ورنہ دکانداروں کا تو کچھ نہ پوچھئے کہ کیا حال ہے وہاں تو بس یہ کیفیت ہے کہ پیر صاحب تو مرید کے ذمہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو مال دولت تمہارے پاس ہے وہ ہمیں دے دو اور مرید صاحب غلطی سے پیر کے ذمہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ دولت باطنی تم لئے بیٹھے ہو وہ سب ہمیں یوں ہی دے دو ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے- یہ تو گویا تجارت ہو گئی جس پر یہ آیت صادق آتی ہے- اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ مشہور ہے کہ ایک مرید نے پیر سے خواب بیان کیا کہ اس کی انگلیاں تو غلیظ میں بھری ہوئی ہیں اور پیر کی شہد میں پیر سن کر بولے کہ خواب ٹھیک تو ہے تم سگ دنیا ہو ہم اہل دین ہیں- مرید نے کہا کہ ابھی خواب پورا تو سن لیجئے میں نے یہ بھی دیکھا کہ آپ میری انگلیاں چاٹ رہے ہیں اور میں آپ کی- اب پیر صاحب چپ چاہے یہ خواب گھڑا ہوا ہو لیکن ہو یہی رہا ہے کہ پیر تو مریدوں سے دنیا کما رہے ہیں اور مرید بیچارے ان کو سچا پیر سمجھ کر ان سے دین کے طالب ہیں- ماشاء اللہ- ایک ہمارے حضرت مولانا گنگوہی تھے

بمشکل اور بہت اصرار پر تو ایک والئی ملک کو مرید کیا لیکن یہ شرط لگا دی کہ نہ کبھی کوئی ہدیہ بھیجیں نہ کبھی یہاں آئیں۔ والی ملک تو بڑی چیز ہے اب تو کوئی گاؤں کا چودھری بھی مرید ہو جائے تو پیر صاحب مارے خوشی سے پھولے نہ سمائیں کہ میاں اور کچھ نہیں تو سال بھر کا غلہ ہی گاؤں سے آجایا کرے گا۔

(ملفوظ ۱۴۰) بکاء قلب مقصود ہے

جن احوال و کیفیت کا ملفوظ بالا کے شروع میں ذکر ہے ان کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ ایک دوست نے مجھے دہلی سے خط لکھا کہ اس کا مجھے بڑا رنج ہے کہ مجھ کو رونا نہیں آتا۔ میں نے انہیں لکھا کہ یہ جو نہ رونے پر رنج ہے یہ بکاء قلب ہے اور بکاء قلب ہی مقصود ہے بکاء عین مقصود نہیں اور وہ آپ کو حاصل ہے جس پر خدا کا شکر کیجئے۔ اس سے ان کی بالکل تسلی ہو گئی۔ اھ۔ پھر فرمایا کہ لوگوں نے رونے کے مقصود ہونے کے متعلق اشعار بھی یاد کر رکھے ہیں مثلاً ؎

در پس ہر گریہ آخر خندہ ایست
مرد آخر بین مبارک بندہ ایست

لیکن سب جگہ بکاء قلب ہی مراد ہے بکاء عین مراد نہیں اگر یہ نہ ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں فان لم تبکوا فتباکوا بلکہ بجائے تباکوا کے بکاء کی تدبیر ارشاد فرماتے۔ پھر فرمایا کہ اس رستہ میں بڑے بڑے گڑھے ہیں۔ ہر قدم پر ایک گڑھا ہے ان ہی کو حضرت حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسی ست
ہشدار وگوش رابہ پیام سروش دار

ان ہی وساوس میں یہ شکایت بھی داخل ہے کہ عبادت میں لذت نہیں آتی رونا نہیں آتا اس لئے ان سب کو قطع کرنا چاہئے کیونکہ ان سے مایوسی پیدا ہوتی ہے اور مایوسی اس طریق میں سب سے بڑھ کر مانع ہے پھر دوسرے مصرعہ

میں جو پیام سروش کی طرف متوجہ کیا ہے وہ کیا ہے وہ وحی ہے- تو اس شعر کا حاصل یہ ہوا کہ اس طریق میں بڑے بڑے وساوس ہیں ان سے ہوشیار رہو اور صرف وحی کا اتباع کرتے رہو- وہی ان سب وساوس کی قاطع ہے یعنی گو وساوس کے وجود کی قاطع نہیں مگر ان کے اثر کی قاطع ہے- وساوس تو سب کو آتے ہیں- بڑے بڑوں کو بھی آتے ہیں لیکن وہ پروا بھی نہیں کرتے کیونکہ وحی نے ہم کو وساوس سے بالکل بے فکر کر دیا ہے- بعض طالبین جو ناواقف یا خود رائے ہیں وہ وساوس کے متعلق مطمئن کر دئے جانے کے بعد بھی مطمئن نہیں ہوتے بلکہ قیل و قال کرتے ہیں- سو یہ بالکل خلاف طریق ہے ان کو شیخ کامل کا بے چوں و چرا اتباع کرنا چاہئے کیونکہ وہ بینا ہے اور طالب نابینا- نابینا کا کام تو یہ ہے کہ وہ اپنے رہبر کا ہاتھ پکڑے ہوئے چپ چاپ چلتا رہے- اگر اس نے ہر قدم پر تحقیقات کرنا شروع کر دیا تو بس پھر وہ رستہ چل چکا- رہبر بینا ہے تم نابینا ہو- وہ رستہ کے سب نشیب و فراز دیکھ رہا ہے تم نہیں دیکھ رہے- جدھر وہ لے چلے بس ادھر بے کھٹکے چلتے رہو- نفس اور شیطان لاکھ وسوسے سے ڈالیں مطلق التفات نہ کرو- شیطان تو مایوس بناتا ہے- شیخ مانوس بناتا ہے- سو تم مبتلائے وساوس ہو کر یاس کے پاس نہ پھٹکو بلکہ وساوس سے اعراض کر کے یکسوئی کیساتھ انس مع اللہ پیدا کرو جو اصل مقصود ہے-

۲۴ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ پنجشنبہ

(ملفوظ ۱۴۱) نسبت صحبت اہل اللہ سے حاصل ہوتی ہے

تصوف کے غامض حقائق کا ذکر تھا- فرمایا کہ جو چیزیں باغ کے گرد اگر جھاڑ جھنکاڑ کے درجہ میں تصوف کے تابع اور محافظ تھیں ان کو لوگوں نے مقصود سمجھ لیا- وہ چیزیں اپنی ذات میں منکر نہیں ہیں مگر ان کا درجہ بھی تو متعین ہونا چاہئے، اور یہ خرابی تعمیم اشاعت سے ہوئی کہ جو چیزیں عین تصوف نہ

تھیں گو معین تصوف تھیں اور اس اعانت کی مصلحت سے خلوت میں کہنے کی تھیں اور صرف خواص سے کہنے کی تھیں اور وہ مصلحت یہ تھی کہ جب ان پر یا ان کے متعلقین پر اس قسم کے حالات وارد ہوں تو وہ پریشان نہ ہو- ان تحقیقات پر منطبق کر لیا کریں اور اس انطباق کو معیار ان واردات کی صحت و بطلان کا سمجھیں- اس غرض سے ان کی تدوین ہوئی لیکن وہ چیزیں اب بازاروں میں بکنے لگیں- چنانچہ آجکل ایسی ایسی کتابوں کے ترجمہ ہوتے ہیں جیسے فصوص الحکم- اس لئے ان سے ضرر ہوا- اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ کسی طب کی کتاب کا محض ترجمہ دیکھ کر بیوی کو مسہل نہیں دیا جا سکتا حالانکہ وہ کتابیں صحیح ہیں لیکن وہ کتابیں طبیب کے لئے ہیں نہ کہ مریض کے لئے- مریض کی کتاب تو خود طبیب ہے اور طبیب کی کتاب وہ کتاب ہے بلکہ اگر طبیب بھی خود علیل ہو تو وہ بھی دوسرے طبیب سے رجوع کرتا ہے کیونکہ رائی العلیل علیل اسی طرح وکیلوں کا اگر کوئی مقدمہ ہوتا ہے تو اس کی بھی پیروی وہ خود نہیں کرتے بلکہ دوسرے وکیلوں کے سپرد کرتے ہیں چنانچہ ایک وکیل مجھ کو ریل میں ملے جو اپنے کسی ذاتی مقدمہ کی پیروی کے لئے جا رہے تھے میں نے کہا کہ آپ کو تو وکیل کرنا نہ پڑتا ہو گا- کہا کہ کرنا پڑتا ہے کیونکہ بوجہ اس کے خود اپنا معاملہ ہوتا ہے طبیعت منتشر رہتی ہے اور دوسرا خالی الذہن ہوتا ہے اس کی قوۃ فکریہ پوری طرح کام دیتی ہے اس لئے بہت اعلیٰ درجے کا وکیل بھی اپنے ذاتی مقدمات کی پیروی کے لئے دوسرے ہی وکیل کو مقرر کرتا ہے بس اسی طرح تصوف کی ایسی کتابیں منتہیوں کے کام کی ہیں اور مبتدی کی کتاب خود منتہی ہے- اسی سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ یہ جو مقولہ مشہور ہے کہ تصوف ایک چیز سینہ بسینہ ہے سو جو چیز سینہ بسینہ پہنچتی ہے وہ البتہ سینہ ہی سے حاصل ہوتی ہے جس کا ذریعہ صحبت ہے- اس میں تخصیص تصوف کی نہیں- ہر فن کا یہی حال ہے کہ اس سے مناسبت جب ہی پیدا ہوتی ہے جب کسی استاد کی صحبت میں وہ فن سیکھا جاوے- مثلاً اگر کوئی شخص سال بھر کسی بڑھئی کو کام کرتے ہوئے دیکھتا رہے لیکن اس

سے باقاعدہ سیکھے نہیں تو باجود اس ایک سال کے مشاہدہ کے وہ ایک لکڑی تو درست کر دے۔ غرض کوئی فن ہو اس میں حذاقت اور اس سے مناسبت جب ہی حاصل ہو گی جب کوئی استاد توجہ کیساتھ سکھائے گا۔ سو وہ مناسبت اور حذاقت سینہ بہ سینہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ مدون کتابیں دیکھنے سے نہیں آتی۔ خوان نعمت سے دیکھ کر کوئی کباب نہیں بنا سکتا۔ باورچی ہی سے سیکھنا پڑتا ہے۔ وہ جو باورچی نے سکھایا ہے بس وہ سینہ بہ سینہ ہی ہے اھ۔

شنبہ ۲۶ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۰ ھ مقام کانپور

(ملفوظ ۱۴۲) مقصود میں مشقت مطلوب نہیں

بسلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ ایک مولوی صاحب جو بہت ذہین ہیں یہ کہہ رہے تھے کہ اعمال دینیہ میں جتنی زیادہ مشقت ہو گی اتنا ہی زیادہ اجر ہو گا۔ میں اس میں تفصیل کرتا تھا کہ مقصود میں جو مشقت ہو اس میں تو اجر ہے لیکن اگر ذرائع میں ضرورت سے زائد۔ اپنے اوپر مشقت ڈالی جاوے تو اس میں کوئی اجر نہیں اس پر وہ بحث کر رہے تھے اور کسی طرح مان کر ہی نہ دیتے تھے جب میں نے ایک مثال دی تب ان کی سمجھ میں آیا اور خاموش ہوئے۔ میں نے کہا کہ ایک شخص نماز کے لئے وضو کرنا چاہتا ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وضو کے لئے پانی یہیں کے حوض سے لے لے اور دوسری صورت یہ بھی ہے کہ دو کوس چل کر جلال آباد پہنچے اور وہاں کے کنویں سے پانی لاد کر لاوے اور پھر اس سے وضو کرے تو کیا اس مشقت میں اس کو کچھ زائد اجر ملے گا۔ ظاہر ہے کہ اس فضول مشقت میں چونکہ کوئی مصلحت نہیں لہذا اس پر کچھ بھی اجر نہ ملے گا تو اس مثال سے معلوم ہو گیا کہ طریق میں جو بلا ضرورت مشقت ہو وہ موجب اجر نہیں البتہ نماز چونکہ مقصود ہے اس میں طول قیام اور کثرت سجود سے ضرور زیادہ اجر ملے گا مگر اس میں بھی حدود ہیں مثلاً ۔ اری رات نفلیں پڑھتا

رہا اور اتنی دیر میں سویا کہ وقت پر آنکھ نہ کھلی اور صبح کی جماعت فوت ہو گئی تو اس کی بھی ممانعت ہے چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسے ہی واقعہ پر فرمایا کہ ساری رات سونا اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ رات بھر عبادت کرتا رہے اور صبح کی جماعت فوت کر دے بہر حال اگر غیر ضروری مشقت میں کچھ اجر ہوتا تو خود حضور سے بڑھ کر کون عالی ہمت ہو گا۔ حضور خود کیوں نہ اس طریق مشقت کو اختیار فرماتے حضور کی سنت تو یہ ہے جو حدیثوں میں مذکور ہیں ماخیر بین امرین الااختار ایسر ھما یعنی جب کبھی دو باتوں میں حضور کو اختیار دیا گیا تو حضور نے ہمیشہ اس بات کو اختیار کیا جو دونوں میں سے زیادہ سہل ہوئی۔

(ملفوظ ۱۴۳) علماء کو شان استغناء اختیار کرنے کی ضرورت

بہ سلسلہ کلام فیض التیام فرمایا کہ یوں جی چاہتا ہے علماء کو ایسے طرز پر رہنا چاہئے کہ اگر امراء ان کی خدمت میں کچھ پیش کریں تو اس وقت ان کو یہ اندیشہ ہو کہ کہیں انکار نہ کر دیں لوٹا نہ دیں مگر افسوس اب تو اکثر نے وہ طرز اختیار کیا ہے کہ امراء کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں مانگ نہ بیٹھیں اھ۔

(ملفوظ ۱۴۴) ھدی للمتقین میں تقویٰ کے لغوی معنی

کسی سلسلہ کلام میں یہ فرمایا کہ ھدی للمتقین پر ایک اشکال کیا جاتا ہے کہ جو متقی ہو گا اس کے لئے ہدایت کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے متقی ہے۔ اس کے مختلف جواب دئے گئے ہیں لیکن میرے نزدیک یہاں تقویٰ کے لغوی معنی مراد ہیں یعنی دل میں کھٹک پیدا ہونا۔ اور یہ امر محقق ہے کہ اول دل میں کھٹک ہی پیدا ہوتی ہے پھر ہدایت ہوتی ہے۔ اور میری سمجھ میں قرآن سے اتقاء بمعنے کھٹک کی ایک تائید آئی ہے سورہ وَاللَّيْلِ میں فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ

اسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی میں بھی تقابل ہو گا اور استغنے کے معنے ہیں بے فکری تو اتقی کے معنے ہوں گے فکر۔ اور یہی حاصل ہے کھٹک اور خوف کا جو لغوی معنے ہیں تقوی کے اور وہ ہمیشہ مقدم ہوتا ہے ہدایت پر پس کوئی اشکال نہیں رہا۔

نوٹ از جامع۔ میں ناظرین سے معافی چاہتا ہوں کہ جو کچھ تمہید میں خیال ظاہر کیا گیا تھا اس کو میں پورا نہ کر سکا اور اکثر حصہ لکھنو کے ملفوظات کا صاف نہ کر سکا اور اب چونکہ ان کو ضبط کئے عرصہ ہو گیا اس لئے ان کے صاف کرنے کی اب نہ ہمت ہے نہ توقع لہذا اس ملفوظ پر اس مجموعہ تعلیم اود کو ختم کیا جاتا ہے۔

(ملفوظ ۱۴۵) کلام میں اعتدال کی ضرورت

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ کے سلسلہ میں مولانا کا تقلیل کلام کے متعلق یہ ارشاد نقل فرمایا کہ تقلیل کلام خود مقصود نہیں بلکہ مقدمہ مقصود ہے مقصود تو اعتدال ہے لیکن جس کو کثرت کلام کی عادت پڑی ہوئی ہو اس کو اعتدال پر اس وقت تک عادۃً قدرت حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ کثرت کلام کے مقابلہ میں تقلیل کلام مبالغہ کے ساتھ نہ اختیار کرے بس محض اس مصلحت سے تقلیل کلام تجویز کیا جاتا ہے اس کی مثال مولانا نے عجیب دی فرمایا کہ اگر کسی کاغذ میں مڑے رہنے کی وجہ سے بل پڑ گیا ہو اور اس کو ہموار کرنا چاہیں تو کاغذ کی خاصیت یہ ہے کہ اسی صورت میں جب تک اس کو دوسری طرف پوری طرح نہ موڑا جاوے اس کا بل نہیں نکلتا اور ہموار نہیں ہوتا تو گو دوسری طرف موڑنا مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود ہموار کرنا ہے لیکن چونکہ ازروئے خاصیت وہ اس وقت تک ہموار نہیں ہوتا جب تک جانب مخالف میں اس کو نہ موڑا جائے اس لئے ایسا کرنے کی ضرورت واقع ہوتی ہے سبحان اللہ کیا اچھی بات ہے تو تقلیل کلام سے خود تقلیل مقصود نہیں بلکہ اعتدال مقصود ہے اور تقلیل اس کی تدبیر ہے اور میرے ذوق میں اس تقلیل

مسئلہ پر تنبیہ ضروری ہے وہ یہ کہ اس حدیث تغنی سے بعض اہل سماع تمسک کرتے ہیں اور قوالی کو فعل مسنون قرار دیتے ہیں لیکن ان کا یہ تمسک صحیح نہیں کیونکہ اول تو اس تغنی میں اور قوالی میں بہت بڑا فرق ہے کہ یہاں گھر کی نابالغ لڑکی ناواقف فن بلا اہتمام بلا تصنع بلا ساز و سمان وغیرہ کے ہے دوسرے اگر کسی خاص مقتضیٰ کی بناء پر حضور سے احیاناً کوئی فعل صادر ہوا ہو تو اس سے اس فعل کا مسنون ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ فعل مسنون اسی کو کہیں گے جو حضور کی عادت غلبہ ہو۔ اس فرق کے معلوم نہ ہونے سے لوگ بہت غلطیاں کرتے ہیں اسی غلطی کی رفع کرنے کے واسطے اس موضوع پر میں نے ایک وعظ کہا تھا جس کا نام الغالب للطالب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اپنے یا اپنے بزرگوں کے اخلاق و عادت کی حمایت میں جو بعض لوگ حضور کے افعال و اقوال سے علی الاطلاق تمسک کرتے ہیں اور ان اقوال و افعال کے سنت ہونے کا دعوی کرتے ہیں وہ صحیح نہیں کیونکہ حضور کی سنت وہ ہے جو غالب عادت حضور کی ہو مثلاً حضور نے بعض موقعوں پر غصہ بھی کیا ہے تو اگر کوئی ایسا شخص ہو جو نک چڑھا ہو اور کثرت سے غصہ کرتا ہو وہ اس سے تمسک نہیں کر سکتا کیونکہ حضور کی عادت شریف کثرت سے غصہ کرنے کی نہ تھی اس سے یہی کہا جائے گا کہ بھائی تمہارے غصہ میں اور حضور کے غصہ میں یہ فرق ہے کہ حضور کی عادت غصہ کی غالب نہ تھی اور تم پر غالب ہے لہذا یہ سنت نہیں البتہ اس کے متعلق ایک باریک بات اور ہے گو سننے کے قابل تو یہ مذکورہ بات بھی باریک تھی لیکن دوسری بات سننے کے بعد بھی باریک ہی رہے گی وہ بات یہ ہے کہ غلبہ کی دو قسمیں ہیں غلبہ حکمی اور غلبہ حقیقی غلبہ حقیقی تو ظاہر ہے کہ اس کا صدور کثیر ہوتا تھا۔ اور غلبہ حکمی یہ ہے کہ اس کا صدور اس لئے کثیر نہ تھا کہ اس کا مقتضی غالب نہ تھا اور اگر مقتضی غالب ہوتا تو اس کا صدور بھی حقیقۃً غالب ہوتا مثلاً حضور نے کسی کی بد تمیزی پر غصہ فرمایا اس سے اتنا تو معلوم ہوا کہ مقتضی پر غصہ کا ترتب سنت کے خلاف نہیں لیکن پھر جو حضور کی یہ غالب عادت نہ تھی اس کی یہ وجہ تھی

کہ اس زمانہ میں بد تمیزی زیادہ نہ تھی اب اگر کوئی زمانہ ایسا آیا جس میں بد تمیزی زیادہ ہونے لگی اور اس لئے غصہ کا وقوع بھی زیادہ ہونے لگا تو یہ بھی سنت کے خلاف نہ ہو گا۔ اس لئے کہ حاصل سنت کا مقتضی پر اس عادت کا صدور ہے میں نے اس وعظ میں اس کی یہ مثال بھی دی ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تراویح پر مواظبت نہیں ہوئی تھی لیکن چونکہ حضور کو ان کی مواظبت ہی مقصود تھی گو عارض کی وجہ سے مواظبت حقیقی کی نوبت نہ آسکی اس لئے تراویح کو سنت موکدہ ہی قرار دیا گیا تو مواظبت کی دو قسمیں ہوئیں ایک حکمی دوسری حقیقی اس مثال میں مواظبت حکمی کا تحقق تھا جو حکم میں مثل مواظبت حقیقی ہی کے ہے اس مثال سے مضمون خوب واضح ہو گیا اس مضمون کی اس وعظ الغالب للطالب میں بہت اچھی تحقیق ہے۔

(ملفوظ ۱۴۶) حضرت مولانا یعقوب صاحب کے کمالات علمیہ

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے کمالات علمیہ وعملیہ اور تحقیقات دینیہ و دنیویہ بیان فرما کر فرمایا کہ واقعی اس زمانہ میں ایسی جماعت کی ضرورت تھی کیونکہ حقائق مستور ہو گئے تھے اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کے ذریعہ سے ظاہر کر دئے مگر کسی نے ان حضرات کے حالات مدون نہ کئے اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے اور رحمت ہے کہ باوجود اتنے بڑے صاحب کمال ہونے کے ان حضرات کا اصل مذاق یہ تھا کہ ہمیں کوئی نہ جانے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہی کو دیکھئے کہ اتنے بڑے تو محقق اور اپنے وقت کے امام لیکن تصنیف کوئی بھی نہیں سوائے ایک چھوٹے سے رسالہ کے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بہت مختصر حالات زندگی تحریر فرمائے ہیں اور وہ بھی نہایت سادہ عبارت میں حالانکہ مولانا کی تقریر نہایت بلیغ اور عالمانہ ہوتی تھی ان حضرات کے کمالات کا کون احصاء کر سکتا ہے نمونہ کے طور پر ایک آدھ کا ذکر کرتا ہوں مثلاً ان حضرات میں بڑی

کے ساتھ اس اعتدال کے حصول کے لئے یہ تدبیر بھی معین ہے کہ جو کلام کرنا ہو تھوڑے تھوڑے فصل سے تین مرتبہ یہ سوچے کہ اگر یہ کلام نہ کیا جائے تو اس میں کوئی ضرر تو نہیں ہے دنیا کا یا دین کا اگر تینوں دفعہ سوچنے کے بعد یہ رائے قائم ہو کہ اگر یہ کلام نہ کریں گے تو ضرر ہو گا خواہ دین کا یا دنیا کا تب تو وہ کلام ضروری سمجھا جائے ورنہ نہیں ابتدا میں تو اس سوچنے میں ذرا تکلف ہو گا اور بعض اوقات غلطی بھی ہو گی لیکن پھر اس کی مشق ہو جائے گی اور رفتہ رفتہ اعتدال طبعی میسر ہو جائے گا۔ میرے ذوق میں تو ضروری کلام کی سہل یہ پہچان ہے عرض کیا گیا کہ اس اصول کی بناء پر تو مزاح وغیرہ سب ترک کرنا ہو گا کیونکہ اس کے ترک سے کوئی ضرر تھوڑا ہی لازم آتا ہے۔ فرمایا کہ مبتدی کے لئے تو اس کا بھی ترک ضروری ہو گا مگر اعتدال میں جب رسوخ ہو جائے تو پھر راسخ شخص کو بدون اس معیار کے بھی اس کی اجازت ہے لیکن انہاک کی اور کثرت کی اس کو بھی ممانعت ہو گی اور راسخ شخص کو جو اجازت ہے تو اس لئے کہ وہ حد سے نہیں بڑھے گا اور مزاح بھی وہی مسنون ہے کہ اس میں اعتدال ہو انہاک نہ ہو۔ بلا ضرورت انہاک تو کلام محمود میں بھی ممنوع ہے چنانچہ حضرت شیخ عطارؒ فرماتے ہیں ؎

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن
گرچہ گفتارت بود در عدن

یعنی زیادہ بولنے سے دل مر جاتا ہے اگرچہ باتیں ایسی اچھی ہوں جیسے در عدن چنانچہ حدیث شریف میں بھی کثرت کلام کی ممانعت آئی ہے چنانچہ بروایت ترمذی ارشاد ہے فان کثرۃ الکلام بغیر ذکر اللّٰہ قسوۃ القلب اور گو عموماً کلام کی تین قسمیں سمجھی جاتی ہیں۔ مضر۔ نافع۔ اور عبث یعنی نہ نافع ہو نہ مضر لیکن میرے نزدیک یہ تقسیم ثلاثی محض ظاہری ہے اور حقیقی تقسیم فقط تقسیم ثنائی ہے یعنی نافع اور مضر کیونکہ اگر عبث کو بھی غور کر کے دیکھا جائے تو وہ بھی مضر ہی میں داخل ہے گو واقع میں ایک درجہ کلام کا وہ بھی ہے کہ نہ نافع

ہو نہ مضر ہو لیکن تجربہ سے وہ کلام اس درجہ تک رہتا نہیں جیسے کوئی افیون کھانا شروع کرے تو وہ اعتدال پر رہتی نہیں بلکہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہے کیونکہ نفس اندر سے فتویٰ دیتا رہتا ہے کہ اگر تھوڑی سی اور کھا لی جائے تو کیا حرج ہے کیونکہ وہ پچھلی مقدار کے قریب ہی قریب ہے حالانکہ یہ مقدمہ کہ قریب کا قریب قریب ہوتا ہے غلط ہے ورنہ پھر تو مشرق و مغرب بھی قریب ہو جائیں گے اس قسم کے بعض مقدمات صحیح بھی ہیں مثلاً کسی کے بڑے سے بڑا اس سے بھی بڑا ہوتا ہے یہ صحیح ہے لیکن اس قسم کے بعض مقدمات غلط بھی ہوتے ہیں مثلاً قریب کا قریب قریب ہوتا ہے یہ غلط ہے اھ پھر فرمایا کہ اس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر بہت سی حدیثیں حل ہو جاتی ہیں چنانچہ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ کوئی سیاہ فام لڑکی (خواہ جشن ہو خواہ رنگ ہی ایسا ہو جو جاریہ کے اطلاق سے ظاہراً نابالغ تھی) آپ کے حضور میں دف پر (آپ کے مع الخیر کسی غزوہ سے واپسی کے سرور میں) کچھ گا رہی تھی اتنے میں حضرت ابوبکرؓ پھر حضرت علیؓ پھر حضرت عثمانؓ آگے پیچھے داخل ہوئے اور وہ اسی طرح گاتی بجاتی رہی پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ آگئے تو اس نے دف کو چھپا دیا اور چپ ہو گئی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمر شیطان تم سے ڈرتا ہے۔ یہاں محققین نے اس اشکال کے جواب میں (کہ اگر وہ فعل مباح تھا تو اس کو شیطانی اثر کیوں بتلایا گیا اور اگر مباح نہ تھا تو حضور نے کیسے جائز رکھا) یہی کہا ہے کہ وہ ایک حد تک جائز تھا اس حد سے آگے منکر تھا سو جس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف نہیں لائے تھے اس وقت تک اس لڑکی کا فعل اس حد کے اندر تھا اس لئے اجازت دی جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے تو اتفاق سے اس وقت جبکہ وہ لڑکی تغنی مباح میں اس حد سے آگے پہنچنے کو تھی حتے کہ اگر حضرت عمرؓ نہ بھی پہنچتے تب بھی اس وقت حضور خود منع فرما دیتے غرض مباحات کی ہر کثرت مباح نہیں ہوتی جیسے بھنا ہوا گوشت کھانا طبّاً ممنوع نہیں بلکہ مفید ہے لیکن اگر قوت معدہ سے زیادہ اس کی کثرت کریں تو تخمہ ہو جائے اب یہاں ایک

بات یہ تھی کہ وہ اپنے مخالفین کو بھی برا بھلا نہیں کہتے تھے جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی جماعت علیحدہ بنانا نہیں چاہتے تھے اور مثلاً مولانا محمد یعقوب صاحب رحمتہ اللہ علیہ میں یہ عجیب بات دیکھی کہ اگر کسی مسئلہ میں کسی معاصر سے اختلاف ہوا تو اس مسئلہ کا جواب دینے کے بعد یہ بھی فرمادیتے کہ مثلاً مولانا گنگوہی کی اس مسئلہ میں یہ تحقیق ہے تمہیں اختیار ہے جس شق پر چاہو عمل کرو خواہ میری تحقیق پر خواہ مولانا کی تحقیق پر تمہیں دونوں پر عمل جائز ہے جس کا نام تحزب اور پارٹی بندی ہے وہاں بالکل چھو بھی نہیں گئی تھی جیسے ائمہ کی شان ہوتی ہے تعصب اور تنگ خیالی مطلق نہ تھی۔ ان کمالات پر اس وقت تک نظر نہ تھی جب تک ان کے اضداد کو دیکھا نہ تھا چنانچہ جب تک میں دیوبند میں رہا یہی سمجھتا رہا کہ سب علماء ایسے ہی ہوتے ہوں گے لیکن جب باہر نکلا تو یہ معلوم ہوا کہ ؎

آفا قہا گر دیدہ ام مہر بتاں و رزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزی دیگری

کہیں یہ رنگ نہ دیکھا بلکہ یوں کہئے کہ وہ حضرات ہمیں ایک معنی کر بگاڑ گئے ان کے مقابلہ میں کوئی بزرگ نظر ہی نہیں آتا ؎

ہمہ شہر پرز خوباں منم و خیال ما ہے
چہ کنم کہ چشم بدخونہ کند بہ کس نگاہے

انہیں اکابر کی سادگی و تواضع کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ بزرگوں کے ہاتھ چومنا یہ بالکل نئی عادت ہے ہمارے طالب علمی کے زمانہ میں ایسے ایسے تو اکابر موجود تھے لیکن ان کے ہاتھ کوئی نہ چومتا تھا یوں ہاتھ چومنا بلکہ پاؤں چومنا بھی جائز ہے مگر رسماً کبر ورِیاء کا مقدمہ ہے اس زمانہ میں دست بوسی کے بجائے قلب بوسی ہوتی تھی اور اصل برکت کی چیز قلب بوسی ہی ہے مولانا رومیؒ کا مشہور ارشاد ہے ؎

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ
پائے بوسی اندر اں ذم شد گناہ

اور میں نے اس موقع پر یہ اور بڑھایا ہے ؎

قلب بوسی چوں رسید از دست شاہ
دست بوسی اندراں دم شد گناہ

اب تو بہت تکلفات ہو گئے چنانچہ نئے نئے لقب دیدئے گئے ہیں کوئی شیخ الحدیث ہے کوئی شیخ التفسیر ہے اور اس زمانہ میں یہاں تک سادگی تھی کہ مولانا کا لفظ بھی صرف مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا اور سب کو مولوی صاحب صرف کہتے تھے۔ بات یہ ہے کہ وہ حضرات در حقیقت اہل کمال تھے۔ ان کو لمبے چوڑے القاب اور رسمی چیزوں کی حاجت ہی نہ تھی۔ بس ان اشعار کے پورے پورے مصداق تھے ؎

نباشد اہل باطن درپے آرایش ظاہر
بہ نقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را
ز عشق ناتمام ما جمال یار مستغنی ست
بہ آب و رنگ و خال وخط چہ حاجت روئی زیبارا
دلفریباں نباتی ہمہ زیور بستند
دلبر ماست کہ باحسن خدا داد آمد
حسن الحضارة مجلوب بتطرية
وفی البداوة حسن غیر مجلوب

(ملفوظ ۱۴۷) حصول تقویٰ سے متعلق دو آیتوں میں عجیب تطبیق

بسلسلہ کلام فرمایا کہ ایک جگہ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَاتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ

تُقَاتِہٖ اور دوسری جگہ ارشاد ہے فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ عموماً مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ دوسری آیت پہلے کی ناسخ ہے لیکن قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر مظہری میں ان آیتوں کی عجیب تفسیر لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت میں پہلی آیت کے حکم کی توضیح ہے نہ کہ نسخ چونکہ اس میں امر کا صیغہ اختیار فرمایا گیا تھا اور امر گو اپنی حقیقت میں عموماً فور کو مقتضی نہیں ہوتا لیکن۔۔۔ محاورات میں متبادر فور ہی ہوتا ہے اس لئے صحابہ غایت خشیت سے یہی سمجھے کہ حق تقویٰ اختیار کرنے کا جو حکم ہے وہ فوری ہے اور فوری طور پر حق تقویٰ اختیار کر لینا استطاعت سے باہر تھا لہذا اس آیت کو سن کر گھبرا گئے کہ فوراً اس درجہ کا تقوی کیونکر اختیار کر سکیں گے اس پر دوسری آیت نازل ہوئی جس میں یہ تفسیر کر دی گئی کہ کامل تقویٰ اختیار کرنے کا فوری حکم نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ حسب استطاعت کوشش کرو اور رفتہ رفتہ کامل تقویٰ اختیار کر لو۔ رہا روایات میں اس کو نسخ کہنا سو نسخ متقدمین کی اصطلاح میں عام ہے رفع حکم و توضیح حکم کو یعنی صرف رفع حکم ہی کو نسخ نہیں کہتے بلکہ توضیح حکم کو بھی نسخ ہی سے تعبیر کرتے ہیں اھ۔ ایسی تفسیر میں نے کہیں نہیں دیکھی اس لئے جی چاہتا ہے کہ تفسیر مظہری چھپ جائے کئی بار تھوڑی تھوڑی چھپ کر رہ گئی قاضی صاحب کے خاندان والوں کے پاس قلمی نسخہ موجود ہے قاضی صاحب نے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا کی تفسیر بھی ایسی ہی بےنظیر لکھی ہے جس سے بہت سے اشکالات رفع ہو گئے دیکھئے علمی لطائف کیسے پر لطف ہوتے ہیں اہل علم سے ان کی قدر پوچھئے اسی لئے انہیں اور کسی چیز میں اتنا لطف نہیں آتا ان کی شان میں یہ شعر بالکل سچا ہے ؎

تا بدانی ہر کہ ایزد داں بخواند
از ہمہ کار جہاں بے کار ماند

مگر ہر شی کی قدر اس کے اہل ہی جانتے ہیں اس پر ایک شاعر کی حکایت بیان فرمائی کہ اس کا ایک شاگرد تھا جو اکثر اس کے پاس آیا جایا کرتا تھا اور

اپنے استاد کے اشعار سنا کرتا تھا جب استاد اپنے شعر سناتا تو وہ کسی شعر کو کہہ دیتا کہ یہ ہزار روپیہ کا ہے اور کسی کو کہہ دیتا کہ یہ پانچ سو کا ہے وہ لڑکا اپنی بیاض میں ان شعروں کو لکھ لیتا اور ہر ایک شعر کی قیمت بھی لکھ دیتا کہ یہ شعر مثلاً پانچ سو کا ہے یہ ہزار کا ہے۔ وہ ایک غریب عورت کا لڑکا تھا اس کی ماں نے ایک دن شکایت کی کہ تو کچھ کماتا نہیں خواہ مخواہ اپنا وقت شعروں کے شوق میں گنوا رہا ہے اس نے کہا کہ واہ کون کہتا ہے کہ میں کچھ کماتا نہیں پھر اپنی بیاض لا کر دکھائی کہ دیکھو فلاں شعر میرے پاس اتنے روپیہ کا ہے فلاں شعر اتنے کا ہزاروں لاکھوں روپیوں کی میزان جوڑ کر بتا دی کہ دیکھو میرے پاس ہزاروں روپیوں کے شعر موجود ہیں اس کی ماں نے کہا کہ اچھا جا بازار سے ان شعروں میں سے کسی شعر کو بیچ کر دو آنہ کی ترکاری ہی لے آ۔ اس پر آپ کنجڑں کے پاس پہنچے اور کہا کہ دو آنہ کی ترکاری دیدے اس نے دیدی پھر آپ نے اپنی بیاض نکال کر کہا کہ اس کے بدلے یہ شعر جو پانچ سو روپیہ کا ہے لے لے اس نے کہا کہ پاگل ہوا ہے دیوانہ ہوا ہے کہیں شعروں کے بدلے بھی ترکاری ملا کرتی ہے اس پر اس کو اپنے استاد پر بڑا غصہ آیا کہ بڑا جھوٹا ہے کہتا تھا کہ پانچ سو روپیہ کا شعر ہے یہ تو دو آنہ کا بھی نہ نکلا آپ فورا غصہ میں بھرے ہوئے استاد کے پاس پہنچے اور سب حال کہہ کر کہا کہ بس جی میرا سلام ہے اب میں آپ کے پاس کبھی نہ آوں گا استاد نے کہا کہ ارے کنجڑوں کیا جانے شعر کی قیمت کسی جوہری کے پاس جوہر لیجاؤ تو وہ اس کی قدر و قیمت جان سکتا ہے مشہور ہے کہ کسی کمہار کو کہیں سے کوئی بڑا قیمتی گوہر ہاتھ آگیا تھا تو اس نے وہ گدھے کے بچہ کے گلے میں ڈالدیا تھا پھر اس کے استاد نے ایک قصیدہ لکھ کر اس کو دیا اور کہا کہ اچھا یہ قصیدہ ایک ہزار روپیہ کا ہے لیکن اس کو بادشاہ کے یہاں لیجا کر پیش کرو وہ اس کا قدر دان ہے چنانچہ اس نے وہ قصیدہ بادشاہ کے سامنے جا کر پیش کیا تو وہ اس کو سن کر بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس کو فورا ایک ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے چنانچہ وہ انعام لے کر خوش خوش اپنی ماں کے پاس پہنچا اور سب حال بیان کیا تو

واقعی ع قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔ پھر فرمایا کہ میں بھی کبھی کہا کرتا ہوں کہ یہ مضمون ایک لاکھ روپیہ کا ہے اور یہ مضمون دو لاکھ روپیہ کا ہے تو اس سے یہی مطلب ہے کہ جو علوم کا جوہر شناس ہے اس سے کوئی ان مضامین کی قدر پوچھے جس کو علم کا ذوق حاصل ہو کوئی اس کے دل سے پوچھے کہ یہ مضامین کتنے بیش بہا ہیں ان کے مقابلہ میں لاکھ دو لاکھ روپیہ کی بھی کچھ ہستی نہیں اسی وجہ سے یہ لوگ اور کسی کام کے نہیں رہتے مشہور ہے کہ لذات الافکار خیر من لذات الابکار لیکن جو عنین اور بے حس لوگ ہیں وہ ابکار کی لذت سے بھی واقف نہیں اسی طرح یہ آجکل کے نو تعلیم یافتہ نیچری بڑے بڑے علوم کو لغو کہتے ہیں وہ کیا جانیں علوم کو ان کے یہاں جغرافیہ اور سائنس کے سوا اور بھی کچھ ہے آج کل یہ تو علوم رہ گئے ہیں اور اس پر علماء کی بیقدری کرتے ہیں حالانکہ انہیں علم کی ہوا بھی نہیں لگی وہ ہم پر طعن کرتے ہیں ہم ان پر میں تو ایسے موقعوں پر یہ آیت پڑھا کرتا ہوں اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ ؕ تم ہماری عقل پر تمسخر کرتے ہو ہم تمہاری حماقت پر تمسخر کرتے ہیں۔

(ملفوظ ۱۴۸) شاہان دہلی قصبہ پھلت کے رہنے والے

ایک سلسلہ کلام میں فرمایا کہ اہل علم اکثر قصبات کے رہنے والے تھے چنانچہ اخیر میں خاندان عزیزیہ جو دہلی میں گذرا ہے اور جن کو میں شاہان دہلی کہا کرتا ہوں وہ سب حضرات دراصل قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ اسی طرح لکھنو کے علماء فرنگی محل بھی قصبہ امیٹھی ضلع لکھنو کے رہنے والے تھے اھ پھر فرمایا کہ اہل علم کے بلکہ غیر اہل علم کے مستقل قیام کے لئے بھی قصبات ہی مناسب ہیں کیونکہ ان کی بین بین حالت ہے نہ وہاں ایسے فتنے ہیں جیسے شہروں میں نہ ضروریات سے ایسی بے خبری ہے جیسی دیہات میں اسی بے خبری کی بناء پر دیہات کا رہنا تو اتنا مضر ہے کہ بعض بادشاہوں نے اپنے

بعض معتوبوں کو جلا وطن کر کے دیہات میں بھیج دیا ہے تاکہ رفتہ رفتہ ان کی نسل بالکل، جاہل ہو جائے چنانچہ اس کا نتیجہ بعد چند پشتوں کے یہی ظہور پذیر ہوا۔

(ملفوظ ۱۴۹) صدقہ میں جان کا بدلہ جان کہیں ثابت نہیں

ایک اہل علم نے اپنے عریضہ میں یہ دعاء طلب کی کہ آخرت میں حضرت اقدس کی معیت نصیب ہو اس پر فرمایا کہ یہ سخت غلطی ہے جس میں اہل علم بھی مبتلا ہیں اور میں بہت لوگوں کو اس پر متنبہ کر چکا ہوں کیونکہ ابھی یہ کیا خبر کہ آخرت میں کس کے ساتھ کیا معاملہ ہو گا کون جنت میں جائے گا اور کون دوزخ میں لہذا آخرت میں کسی خاص شخص کی معیت نہ مانگے بلکہ مطلق صالحین کی معیت طلب کر لے۔ اس غلطی میں بڑے بڑے مبتلا ہیں اسی طرح بعضی دوسری غلطیاں ہیں جن میں بڑے بڑے لوگ مبتلا ہیں مثلاً یہ ایک عام رسم ہے کہ بیماری میں اکثر بکرا ذبح کرتے ہیں حالانکہ جان کا بدلہ جان یعنی فدیہ میں ذبح کرنا بجز عقیقہ کے کہیں ثابت نہیں اگر یہ کہا جائے کہ جان کا بدلہ جان سمجھ کر ذبح نہیں کرتے بلکہ مقصود صدقہ کرنا ہے جس کو درد بلا کے لئے حدیث میں معین بتلایا گیا ہے تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہی خیال ہے تو صرف بکرے کی قیمت صدقہ کر دینے کو کیا اتنے کا گوشت بازار سے خرید کر صدقہ کر دینے کو دل کیوں گوارا نہیں کرتا اس سے ثابت ہوا کہ ضرور دل میں چور ہے اور ذبح ہی کو دفع بیماری میں زیادہ موثر سمجھا جاتا ہے اور یہی فاسد عقیدہ دل میں جما ہوا ہے کہ جان کا بدلہ جان ہو جائے گا بلکہ ہمارے امام صاحب کے مشہور قول میں تو عقیقہ تک بھی بدعت ہے گو ہمارا عمل امام صاحب کے شاگردوں کے فتوی پر ہے مگر خیر عقیقہ تو بوجہ اس کے حدیث سے ثابت ہے اس سے مستثنیٰ ہے لیکن کسی دوسری جگہ تو فدیہ یعنی جان کا بدلہ جان ہونا کہیں ثابت نہیں انہیں باتوں سے تو لوگ مجھے متشدد کہتے ہیں لیکن میں یہ باتیں اپنی طرف سے تو نہیں کہتا قرآن و

حدیث اور قواعد و اصول فقہ ہی کی بناء پر تو میں کہتا ہوں پھر تشدد کا الزام کیسا۔

ملفوظات جمع کردہ خواجہ عزیز الحسن صاحب ختم شد

ملفوظات جمع کردہ حافظ جلیل احمد صاحب ملقب بہ القول الجلیل حصہ چہار

(ملفوظ ۱۵۰) بغیر شوہر کے دستخط کے کسی عورت کے خط پڑھنے کا حکم

کوئی بی بی تھیں ان کا ایک عریضہ حضرت والا کی خدمت میں آیا اور اس پر ان بی بی کے شوہر کے دستخط نہ تھے حضرت والا نے وہ عریضہ واپس فرما دیا کہ بلا شوہر کے دستخط کے عورت کا خط پڑھنا ایسا ہے کہ جیسے بلا شوہر کے موجودگی کے اس کے پاس بیٹھ کر اس سے باتیں کرنا۔

(ملفوظ ۱۵۱) قیمتی بات

ایک بات بہت کام کی ہے سب کو سننا اور سمجھنا چاہئے طبقات کبری میں لکھا ہے کہ اپنے مریدوں کے سامنے اہل بدعت کی حکایات و اقوال بیان مت کرو۔ جو خالی الذہن ہوں گے ان کے ذہنوں میں وہ واقعات پہنچیں گے اس سے ان کے ذہنوں پر برا اثر ہو گا لہذا وہ واقعات ہی مت بیان کرو اسی طرح کی ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے اور اس وقت مجھ کو اسی کا سنانا مقصود ہے وہ یہ کہ بعض لوگ مذمت کے عنوان سے فاحشہ عورتوں کے واقعات بیان کیا کرتے ہیں سو یہ بھی نہ چاہئے کیونکہ وہ تو سمجھتے ہیں کہ ہم ان واقعات کی برائی بیان کر رہے ہیں مگر ان کے نفس کو ان واقعات میں لذت آتی ہے اس لئے ایسے واقعات کا تذکرہ ہی نہ چاہئے۔

(ملفوظ ۱۵۲) استخارہ کا مقصود تردد رفع کرنا ہے

ایک اہل علم و فضل نے عرض کیا کہ طبقات شافعیہ میں استخارہ کے متعلق ایک بہت بڑے عالم کی (جن کا نام جامع کو یاد نہیں رہا) عجیب تحقیق نظر سے گذری وہ کہتے ہیں کہ یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ استخارہ سے مقصود استخبار ہے یہ صحیح نہیں یعنی استخارہ کا مقصد یہ نہیں کہ ہم کو جو کسی کام میں تردد ہو رہا ہے کہ یہ کام ہمارے لئے خیر ہے یا نہیں استخارہ کرنے سے یہ تردد رفع ہو جائے گا اور ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ کام ہمارے لئے خیر ہے یا شر۔ پھر جو خیر ہو گا اس کو اختیار کریں گے چنانچہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ بعض اوقات استخارہ کے بعد بھی وہ تردد رفع نہیں ہوتا اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات مفید ہے تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ استخارہ موضوع ہوا تھا واسطے رفع تردد کے اور تردد رفع ہوا نہیں تو نعوذ باللہ شارع کا یہ حکم گویا عبث ہی ہوا اور شارع کی طرف سے کبھی ایسی بات کا حکم نہیں ہو سکتا جو عبث ہو تو معلوم ہوا کہ استخارہ کا یہ مقصود نہیں کہ کوئی بات اس کے ذریعہ سے معلوم کر لی جاوے جس سے تردد رفع ہو اور اس کام کی دونوں شقوں میں سے ایک شق کی ترجیح ضرور قلب میں آجائے پھر اسی راجح جانب پر عمل کیا جاوے بلکہ استخارہ کی حقیقت یہ ہے کہ استخارہ ایک دعاء ہے جس سے مقصود صرف طلب اعانت علی الخیر ہے یعنی استخارہ کے ذریعہ سے بندہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ میں جو کچھ کروں اسی کے اندر خیر ہو اور جو کام میرے لئے خیر نہ ہو وہ کرنے ہی نہ دیجئے۔ بس وہ استخارہ کر چکے تو اس کی ضرورت نہیں کہ سوچے کہ میرے قلب کا زیادہ رجحان کس بات کی طرف ہے پھر جس بات کی طرف رجحان ہو اس پر عمل کرے اور اسی کے اندر اپنے لئے خیر کو مقدر سمجھے بلکہ اس کو اختیار ہے کہ دوسرے مصالحہ کی بناء پر جس بات میں ترجیح دیکھے اسی پر عمل کرے اور اسی کے

اندر خیر سمجھے اھ۔

اس پر حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت میرے نزدیک بھی ذوقاً یہی اقرب معلوم ہوتا ہے جو طبقات شافعیہؒ سے نقل کیا گیا ہے نیز اصول شرعیہ میں سے ایک اصل سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے وہ یہ کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ الہام حجت شرعیہ نہیں تو اگر استخارہ کا حاصل یہ سمجھا جاوے جو مشہور ہے کہ اس کے ذریعہ سے قلب میں ایسی بات کا منجانب اللہ القاء ہوتا ہے کہ جس کے اندر خیر ہوتی ہے لہذا اس القاء پر ہی عمل کرنا چاہئے تو چونکہ وہ القاء الہام ہے اور اسی پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تو گویا الہام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا لہذا اگر استخارہ کے اس حاصل کو صحیح مانا جاوے تو الہام کا حجت شرعیہ ہونا لازم آتا ہے اور لازم صحیح نہیں لہذا ملزوم بھی صحیح نہیں۔ نیز استخارہ کا حاصل اگر طبقات شافعیہ کے موافق مانا جاوے تو اس سے ایک شبہ کا جواب بھی نخوبی ہو جاتا ہے اس شبہ کی اور اس کے دفع کی تقریر یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اذا دعا احد کم فلایقل اللھم اغفرلی ان شئت ارحمنی ان شئت ارزقنی ان شئت ولیغرم المسئلۃ انہ یفعل مایشاء لامکرہ لہ رواہ البخاری اور دوسری حدیث ہے اذا دعا احدکم فلایقل اللھم اغفر ان شئت و لکن لیغرم المسئلۃ ولیغرم الرغبۃ فان اللّٰہ تعالیٰ لایتعاظمہ شئی اعطاہ۔ رواہ مسلم یعنی اس طرح دعا نہ مانگے کہ اے اللہ اگر آپ چاہیں تو میری مغفرت فرما دیجئے مجھ پر رحمت فرما دیجئے مجھ کو رزق دیدیجئے اس سے معلوم ہوا کہ تشقیق کے ساتھ دعا نہ مانگنی چاہئے اس پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ استخارہ کے اندر جو دعا تعلیم فرمائی گئی ہے اس کے اندر تو تشقیق موجود ہے اور اس شبہ کے جوابات بھی ذہن میں تھے مگر انصاف یہ ہے کہ وہ جوابات گو صحیح اور معقول تھے مگر شافی نہ تھے اور اب جبکہ استخارہ کا حاصل صرف طلب خیر مانا جائے تو پھر پوری تشفی ہو جاتی ہے کیونکہ اب استخارہ کی دعا کی یہ جو تشقیق ہو گی وہ محض لفظی ہو گی واقع میں تشقیق نہ ہو گی بلکہ واقع میں صرف

ایک ہی چیز مطلوب ہو گی اور وہ خیر ہے کہ وہی خیر ہر حال میں مطلوب ہے کہ اگر ایک شق میں خیر ہو تب تو اس کی دعاء ہے کہ اسی کی توفیق ہو جاوے اور اگر دوسری شق میں خیر ہو تو پھر اس کی دعاء ہے لہذا استخارہ کی دعاء پر دوسری دعاؤں میں تشقیق کی نہی سے شبہ نہیں ہو سکتا۔

الغرض یہی صحیح ہے کہ استخارہ کا حاصل محض طلب خیر ہے نہ کہ استخبار پھر حضرت نے عبارت ذیل لکھ کر عنایت فرمائی۔ فی فتح الباری کتاب الدعوات باب الدعاء عند الاستخارة تحت قوله علیه السلام ثم رضنی به مانصه واختلف فیماذا یفعل المستخیر بعد الاستخارة فقال (عزالدین) ابن عبدالسلام یفعل ما اتفق ویستدل له بقوله فی بعض طرق حدیث ابن مسعود فی اخره ثم یغرم واول الحدیث اذا اراداحدکم فلیقل اھ قلت دل هذا اللفظ علی ان الاستخارة لایختص بمافیه تردد بل هو اعم لما اراده بلا ترددو ایضا فی حدیث جابرؓ قال کان النبی صلی الله علیه وسلم یعلمنا الاستخارة فی الامور کلها فاما مافیه تردد و مالیس فیه تردد و لایشکل قوله اذاهم فان الهم اعم للا رادة وماقبلها ولا یختص بالتردد کما فی قوله تعالیٰ وهمت کل امة برسولهم لیاخذوه وغیره من النصوص القرآنیة والحدیثة

ضمیمہ ملفوظ بالا متعلق تشقیق فی الدعاء (جو صاحب ملفوظ دام ظلہم العالی نے بعد میں لکھ کر الحاق کے لئے دیا) غور کرنے سے ذہن میں آیا کہ اگر دعاء استخارہ میں تشقیق بھی مان لی جاوے تب بھی نہی عن التشقیق سے شبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ نہی تشقیق خاص سے ہے تو اس سے مطلق تشقیق کی نہی لازم نہیں آتی۔ وہ تشقیق خاص یہ ہے کہ یا تو وہ مسئول خیر محض ہے وہاں دوسری شق کے خیر ہونے کا احتمال ہی نہیں تو تشقیق لغو ہوئی اس لئے اس سے نہی کی گئی جیسے مغفرت و رحمت و رزق ضروری کا سوال اور یا وہ مسئول گو محتمل نفع و ضرر دونوں کو ہے جیسے رزق مبسوط مگر منشا تشقیق کا مسئول کا تعاظم ہے جو موہم ہے نقص

قدرت یا ضیق علی القادر کو جیسا کہ اس نہی کی اس تعلیل سے واضح ہے انہ یفعل مایشاء ولا مکرہ لہ فان اللّٰہ تعالی لایتعاظمہ شئی اعطاہ ورنہ مطلق تشقیق دوسری احادیث میں صراحۃً وارد ہے چنانچہ ایک دعاء میں ہے۔ واذا اردت بقول فتنۃ فتوفنی غیر مفتون رواہ الترمزی۔ ظاہر ہے یہ تقیدات تشقیق کو مستلزم ہیں پس دعاء استخارہ میں تشقیق کا شبہ بے اصل ہو گیا کیونکہ یہاں منشاء تشقیق کا وہ نہیں جو علت ہے نہی کی تو اب تائید ثانی قول منقول من الطبقات کی حاجت نہیں رہی دوسرے مویدات کافی ہیں۔

استدراک ضروری۔ اس کی ایک خاص تحقیق النور صفر ۱۳۶۰ھ میں تحت عنوان ترجیح الراجح فصل سی و پنجم شائع ہوئی ہے اس کو بھی ملاحظہ فرما لیا جاوے۔

(ملفوظ ۱۵۳) بعد شہادت بیدار بخت مرحوم کا عجیب واقعہ

مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ کے قافلہ میں ایک شخص شہید ہو گئے تھے جن کا نام بیدار بخت تھا وہ دیوبند کے رہنے والے تھے ان کی شہادت کی خبر آچکی تھی ان بیدار بخت کے والد حسب معمول دیوبند میں اپنے گھر میں ایک رات کو تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تو گھر کے باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ اور پھر ایک شخص نے دروازہ کھلوایا۔ دروازہ کھولا دیکھا تو ان کے لڑکے بیدار بخت ہیں۔ یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ ان کے متعلق تو معلوم ہو چکا تھا کہ شہید ہو چکے ہیں یہ کیسے آگئے بیدار بخت نے کہا کہ جلدی کوئی فرش وغیرہ بچھایئے مولانا اسماعیل صاحب اور سید صاحب یہاں تشریف لا رہے ہیں ان کے والد نے فورا ایک بڑی چٹائی جو نئی خریدی تھی بچھا دی ایک مجمع اس فرش پر آبیٹھا۔ بیدار بخت سے ان کے والد نے کہا تمہارے کہاں تلوار لگی تھی انہوں نے اپنا ڈھاٹا کھولا اور اپنا نصف چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اپنے باپ کو دکھلایا کہ یہاں تلوار لگی تھی۔ ان کے باپ نے کہا کہ باندھ لو مجھ سے دیکھا نہیں جاتا تھوڑی دیر بعد یہ سب حضرات واپس تشریف لے گئے صبح کو بیدار بخت کے والد کو شبہ ہوا کہ

یہ کہیں خواب تو نہ تھا مگر چٹائی پر دیکھا تو خون کے قطرے موجود تھے یہ وہ قطرے تھے جو بیدار بخت کے چہرے سے گرتے ہوئے ان کے والد نے دیکھے تھے ان قطروں کے دیکھنے سے وہ سمجھے کہ یہ بیداری کا واقعہ ہے اس قصہ کی خبر جب مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کے والد ماجد مولانا مملوک علی صاحب نے سنی تو وہ اس قصہ کی تحقیق کے لئے نانوتہ سے دیوبند تشریف لائے اور بیدار بخت کے والد صاحب سے اس قصہ کو سنا مولانا محمد یعقوب صاحب کے والد نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے کہا اور مولانا محمد یعقوب صاحب نے مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا اور بیدار بخت کے والد بھی بزرگ اور تہجد گذار تھے اس حکایت کے سب راوی عالم اور بزرگ ہیں بجز میرے۔

(ملفوظ ۱۵۴) بے پروائی جملہ مفاسد کی جڑ ہے

فرمایا بے پروائی کو لوگ دین کے خلاف نہیں سمجھتے حالانکہ بے پروائی جڑ ہے مفاسد کی۔

(ملفوظ ۱۵۵) عورتوں سے مناظرہ کی ممانعت

فرمایا عورتوں سے کبھی مناظرہ نہ کرے جو ان سے مناظرہ کرے گا ان کی کجی کی وجہ سے اس کو ضرور غصہ آوے گا۔

(ملفوظ ۱۵۶) مولانا محمد یعقوبؒ صاحب کا علمی نکتہ

فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب نے بڑی پاکیزہ بات فرمائی کہ انبیاء علیہم السلام مثل حکماء کے ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے جو اعمال کی خاصیتیں بیان کی ہیں یہ ایسی ہیں کہ جیسے اطباء نے ادویہ کے خواص بیان کئے ہیں کہ مثلاً گل بنفشہ میں یہ خاصیت ہے اور فلاں دوا کا یہ اثر ہے سو ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اگر اس کیساتھ کوئی مضاد چیز بھی استعمال کی جاوے تب بھی وہی اثر ظاہر ہو گا بلکہ اس خاصیت کا ظہور مقید ہوتا ہے بعض شروط کے ساتھ اگر وہ

شروط پائی جاتی ہیں تو وہ خاصیت ظاہر ہوتی ہے ورنہ نہیں اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام نے جو اعمال کی خاصیتیں بیان فرمائی ہیں جیسے ارشاد فرمایا ہے کہ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ تو ہر مقام پر گو ان خواص کے ظاہر ہونے کو کسی شرط کے ساتھ مقید نہ فرمایا ہو مگر کلیات سے در حقیقت وہاں کچھ شرائط ملحوظ ہوتے ہیں کہ ان خواص کا ظہور ان شرائط پر موقوف ہوتا ہے پس اگر حدیث میں دخول اولی بھی مراد ہے تب بھی مراد حدیث کی یہ ہوگی کہ اس قول میں یہ خاصیت ہے بشرطیکہ اس کی ضد کی مقتضی نہ پائی جائے اسی طرح ایک بزرگ کی قبر کے متعلق کسی بزرگ نے پیشین گوئی کی تھی کہ جو شخص ان کی قبر کی زیارت کرے گا وہ جنتی ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ گو الفاظ مطلق ہیں مگر در حقیقت یہاں بھی کچھ قیود ملحوظ ہیں جن پر اس قبر کی زیارت کے اثر کا ترتب یعنی جنتی ہونا موقوف ہے۔ اگر وہ شرائط پائی جاویں گی تو وہ شخص جنتی ہے۔

(ملفوظ ۱۵۷) ایک صاحب مجاز کے خط کا جواب

ایک صاحب نے لکھا کہ مجھ کو بعض لوگ اپنی تعلیم و تلقین باطنی کے لئے بلاتے ہیں مگر مجھ کو جانے میں شرم آتی ہے کہ میں اس کا اہل نہیں کیا کروں۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جب تک شرم آئے جاتے رہو اور جب شرم آنا بند ہو جائے پھر مت جاؤ۔ کیونکہ جب تک شرم آتی رہے گی عجب پیدا نہ ہوگا۔

(ملفوظ ۱۵۸) سفارش کا اثر

فرمایا سفارش کا جو اثر ہوتا ہے ایک شفیع کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے جس میں طیب خاطر ہوتی ہے اور ایک عظمت کی وجہ سے ہوتا ہے جس سے اذیت ہوتی ہے تو اگر سفارش سے طیب خاطر کا اثر ہو تو وہ جائز ہے کیونکہ اس اثر میں اذیت نہیں ہوتی بلکہ مسرت ہوتی ہے مثلاً ایک شخص کو کسی سے محبت ہے تو اب یہ خیال کر کے کہ اگر وہ اپنے محب سے کہے گا وہ اپنے محبوب کا کہ

خوشی سے مان لے گا تو ایسی سفارش میں کچھ حرج نہیں اور اگر یہ گمان ہو کہ وہ سفارش کرنے والے کے خلاف نہ کرنے پر مجبور ہو گا تو سفارش سے ایسا اثر ڈلوانا جائز نہیں۔

(ملفوظ ۱۵۹) قدرت اور عجز کے احکام جدا ہیں

آگرہ سے ایک خط آیا کہ یہاں پر ہندوؤں نے بہت تنگ کر رکھا ہے نماز کے وقت مسجد کے دروازوں پر آکر شور و غل کرتے ہیں ایسی صورتوں میں کیا کیا جاوے جواب لکھا کہ سوال نا تمام ہے یہ لکھنا بھی ضروری ہے کہ مسلمان کیا کیا تدبیر کر سکتے ہیں اور کس تدبیر میں کیا کیا ضرر ہے اور کس کس ضرر کے متحمل ہو سکتے ہیں تب جواب دیا جاوے کیونکہ قدرت کے وقت اور حکم ہے اور عجز کے وقت اور حکم۔

(ملفوظ ۱۶۰) حضرت حکیم الامت کا حضرت حاجی صاحب کا ہم مذاق ہونا

حضرت حاجی صاحب کی جو ہمارے حضرت پر عنایتیں تھیں اس کا تذکرہ خود حضرت والا فرما رہے تھے اس میں فرمایا کہ زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ بحمداللہ تعالیٰ کسی وقت کسی موقع پر حضرت کو میری طرف سے کسی قسم کی کوئی گرانی نہیں ہوئی۔ اور حضرت حاجی صاحبؒ میرے متعلق یہ سمجھتے تھے اور فرماتے بھی تھے کہ یہ بالکل میرے مذاق کے موافق ہے بس جو میرا مذاق ہے وہی اس کا ہے۔

(ملفوظ ۱۶۱) ایک اچھی بات

ایک صاحب نے عرض کیا کہ آپ جب میرے گھر میں بیمار تھے اس وقت جو جو لوگ مجھ سے دریافت کرتے تھے ان سب سے یہی کہہ دیتا تھا کہ اب

آرام ہے کہ یہ بیچارے کیوں پریشان رہیں حضرت حکیم الامت دام ظلہ العالی نے ارشاد فرمایا کہ بہت اچھی بات ہے یہ اخلاق میں سے ہے۔

(ملفوظ ۱۶۲) حضرت گنگوہی کا شان استغناء

فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے جو حدیث کا درس اپنے یہاں گنگوہ میں جاری کر رکھا تھا وہ سب توکل پر تھا چنانچہ جب وہ درس بند ہوا کیونکہ مولانا کی بینائی جاتی رہی تھی تو اس کے بعد جب کبھی باہر سے بڑی بڑی رقمیں آئیں تو مولانا نے سب واپس کر دیں کہ اب درس نہیں رہا بعض بعض لوگوں نے مولانا کو رائے بھی دی کہ حضرت واپس کیوں کی جاوے۔ صاحب رقم سے کسی دوسرے مصرف خیر کی اجازت لیکر اس میں صرف فرما دیجئے گا حضرت مولانا نے فرمایا میں لوگوں سے کیوں اجازت لیتا پھروں۔ پھر حضرت حکیم الامت مدظلہ العالی نے فرمایا کہ واقعی اجازت لینا تو ایک قسم کا سوال ہے خود صاحب رقم کو چاہئے کہ وہ واپسی کے بعد پھر لکھے کہ اس رقم کو مکرر بھیجتا ہوں اس کو فلاں مصرف خیر میں صرف فرما دیا جاوے۔ پھر حضرت حکیم الامت دام ظلہ العالی نے فرمایا کہ مولانا گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ میں گنگوہ کی جامع مسجد تعمیر ہو رہی تھی لوگوں نے ایک بار نواب محمود علی خان صاحب کو بھی لکھوایا انہوں نے مولانا کی خدمت میں تحریر فرمایا کہ آپ اپنے کسی آدمی سے تخمینہ کرا کر مجھ کو مطلع کر دیجئے۔ حضرت مولانا نے اپنی آزاد مزاجی سے صاف تحریر فرماد یا کہ میرے پاس کوئی آدمی نہیں اگر آپ کو تخمینہ کراتا ہے تو کسی انجینئر کو بھیج کر تخمینہ کرا لیجئے اور انتظام کے لئے اپنا کوئی کارندہ بھیج دیجئے مولانا کا بس وہ مذاق تھا اور سب مقتداؤں کا یہی ہونا چاہئے۔

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار
کار ملک ست آنکہ تدبیر و تحمل بایدش

(ملفوظ ۱۶۳) زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے

خط کے مضمون میں اختصار کا ذکر تھا فرمایا زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے گویا سائل کی کوئی وقعت ہی نہیں تو جہاں وقعت کی رعایت مطلوب ہو وہاں زیادہ اختصار نہ کیا جاوے۔

(ملفوظ ۱۶۴) حکیم الامت کا تربیت کا طرز

حضرت والا کا تربیت میں سیاست کا جو طرز ہے اس کے متعلق ارشاد ہو رہا تھا فرمایا کہ اس طرز سے لوگ سلسلہ میں کم آتے ہیں مگر جو آجائے وہ ماشاء اللہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ اول ہی دن ان کو اجازت دیدی جاوے تو نازیبا نہیں مگر چونکہ مشائخ کی سنت کے خلاف ہے اس لئے میں ایسا نہیں کرتا۔ اور اہلیت اجازت کا حکم اس لئے کرتا ہوں کہ کشف حقیقت اور مناسبت تامہ ہو ہی جاتی ہے گو کمال نہ حاصل ہوا ہو۔

(ملفوظ ۱۶۵) افعال کی علت اختیاریہ

ایک شخص نے دریافت کیا کہ بندہ کے افعال کو اختیاری کیوں کہا جاتا ہے کیونکہ بندہ کا وہ اختیار تابع ہے حق تعالیٰ کے اختیار کے تو بندہ پھر مختار کہاں رہا۔ لہذا بندہ کے افعال بندہ کے اختیار میں کیسے کہے جا سکتے ہیں حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ قاعدہ ہے کہ فعل کی نسبت عقلاً علت قریبہ کی طرف کی جاتی ہے اور ان افعال کی علت اختیار عبد ہے اور اس اختیار عبد کی علت حق تعالیٰ کا اختیار ہے تو اختیار حق ان افعال عبد کی علت بعیدہ ہوئی اور علت قریبہ ان کی بندہ کا اختیار ہوا اس لئے افعال کو بندہ کے اختیار کی طرف منسوب کرنا صحیح ہوا

وبقی فیه شئی وهوان تخلیق اللّٰه تعالیٰ متوسط بین اختیار العبد وافعاله الاختیاریه فعاد الاشکال. والحق انه سرلا یحل باناملل العقل فالسلامة عدم الخوض فیه۔

(ملفوظ ۱۶۶) مصیبت کو آسان کرنے کا نسخہ

فرمایا اس مراقبہ سے زیادہ آسان اور سہل کرنے والا مصیبت کا اور کوئی طریق ہے ہی نہیں کہ اس کو سوچ لیا جایا کرتے کہ اس مصیبت میں ثواب ملے گا۔

(ملفوظ ۱۶۷) اصلاح عقیدہ کی ایک عجیب تدبیر

فرمایا اصلاح عقیدہ کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ اس کی اصلاح کا کام خود اس سے لے لیا جاوے۔ چنانچہ ایک صاحب کو ایک رسالہ دیکھ کر پردہ کے متعلق کچھ شبہات پیدا ہو گئے میں نے کہا کہ تم اس رسالہ کا رد لکھو اور رد کے لئے کچھ مصالحہ میں نے بھی اکٹھا کر کے ان کو دیدیا اس رد کرنے سے ان صاحب کے کل شبہات کی اصلاح ہو گئی۔ میں نے ایک شخص کو اسی ترکیب سے کافر سے مسلمان کیا۔ پھر اس کا قصہ بیان فرمایا کہ بریلی میں ایک لڑکے کو اس کے دادا نے پیش کیا کہ اس کو نماز کی نصیحت کر دو۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اس نے صاف کہا کہ میں نماز اس لئے نہیں پڑھتا کہ (نعوذباللہ تعالیٰ) خدا کا قائل نہیں اور وہ ایک مسلم کالج میں پڑھتا تھا میں نے اس کے سرپرست سے کہا کہ تم اس کو نمازی بنانا چاہتے ہو جائے نمازی کے مسلمان بناؤ۔ کہنے لگے اس کی تدبیر کی جاوے۔ میں نے کہا تم اس کو مسلم کالج سے نکال کر سرکاری اسکول میں داخل کر دو جہاں غیر مسلم لڑکے بھی پڑھتے ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس کے بعد اس لڑکے کے دادا سے معلوم ہوا کہ اس کی حالت بالکل درست ہو گئی اور پکا مسلمان ہو گیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں غیر مسلموں سے اکثر مذہبی گفتگو ہو جاتی تھی اور یہ حمیت قومی کی وجہ سے نہ کہ حمیت مذہبی کی وجہ سے ان کو مغلوب کرنے کی کوشش کرتا تھا اس سے تعصب پیدا ہو گیا۔

(ملفوظ ۱۶۸) جملہ تکلیف گھٹنے کی تدبیر

ایک صاحب نے ایک خانگی معاملہ کے متعلق عرض کیا کہ اس سے حضرت کو تکلیف ہوئی ہو گی۔ حضرت والا نے فرمایا نہیں صاحب مجھ کو کچھ تکلیف نہیں ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مجھ کو ایک ایسی چیز دی ہے کہ اس کے سبب سے مجھ کو کسی ایسی بات سے تکلیف نہیں ہوتی جہاں یہ سوچا کہ اس میں ثواب ہو گا بس ساری تکلیف گھل جاتی ہے پھر کچھ تکلیف نہیں رہتی۔

(ملفوظ ۱۶۹) مفضی الی المرض سے بھی بچنا چاہئے

فرمایا ایک صاحب نے لکھا ہے کہ میرے اندر یہ عادت ہے کہ اگر کوئی اچھی چیز کسی کے پاس دیکھتا ہوں تو یہ تمنا ہوتی ہے کہ یہ چیز میرے پاس آجائے اگر یہ مرض ہو تو اس کا علاج فرمایا جاوے۔ میں نے لکھا ہے کہ یہ مرض تو نہیں مگر مفضی الی المرض ہونے کا اندیشہ ہے (یا حضرت والا نے فرمایا کہ مفضی الی المرض ہے) لہذا اس کے علاج کی ضرورت ہے اور وہ علاج یہ ہے کہ جب کسی کی چیز کو دیکھا کرو تو یہ خیال کر لیا کرو کہ اگر یہ چیز میرے پاس آگئی تو میں فوراً اسی کو یا کسی دوسرے شخص کو ہبہ کر دوں گا اپنے پاس نہ رکھوں گا اور اگر وہ چیز ضرورت کی ہو گی تو میں اس کے دام مساکین کو خیرات کر دوں گا اور یہ عزم کر لو کہ جب تک ایسی تمنا رہے گی اس وقت تک یہی علاج کرتا رہوں گا۔

(ملفوظ ۱۷۰) کافر کے اخلاق کی تعریف کب جائز ہے

فرمایا بعض مفسرین نے ذلك بانهم قسيسين الخ سے استنباط کیا ہے کافر کے اگر اخلاق اچھے ہوں تو اخلاق کی حیثیت سے اس کی مدح جائز ہے۔

(ملفوظ ۱۷۱) کیفیات کی صورت و معانی

خواجہ صاحب نے حضرت والا سے عرض کیا کہ فلاں صاحب نے لکھا تھا کہ میرے اعمال میں معنی نہیں (کیفیات کے نہ ہونے پر افسوس لکھا تھا) اس لئے یہ معنی نہیں (تو ان کے فقدان کا کیا قلق بلکہ یہ کیفیات صورت ہیں اور معنے وہ ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے۔ یہ سب خواجہ صاحب کی گفتگو تھی۔ اس پر حضرت والا نے اس جواب کی خود ہی تعریف فرمائی اور پھر فرمایا کہ یہ جواب تو الہام ہے۔

(ملفوظ ۱۷۲) علماء کی تبلیغ

فرمایا کہ لوگ علماء پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ تبلیغ نہیں کرتے حالانکہ انہوں نے علماء کی تبلیغ کو دیکھا ہی نہیں اور پھر یہ کہ اگر علماء پر تبلیغ ضروری ہے تو تم پر عمل ضروری ہے تم کونسا عمل کر رہے ہو جو علماء پر اعتراض کر رہے ہو اور کچھ نہیں کم از کم ڈاڑھی ہی رکھ لو۔

(ملفوظ ۱۷۳) ایک اہل علم کے دریافت پر بدعت کے متعلق جواب

ایک اہل علم نے دریافت کیا کہ آج کل اہل بدعت وغیرہ نے یہ طرز اختیار کیا ہے کہ جہاں بیٹھیں گے اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے لگتے ہیں تو ایسے موقع پر اگر خاموشی اختیار کی جائے تو دوسروں کے گمراہ ہونے کا اندیشہ اور بولے تو فساد کا اندیشہ کیا کیا جاوے۔

حضرت حکیم الامت دام ظلہ العالی نے ارشاد فرمایا ایسی حالت میں فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ پر عمل کرے اور اٹھتے وقت اتنا ضرور کہہ دے کہ میں ایسی باتیں نہیں سن سکتا یہ کہہ کر اٹھ جائے تو یہ بھی

ایک قسم کا رد ہے۔ اس شخص پر اتنا ہی واجب ہے اس سے زیادہ نہیں اگر دوسرے سامعین چاہیں تو اس کی اتنی تنبیہ پر گمراہی سے اس طرح بچ سکتے ہیں کہ وہ اہل حق سے حق کی تحقیق کریں اور باوجود اس کے بھی کوئی گمراہی سے نہ بچے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہو گا اہل حق سے اس کا مواخذہ نہ ہو گا پھر ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس جگہ لوگوں کو کسی مسئلہ کا علم ہو اور ان لوگوں کو اس مسئلہ کی تبلیغ کرنے میں فتنہ کا بھی اندیشہ ہو تو ایسے موقع پر مفاسد و مضار خاصہ کے ترتب کی بناء پر عجب نہیں بعض اوقات تبلیغ ناجائز ہے۔

(ملفوظ ۱۷۴) محبت عقلیہ مفضی الی الطاعۃ الکاملہ مطلوب ہے

فرمایا حدیث میں آیا ہے لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین اس حدیث میں جو محبت کو شرط ایمان قرار دیا گیا تو عام طور پر لوگ اس محبت سے محبت طبعیہ مراد سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے بلکہ محبت عقلیہ کاملہ مفضی الی الطاعۃ الکاملہ مراد ہے کیونکہ محبت طبعیہ تو بعض اوقات فاسق فاجر کو بھی حاصل ہوتی ہے پھر محبت عقلیہ جو شرط ایمان کامل ہے وہ بھی مطلق محبت عقلیہ نہیں بلکہ محبت عقلیہ کا وہ درجہ جو کامل اور مفضی الی الطاعۃ الکاملہ ہو باقی محبت طبعیہ کو شرط الایمان کہا ہی نہیں جا سکتا اس لئے کہ محبت طبعیہ غیر اختیاری ہے اگر ایمان کو محبت طبعیہ کے ساتھ مشروط کیا گیا تو ایمان غیر اختیاری ہو جائے گا حالانکہ ایمان مامور بہ ہے اور مامور بہ کا اختیاری ہونا ضروری ہے غرض یہاں محبت عقلیہ کاملہ مفضی الی الطاعۃ الکاملہ مراد ہے اور یہی محبت عقلیہ مقصود بھی ہے پھر فرمایا کہ حضرات صحابہ کو جو محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اصل کمال اور فضیلت ان کی یہی محبت عقلیہ تھی۔ اور گو صحابہ کو محبت طبعیہ بھی حضور کے ساتھ تمام عالم سے زیادہ تھی مگر اس محبت طبعیہ پر بھی غالب محبت عقلیہ تھی اور حضرت زلیخا کو جو محبت حضرت یوسف علیہ السلام سے تھی وہ محبت طبعیہ تھی پھر فرمایا کہ محبت عقلیہ کو دوام ہوتا ہے

اور ہمیشہ ترقی کرتی رہتی ہے بخلاف محبت طبعیہ کے اس کا دوام بھی غیر اختیاری ہے۔

(ملفوظ ۱۷۵) غلبہ حال کا مفہوم

فرمایا فن تصوف کی اصطلاح میں جس حالت کو غلبہ حال سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ آدمی بیہوش ہو جاوے بس اتنا کافی ہے کہ غلبہ حال کے وقت دوسری جانب علم یا قدرت نہ رہے۔

(ملفوظ ۱۷۶) مدرسین کا منصب تو صرف ناقل کا ہے

فرمایا کہ ایک بار کانپور میں جب میں عربی مدرسہ جامع العلوم میں مدرس اول تھا تو میں نے مولوی یونس کو جو ایک مبتدی طالب علم اور میرے ہم وطن تھے مولوی انعام اللہ صاحب کے (جو اسی مدرسہ کے ایک طالب علم تھے) سپرد کر دیا کہ تم ان کو فصول اکبری پڑھا دیا کرو۔ ایک بار میں نے ان کا امتحان لیا تو انہوں نے فن کے متعلق بہت ادھر ادھر کی تحقیقات بیان کیں جب امتحان لے چکے تو میں نے مولوی انعام اللہ کو بلایا اور پوچھا کہ تم کو میں نے فصول اکبری پڑھانے کے لئے کہا تھا یا شرح فصول اکبری کہنے لگے کیا انہوں نے کوئی بات غلط بیان کی میں نے کہا کہ پہلے میرے سوال کا جواب دو کہنے لگے فصول اکبری میں نے کہا تم نے تو ان کو فصول اکبری کی شرح پڑھائی ہے کیونکہ جو مضامین ادھر ادھر کے بیان کئے ہیں وہ فصول اکبری میں کہاں ہیں وہ خاموش ہوئے پھر میں نے کہا کہ تم اس طالب علم کے سامنے نفس کتاب کا مطلب بیان کر دیا کرو اس سے ان کی استعداد پیدا ہو گی۔ پھر فرمایا کہ کتاب میں مصنف سے کہیں کہیں غلطیاں بھی ہوئی ہیں تو وہاں پر غلطیوں کی توجیہ اور تاویل نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ عام مدرسین کی عادت ہے بلکہ ظاہر کر دینا چاہئے کہ یہاں غلطی ہوئی ہے ورنہ ان غلطیوں کی تاویل اور توجیہ کرنے سے شاگرد میں بھی یہی مضر

عادت تاویل کی پیدا ہو جاتی ہیں دوسرے تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے مدرس مصنف کا ذمہ دار تو نہیں کہ جو اس نے کہہ دیا جس طرح بن پڑے اس کو ضرور بنادے مدرسین کا منصب تو صرف ناقل کا ہے ان کے ذمہ صرف تصحیح نقل ہے کہ یہ بتلادے کہ کتاب کی عبارت کا مطلب یہ ہے اور کتاب کا حل کر دے خواہ کتاب غلط ہو یا صحیح ہو البتہ اگر کوئی مضمون غلط ہو اس کا غلط ہونا ظاہر کر دے بس کافی ہے اسی سے طالب علم کی استعداد پیدا ہوتی ہے اسی طرح خارج کتاب مضامین بیان نہ کرے کیونکہ یہ ادھر ادھر کی باتیں یاد تھوڑا ہی رہتی ہیں جب وہ باتیں طالب علم کو یاد ہی نہیں رہ سکتیں تو پھر ان کے بیان کرنے سے فائدہ ہی کیا ہوا۔

(ملفوظ ۱۷۷) استغراق میں ترقی نہیں ہوتی

فرمایا استغراق تام میں پوری توجہ الی اللہ تعالیٰ باقی نہیں رہتی جیسے نوم میں نائم کی توجہ کسی طرف نہیں ہوتی اسی واسطے اکابر نے تصریح کی ہے کہ استغراق میں ترقی نہیں ہوتی کیونکہ ترقی کا ذریعہ ہے ذکر و عمل اور یہ دونوں اس وقت منقطع ہو جاتی ہیں لہذ وہ لوگ غلطی پر ہیں جو استغراق تام کے طالب ہوتے ہیں۔

(ملفوظ ۱۷۸) بنک کے سود کا حکم

فرمایا جو لوگ بنک کے سود کو جائز کہتے ہیں وہ ادلہ شرعیہ سے ربوا کی حرمت کے لئے مال محترم کی قید لگاتے ہیں اور مال محترم سے مراد وہ مال ہے جو غیر مباح ہو اور اس سے بھی زیادہ آسان تعبیر مال محترم کی یہ ہے کہ جس مال میں بغیر عقد صحیح کے تصرف جائز نہ ہو وہ مال محترم ہے اور اس سے بھی زیادہ آسان تعبیر یہ ہے کہ جس مال پر جہاد میں بھی قبضہ جائز نہ ہو وہ مال محترم ہے پس ایسا مال تو مومن یا ذمی ہی کا ہے باقی حربی کا مال صرف بوجہ عارضی عہد کے

محترم ہو جاتا ہے ورنہ فی نفسہ محترم نہیں کیونکہ مال کے اندر احترام صاحب مال کے احترام کی وجہ سے آتا ہے اور کافر غیر ذمی محترم نہیں لہذا اس کا مال بھی محترم نہیں جب احترام نہیں تو اس میں ربوا بھی نہیں یہ حاصل ہے ان مجوزین کے قول کا۔

(ملفوظ ۱۷۹) حج اکبر کا مفہوم

ایک صاحب نے دریافت فرمایا کہ حج اکبر کسے کہتے ہیں تو فرمایا کہ حج اکبر عوام الناس تو اس حج کو کہتے ہیں کہ جو جمعہ کو واقع ہو مگر یہ کوئی شرعی اصطلاح نہیں بلکہ شرعی اصطلاح میں تو مطلق حج کو حج اکبر کہتے ہیں جو مقابلہ میں ہے عمرہ کے کہ عمرہ کو اصطلاح شریعت میں حج اصغر کہا گیا ہے تو اس مقابلہ میں مطلق حج کو حج اکبر فرمایا گیا ہے خواہ وہ حج جمعہ کو واقع ہو یا غیر جمعہ کو ہر حالت میں حج کو حج اکبر کہیں گے البتہ اس حج میں جو جمعہ کو واقعہ ہو ایک خاص فضیلت ضرور ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حج بھی جمعہ ہی کو ہوا تھا۔

(ملفوظ ۱۸۰) ہر پریشانی کا علاج

ایک صاحب کچھ پریشان تھے حضرت والا نے ان کو درود شریف کی تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ درود سے رحمت ہوتی ہے اس لئے اس سے پریشانی بھی رفع ہو گی۔

(ملفوظ ۱۸۱) بد فالی سے اثر نہ لینا چاہئے

فرمایا بد فالی سے اثر نہ لینا چاہئے اس لئے کہ وہ یاس ہے اور یاس کی ممانعت ہے بخلاف نیک فالی کے کہ وہ رجاء ہے اور رجاء کا حکم ہے۔ یہ فرق ہے فال صالح میں کہ جائز ہے اور طیرہ یعنی فال بد میں کہ ناجائز ہے ورنہ تاثیر کا اعتقاد دونوں جگہ ناجائز ہے۔

(ملفوظ ۱۸۲) بچپن میں اخلاق کی کتابیں پڑھانے کی برکت

فرمایا پہلے بزرگوں کے اخلاق اس لئے بھی درست ہوتے تھے کہ ان کو بچپن میں اخلاق کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔

(ملفوظ ۱۸۳) یا قوی

فرمایا پانچوں نمازوں کے بعد سر کے اوپر ہاتھ رکھ کر گیارہ بار یا قوی پڑھنا حافظہ کے لئے نافع ہے۔

(ملفوظ ۱۸۴) خطرات نفسانی اور شیطانی علاج

فرمایا خطرہ یعنی وساوس خواہ نفسانی ہوں یا شیطانی دونوں کا علاج ایک ہی ہے کہ اس طرف التفات نہ کیا جاوے۔

(ملفوظ ۱۸۵) میٹھے چاول اور دہی کا محبوب ہونا

فرمایا مجھ کو میٹھے چاول دہی کیساتھ بہت اچھے لگتے ہیں چونکہ دہی میں قدرے ترشی ہوتی ہے اس لئے شیرینی سے ملکر لذت بڑھ جاتی ہے۔

(ملفوظ ۱۸۶) عدم اہلیت کا علم بدگمانی میں شامل نہیں

فرمایا آج کل اکثر لوگوں میں اس کی اہلیت ہی نہیں کہ ان سے کوئی کام لیا جاوے اور ایسے لوگوں کی اس عدم اہلیت کے علم کو بدگمانی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ سوء ظنی ممنوع وہ ہے جس کا منشا کوئی دلیل صحیح نہ ہو لیکن اگر کسی کے عیب کا دلائل شرعیہ سے اس شخص کو علم ہو جائے تو یوں نہیں کہہ سکتے کہ اس شخص نے فلاں کی طرف سے بدگمانی کی چنانچہ یہاں اس کا علم مشاہدہ سے ہو ہے لیکن باوجود کسی۔۔۔ کی عدم اہلیت کے اپنے کو اس سے افضل نہ سمجھے کہ یہ کبر ہے۔

(ملفوظ ۱۸۷) خطوط میں بچوں کی طرف سے لکھے ہوئے سلام کا جواب

دریافت کیا گیا کہ خطوط کے اندر جو سلام لکھا ہوا آتا ہے مثلاً لکھتے ہیں السلام علیکم تو اس کے جواب میں وعلیکم السلام لکھنا چاہئے یا السلام علیکم ہی لکھ دینا کافی ہے فرمایا فقہاء نے دونوں کو (یعنی وعلیکم السلام اور السلام علیکم کو) کافی لکھا ہے فرمایا کہ بعض بچوں کی طرف سے خطوں میں جو سلام لکھا ہوا آتا ہے تو عام عادت تو یہ ہے کہ اس سلام کے جواب میں صرف دعا لکھ دیتے ہیں مگر میرے نزدیک اس سے جواب ادا نہیں ہوتا اس لئے میں تو سلام اور دعاء دونوں لکھتا ہوں لیکن اگر وہ سلام بچہ نے نہ لکھوایا ہو کسی بڑے نے اس کی طرف منسوب کر دیا ہو تو اس کا جواب ہی واجب نہیں۔

(ملفوظ ۱۸۸) حرم کے اندر درخت لگانے کے سوال کا جواب

ایک بار حضرت والا کی خدمت میں حرم کے اندر درخت لگانے کے متعلق ایک سوال آیا تھا اور اس کے متعلق حضرت والا کچھ فرما رہے تھے۔ اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ اس کا جزئیہ تو کسی کتاب میں جلدی کیا ملے گا مگر مصلحت اس میں ہے کہ جس مسئلہ کا بھی جواب دیا جاوے کتاب میں جزئیہ دیکھ کر جواب دیا جاوے ورنہ اگر محض قیاس سے جواب دیئے جائیں گے تو نہ معلوم آج کل لوگ جوابات میں کیا کیا گڑبڑ کریں گے کیونکہ بوجہ علم و فہم میں کمی کے تحقیق کا درجہ تو ان کو حاصل ہی نہیں اور کسی کی تقلید کرنے میں عار آئے گی تو جو کچھ اس کا حشر ہوگا وہ ظاہر ہے وہ یہ کہ گمراہی پھیلے گی اور اگر جزئیہ نہ ملے تو جواب سے عذر کر دیا جاوے۔

(ملفوظ ۱۸۹) اکسیر کے متعلق

فرمایا کہ بعض بزرگوں کے متعلق سنا گیا ہے کہ ان کو کسی نے اکسیر دی

تو انہوں نے نہیں لی۔ لیکن میں سوچا کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص مجھ کو اکسیر دے تو میں کیا کروں گا آیا لے لوں گا یا نہیں تو میرا تو یہ خیال ہے کہ میں تو لے لوں گا اور پھر اس کو مصارف خیر میں صرف کروں گا۔ مثلاً طالب علموں کو دوں گا کہ خوب دودھ گھی کھاؤ پیو اور ان بزرگوں نے جو نہیں لی تو ان کی شان یہی تھی۔

(ملفوظ ۱۹۰) میت کا ادب زندگی کی طرح کرنے کا حکم

فرمایا فقہاء نے لکھا ہے کہ مردہ کے پاس جب اس کی قبر پر جائے تو وہی معاملہ کرے جو معاملہ کہ اس کی زندگی میں اس کیساتھ کرتا یعنی مردہ کا ادب بھی اتنا ہی ہے جتنا زندہ کا۔ مگر فقہاء کے اس قول کی دلیل اب تک کوئی سمجھ میں نہیں آئی تھی مگر بحمد اللہ تعالیٰ اب سمجھ میں آگئی اور وجہ اس مضمون کے بیان کی یہ ہوئی کہ آج کل کے بعض لوگوں کا یہ خیال معلوم ہوا ہے کہ وہ فقہاء کے اس قول کو بلا دلیل بتلاتے ہیں تو فقہاء کے اس قول کی دلیل اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالدی وہ یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میرے حجرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدفون ہوئے ہیں اس وقت سے میری عادت ہے کہ جب میں اس حجرہ میں داخل ہوتی ہوں تو حیاء من عمر یعنی بوجہ حیاء کے اپنا منہ ڈھانک لیتی ہوں اور یہ بات ظاہر ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے اور اس حجرہ میں تشریف رکھتے ہوتے اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حجرہ میں کسی ضرورت سے تشریف لاتیں تو جس وقت ان کو معلوم ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہاں تشریف رکھتے ہیں تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ضرور اپنا منہ ڈھانک لیتیں بس اسی طرح سے وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد اپنی حالت بیان فرماتی ہیں کہ حضرت عمرؓ کے انتقال کے بعد جب میں ان کی قبر کے نزدیک جاتی ہوں تب بھی ایسا کرتی ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ اگر حضرت

عائشہ ادراک میت کی قائل ہوتیں تب تو یہ بھی احتمال تھا کہ شاید یہ منہ چھپانا اس ادراک کی بناء پر ہو۔ اس صورت میں یہ استدلال تام نہ ہوتا مگر وہ اس ادراک کی بھی قائل نہیں بلکہ مخالف ہیں پس اب تو یقیناً معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کے اس فعل کی بناء پر عقیدہ نہیں کہ میت کو اس عالم کا ادراک ہوتا ہے بلکہ اس کی بناء وہی ہے جو فقہاء کے قول کی ہے کہ میت کا ادب بعد موت بھی وہی ہے جو اس کی زندگی میں تھا۔ اسی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ بعض شراح حدیث نے جو اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے کہ اس سے ادراک میت کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے میرے نزدیک صحیح نہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ عقیدہ ادراک میت کا نہ تھا لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس ارشاد سے یہ عقیدہ ادراک میت ثابت نہیں ہو سکتا۔

(ملفوظ ۱۹۱) حضرت حکیم الامت کا برکت کی نیت سے دیا ہوا ہدیہ قبول نہ فرمانا

فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھ کو کچھ ہدیہ پیش کیا اور یہ ظاہر کیا کہ میرا یہ عقیدہ ہے کہ آپ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے سے مجھ کو برکت حاصل ہو گی میں نے ان کا وہ ہدیہ قبول نہیں کیا اور میں نے کہا کہ اگر تمہارا یہ برکت کا عقیدہ نہ ہوتا تو میں منظور کر لیتا اور اب معذور ہوں کیونکہ معلوم نہیں کہ برکت ہو یا نہ ہو۔ انہوں نے ہمارے ہی بزرگوں میں سے ایک بزرگ کا قصہ نقل کیا کہ ان کی خدمت میں بھی اس عقیدہ کے اظہار کے ساتھ ہدیہ پیش کیا گیا تھا تو انہوں نے تو منظور فرما لیا تھا لہذا آپ کو بھی منظور فرما لینا چاہئے اب میں بہت فکر میں ہوا کہ انہوں نے تو خود ہمارے بزرگوں ہی میں سے ایک کا فعل پیش کر دیا مگر میں نے فکر کے بعد کہا کہ ان بزرگ کو تو اس کا حق تھا کہ وہ اپنے متعلق ایسے برکت کے عقیدے کے اظہار کیساتھ ہدیہ قبول کر لیتے کیونکہ وہ

صاحب برکت تھے تو جو عقیدہ ان بزرگ کے صاحب برکت ہونے کا ان کے معتقد نے ظاہر کیا تھا وہ واقع کے مطابق تھا اس لئے اس ہدیہ کی بناء بھی صحیح تھی لہذا اس ہدیہ کے قبول کر لینے میں کچھ حرج نہ تھا اور میں چونکہ صاحب برکت نہیں اس لئے اپنے معمول میں مجھ کو اتنی ترمیم کرنا پڑی کہ جو شخص برکت کی نیت سے مجھ کو دے اس کا ہدیہ نہ قبول کروں اور جو محض محبت سے دے اس کا قبول کر لوں۔

(ملفوظ ۱۹۲) زیارت جبہ شریف میں راہ اعتدال

ریاست رامپور میں اس وقت ایک جبہ شریف ہے جس کو جلال آباد پرگنہ تھانہ بھون سے نواب کلب علی خان صاحب مرحوم کی درخواست پر منتقل کیا گیا ہے جس کے متعلق گو کسی باقاعدہ سند سے تو ثابت نہیں مگر عام طور پر مشہور ہے کہ یہ جبہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس کا حال اور حکم پورا پورا السنۃ الجلیہ میں حضرت والا نے تحریر فرمایا ہے اس جبہ کو خدام جبہ ربیع الاول میں ریاست رامپور سے جلال آباد بھی لایا کرتے ہیں اور کبھی تھانہ بھون بھی اس کو لایا جاتا ہے تو اس کے متعلق حضرت والا نے ایک تذکرہ میں فرمایا کہ جب وہ جبہ شریف یہاں آتا ہے تو حوض والی مسجد کے احاطہ میں ایک مختصر حجرہ ہے وہاں پر ایک محفوظ مقام میں اس جبہ شریف کو رکھا جاتا ہے تو گو وہ اس وقت حوض والی مسجد میں ہوتا ہے (اور یہ حوض والی مسجد اس مقام سے جہاں خانقاہ میں حضرت والا دوپہر کو لیٹتے ہیں بہت دور ہے) مگر اس زمانہ میں میں دوپہر کو۔۔۔ (یعنی خانقاہ میں دوپہر کو جہاں حضرت والا قیلولہ فرماتے ہیں اس جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) یہاں لیٹنے میں اول اول جبہ شریف کی طرف پیر نہیں کرتا تھا اور اب تو کبھی ذہول بھی ہو جاتا ہے مگر تنبہ کے بعد گرانی ہوتی ہے پھر فرمایا کہ میرے کانپور سے مستقل طور پر وطن آجانے کے بعد اول بار جبہ شریف یہاں لایا گیا مجمع میں تو بعض منکرات کے سبب میں نے زیارت نہیں کی

مگر خلوت میں زیارت کرنا چاہی تو میں نے خدام جبہ سے کہا کہ جس وقت کوئی نہ ہو گا اس وقت خلوت میں اس کی زیارت کرادیں مگر جبہ شریف کو کھول تم ہی جانا کیونکہ میرے ہاتھ اس قابل نہیں کہ جبہ شریف کو مس کریں گو وہ لوگ جو جبہ شریف کو یہاں لاتے ہیں ان کے عقائد اچھے نہیں مگر وہ چونکہ خادم ہیں اس جبہ شریف کے اس لئے میں نے ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں سے افضل سمجھا انہوں نے منظور کر لیا پس میں نے خلوت میں اس جبہ شریف کی زیارت کی تو خوب چوما آنکھوں سے لگایا پھر فرمایا کہ ایک ضروری بات قابل غور ہے کہ اس جبہ شریف کا اتنا ادب کیوں کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس جبہ شریف کو نسبت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گو وہ نسبت یقینی نہیں مگر باوجود غیر یقینی ہونے کے اس کا ادب کیا جاتا ہے تو احکام شرعیہ جن کی نسبت حضور کی طرف یقینی ہے وہ کس قدر قابل وقعت ہوں گے کیونکہ ان احکام کی نسبت جو حضور کی طرف ہے اس میں کچھ شک و شبہ ہی نہیں اور منجملہ احکام شرعیہ کے ایک حکم یہ بھی ہے کہ کسی چیز کے ادب میں غلو نہ کرنا چاہئے لہذا یہ حکم بھی قابل وقعت و قابل احترام ہو گا اور جیسے وہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں جو منصوص ہیں اسی طرح وہ احکام بھی حضور ہی کی طرف منسوب ہیں کہ جواز قسم اجتہادیات ہیں کیونکہ القیاس مظہر لا مثبت یعنی فقہاء نے جو قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط کیا ہے تو انہوں نے اپنی طرف سے یہ حکم ایجاد نہیں کیا بلکہ قرآن و حدیث میں جو کچھ مخفی تھا اس کو سب کے سامنے کر دیا جیسے ایک بند صندوق میں جواہرات رکھے ہوئے تھے اس وقت تو وہ کسی کو نظر نہ آتے تھے پھر ایک شخص نے اس صندوق کا پٹ کھول دیا بس وہ جواہرات سب کو نظر آنے لگے مگر افسوس ہے کہ آج کل لوگ باوجود اس کے کہ احکام شرعیہ کی نسبت حضور کی طرف دوسری منسوب چیزوں سے زیادہ ہے مگر ان کی وقعت نہیں کرتے حالانکہ وہ سب سے زیادہ قابل احترام ہیں۔

(ملفوظ ۱۹۳) چند اصول افتاء

ایک بار کچھ اصول افتاء کے متعلق بیان فرمائے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے کہ فتاویٰ کے اندر توسع چاہئے تاکہ عاملین کو تنگی نہ ہو مگر جہاں توسع میں اندیشہ ہو کہ لوگ اس امر کے متعلق یہ معلوم کر کے کہ جائز ہے بعض ایسی باتوں کو جائز سمجھ لیں گے کہ جو باجماع ناجائز ہیں تو ایسے موقع پر توسع نہ چاہئے اگرچہ ایسے موقع پر توسع نہ کرنے کی وجہ سے بعض جائز باتیں پس جائیں گی اس کے بعد فرمایا کہ بعض مرتبہ میں ایک جائز بات کی اجازت مقتداء کو بھی نہیں دیتا جس میں لوگ اس مقتداء کے فعل کی سند پکڑیں گے ناجائز چیزوں کا ارتکاب کرنے لگیں گے اور عامی شخص کو اسی بات کی اجازت دیتا ہوں کیونکہ یہاں یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ لوگ اس کی اقتداء کریں گے۔

(ملفوظ ۱۹۴) مخلوق کے لئے لفظ رزاق کا استعمال ناجائز ہے

ایک بار ایک فقہی مسئلہ بیان فرمایا کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ رزق الامیر الجند تو کہنا جائز ہے مگر الامیر رزاق کہنا ناجائز ہے کیونکہ۔۔۔ رزاق کا لفظ نصوص میں صرف حق تعالیٰ جل شانہ کے لئے استعمال کیا گیا ہے لہذا اس لفظ کا استعمال مخلوق کے لئے ناجائز ہے اسی طرح نصوص کے اندر بعض مغیبات کے متعلق یہ ثابت ہے کہ ان کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہے اور ایسے علم کی نسبت حضور کی طرف جائز ہے مگر باوجود اس کے کہ حضور کے متعلق نصوص میں عالم الغیب کا لفظ کہیں استعمال نہیں کیا گیا لہذا عالم الغیب کے لفظ کا استعمال صرف حق تعالیٰ کے لئے مخصوص ہوا اور مخلوق کے لئے اس لفظ کا استعمال ناجائز ہوا کیونکہ مخلوق کے لئے اس لفظ کے استعمال کرنے میں ایہام ہے جیسے ایہام کی وجہ سے مخلوق کے لئے رزاق کا استعمال ناجائز ہوا تھا۔ اسی طرح مخلوق کے لئے لفظ عالم الغیب کا استعمال بھی بوجہ ایہام ناجائز ہو گا اسی طرح گو

باپ کو بیٹے کے مال سے منتفع تو ہونا جائز ہے مگر اس انتفاع کی وجہ سے یہ جائز نہیں کہ بیٹا اپنے باپ کو برخوردار یعنی منتفع لکھنا شروع کر دے حالانکہ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے مگر باوجود اس کے پھر جو بیٹے کے لئے یہ ناجائز ہے کہ وہ باپ کو برخوردار کہے تو اس کی وجہ وہی ایہام ہے باپ کی بے ادبی کا اور اس ایہام کی وجہ یہ ہے کہ برخوردار کا لفظ عرفاً بیٹے کے لئے مخصوص ہے اس لئے باپ کے لئے اس لفظ کا استعمال کرنا بے ادبی ہے۔

(ملفوظ ۱۹۵) علماء کے اختلاف کی صورت میں احتیاط کی ضرورت

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صاحب فلاں مسئلہ کے متعلق علماء میں اختلاف ہے ایک کہتا ہے کہ یہ کام بدعت ہے اگر کیا گیا تو عذاب ہو گا دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بلکہ بدعت حسنہ ہے تو اس کے کرنے میں ثواب ہے تو ایسے موقع پر ہم کیا کریں اور کس کا اتباع کریں بڑی پریشانی کی بات ہے اس کے متعلق حضرت والا نے فرمایا کہ پریشانی کی کیا بات ہے ان لوگوں کو چاہئے کہ اس کی تحقیق کریں کہ حق کس جانب ہے بس جو عالم اس مسئلہ میں حق پر ہو بس اس مسئلہ میں اس کے قول پر عمل کریں اور اگر اپنے اندر اتنی لیاقت نہ دیکھیں کہ یہ معلوم کر سکیں کہ کون عالم حق پر ہے یا ان کو اتنی فرصت نہیں کہ حق کی تحقیق کر سکیں تو پھر ان لوگوں کو یہ چاہئے کہ احتیاط پر عمل کریں اور وہ احتیاط یہ ہے کہ عقیدہ تو یہ رکھیں کہ اللہ عالم یعنی اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کون سی بات حق ہے اور عمل یہ رکھیں کہ اس کام کو جس کے جائز ناجائز ہونے میں اختلاف ہو ترک کر دیں کیونکہ اس کے ترک کر دینے میں زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ اس فعل کا ثواب نہ ملے گا تو خیر اور بہت سی باتوں سے ثواب حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس کام کو اگر کیا تو کرنے پر عذاب محتمل ہو گا پس اس احتیاط میں

گو کچھ ثواب میں کمی ہو جائے مگر عذاب سے تو بچ جائے گا۔

(ملفوظ ۱۹۶) حمائل شریف منبر کی بیچ کی سیڑھی پر رکھنا بے ادبی ہے

ایک بار کسی صاحب نے خانقاہ کی مسجد کے ممبر کی بیچ کی سیڑھی پر حمائل رکھ دی۔ حضرت والا کی اس پر نظر پڑی تو حضرت والا نے فرمایا کہ حمائل کو اس جگہ اس طرح رکھنا بے ادبی ہے کیونکہ اس سیڑھی پر خطیب پاؤں رکھتا ہے گو حمائل جزدان میں ہے مگر چونکہ جزدان اس وقت حمائل سے لپٹا ہوا ہے اور الگ نہیں ہے اس لئے حمائل اور زینہ کے درمیان میں جزدان کا حائل ہونا بے ادبی سے بچنے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس جزدان کے نیچے یعنی ممبر کی سیڑھی کے سطح کے اوپر اگر کوئی کپڑا رکھا ہوا ہوتا اور اس کپڑے پر حمائل ہوتی تو بے ادبی نہ ہوتی البتہ اگر یہاں جزدان حمائل سے الگ ہوتا اور حمائل اس کے اوپر ہوتی تو گو جزدان کے نیچے کوئی کپڑا بھی نہ ہوتا مگر بے ادبی نہ ہوتی کیونکہ اس وقت بھی گو حمائل سیڑھی پر ہوتی مگر عرفاً یہ کہا جاتا کہ حمائل جزدان پر رکھی ہے اور جزدان پر رکھنا ظاہر ہے کہ بے ادبی نہیں اور اب جبکہ حمائل جزدان میں لپٹی ہوئی ہے۔ اگرچہ جزدان ممبر کی سیڑھی اور حمائل کے درمیان میں حائل ہے مگر اس وقت عرفاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ حمائل جزدان پر رکھی ہے بلکہ یہی کہا جائے گا کہ ممبر کی سیڑھی پر رکھی ہے اور حمائل کا مسجد کی سیڑھی پر رکھنا خلاف ادب ہے اس کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص لنگی زمین پر بچھا کر اس پر بیٹھ جائے تو اس شخص کو جالس علے الارض نہیں کہیں گے بلکہ یہ کہیں گے کہ لنگی پر بیٹھا ہے البتہ اگر اس لنگی کو وہ باندھ کر بیٹھے گا تو اس کے متعلق یہی کہا جائے گا کہ زمین پر بیٹھا ہے اس کو لنگی پر بیٹھنے والا نہیں کہا جائے گا حالانکہ لنگی اب بھی اس شخص کے جسم کے اور زمین کے درمیان حائل ہے پھر فرمایا کہ ادب کا مدار عرف پر ہے یعنی کوئی فعل جو فی نفسہ مباح ہو اگر عرفاً بے ادبی سمجھا جائے گا تو شرعاً بھی وہ فعل بے ادبی میں شمار ہو گا۔

(ملفوظ ۱۹۷) امت محمدیہ علیہا الصلوٰۃ والسلام کو آپؐ سے بے انتہا محبت

فرمایا یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ جتنی محبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو حضور کے ساتھ ہے اتنی محبت کسی امت کو اپنے نبی کے ساتھ نہیں ہوئی۔

(ملفوظ ۱۹۸) نفس کے باریک مکر

فرمایا ایک بار حضرت رابعہ بصریہ کی مجلس میں بعض بزرگوں نے دنیا کی مذمت کی تو اس پر حضرت رابعہ بصریہ نے بجائے خوش ہونے کے یہ ارشاد فرمایا کہ آپ لوگ ہماری مجلس سے اٹھ جائیں کیونکہ معلوم ہوا کہ آپ لوگوں کے قلب میں ابھی دنیا کی محبت موجود ہے کیونکہ من احب شیئا اکثر ذکرہ یعنی آدمی اکثر اسی چیز کا ذکر کیا کرتا ہے کہ جس چیز سے اس کے قلب کو تعلق اور لگاؤ ہوتا ہے۔ مراد حضرت رابعہ کی وہ ذکر ہے جو بلا ضرورت ہو جیسا اس مجلس میں کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ اہل مجلس سب تارکان دنیا ہی تھے کوئی محبّ دنیا نہ تھا جس میں تنفیر عن الدنیا کی مصلحت ہوئی تو اس وقت مذمت کرنے میں ایہام ہوتا ہے تفاخر کا کہ ہم ایسی محبوب عام چیز کو مبغوض سمجھتے ہیں یہی دلیل ہے اس کی کہ قلب میں دنیا کی وقعت ہے۔ اسی کو محبت دنیا فرمایا۔ یہاں سے اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ حضرات انبیاء علیہ السلام نے بھی دنیا کی مذمت فرمائی ہے پھر مذمت حب دنیا کی دلیل کیسے ہو گئی بات یہ ہے کہ وہ بضرورت تنفیر تھی اور یہاں بلا ضرورت۔ پھر اس کے بعد حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ جس طرح اس مذمت کا منشا تفاخر ہوتا ہے اسی طرح بعض لوگ اپنے مشائخ کی مدح میں اس کا تو ذکر کرتے ہیں کہ ہمارے شیخ نے فلانے شخص کی جو اتنا بڑا آدمی تھا ذرا پروا نہیں کی اور فلاں بے تمیزی پر اس کو اتنا ڈانٹا لیکن اگر ان کے شیخ نے کسی غریب آدمی کو ڈانٹا ہو تو اس قصہ کو قابل ذکر ہی نہیں سمجھتے تو یہ بھی ان بیان کرنے والوں کے نفس کا کید ہے کیونکہ جب انہوں نے اس امیر

آدمی کو ڈانٹنے کا تو ذکر کیا اور اس غریب آدمی کے ڈانٹنے کا ذکر نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کے دلوں میں اس امیر کی توقعت تھی جبھی تو اس کے ڈانٹنے کو ایک بہت بڑی بات سمجھا اور اس غریب آدمی کو حقیر سمجھتے تھے اس وجہ سے اس کے ڈانٹنے کو ایک معمولی بات خیال کیا لہذا امیر آدمی کو ڈانٹنے کے قصہ کو تو قابل ذکر سمجھا اور غریب آدمی کے ڈانٹنے کے قصہ کو قابل ذکر نہ سمجھا اور اس سے بھی زیادہ نفس کا دقیق کید یہ ہے کہ بعض لوگوں کا اپنے مشائخ کے ایسے واقعات کہ جن کے اظہار سے یہ بات معلوم ہوتی ہو کہ ان کے شیخ کو دنیا اور اہل دنیا کی بالکل پرواہ نہیں لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے کہ ہماری جاہ میں ترقی ہو کہ یہ شخص اتنے بڑے بزرگ سے تعلق رکھنے والوں میں سے ہے یہ کید بہت ہی دقیق ہے۔

(ملفوظ ۱۹۹) جمعیت اور انشراح سے سالک کو باطنی ترقی ہوتی ہے

سالکین میں سے ایک صاحب پر سخت قبض طاری ہوا انہوں نے اپنا حال حضرت والا کی خدمت میں لکھ کر بذریعہ ڈاک ارسال کیا حضرت والا نے ان کو جواب تحریر فرمایا اور پھر حاضرین کو سنایا۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے ان کو یہ مضمون اس لئے لکھا ہے کہ ان کا غم رفع ہو اور ان کو تسلی اور اطمینان ہو کیونکہ جمعیت اور انشراح سے سالک کو باطنی ترقی ہوتی ہے چونکہ ہم لوگ بہت ضعیف ہیں اس لئے لوگ حزن کی برداشت نہیں کر سکتے بلکہ زیادہ رنج و غم سے ہم لوگوں کے اندر مایوسی پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لئے ہم کو ہر وقت اپنے آپ کو خوش رکھنا چاہئے تاکہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھ کر حق تعالیٰ سے ہم کو محبت پیدا ہو ورنہ بلاؤں کے اندر محبت کا باقی رہنا ہم لوگوں کا کام نہیں صدیقین ہی کی شان ہے۔

(ملفوظ ۲۰۰) کسی کو تکوینی کارخانہ سے مدد ہونا اس کی مقبولیت کی علامت نہیں

فرمایا بزرگوں کے قصے ایسے بہت ہیں کہ انہوں نے مدتوں تک کھایا پیا نہیں اور باوجود اس کے وہ زندہ رہے تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کو غیب سے قوت عطا ہوتی ہے جس سے ان کی زندگی باقی رہتی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ظاہری سامان ان کو قوت پہنچنے کا اور کوئی ہے نہیں اس پر ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت بعض جوگی لوگ جو ایک عرصہ تک کھانا نہیں کھاتے اور پھر زندہ رہتے ہیں تو ان کو جو بلا غذا طاقت اور قوت پہنچتی رہتی ہے جس سے ان کی زندگی باقی رہتی ہے تو یہ قوت ان کو بھی کیا غیب سے پہنچتی ہے کیونکہ ظاہری سامان قوت تو یہاں پر بھی کچھ نہیں ہوتے۔ فرمایا کہ کوئی بھی ہو سب کو قوت غیب ہی سے پہنچتی ہے دو جگہ تھوڑا ہی ہیں کہ جوگیوں کو تو ایک جگہ سے قوت پہنچتی ہو اور مسلمانوں کو دوسری جگہ سے پہنچتی ہو بلکہ وہی ایک تکوینی کارخانہ ہے کہ اسی تکوینی کارخانہ سے سب کو قوت پہنچتی ہے خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم چنانچہ جب کافر سو جاتا ہے تو اس سوتے ہوئے کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر ہیں جو اس پر پہرہ دیتے ہیں اور اس کو سانپ بچھوؤں سے بچاتے ہیں پس کافر کو بھی اسی تکوینی کارخانہ سے مدد پہنچتی ہے اور مسلمانوں کو بھی لہذا کسی کی اس تکوینی کارخانہ سے مدد ہونا اس شخص کی مقبولیت کی علامت نہیں۔

(ملفوظ ۲۰۱) مولانا یعقوبؒ کا انتظام

فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کے یہاں یہ انتظام تھا کہ اگر فتاویٰ میں بوجہ جواب کے تطویل ہو جانے کے کہیں کاغذ میں جوڑ لگانے کی ضرورت ہوتی تو اس جوڑ پر بھی اپنی مہر کر دیتے تھے تاکہ تزویر کا شبہ نہ ہو احقر جامع عرض کرتا ہے کہ ایک بار حضرت والا نے ایسے ہی جوڑ پر دونوں طرف دستخطوں کے

لئے حکم دیا ہے۔

(ملفوظ ۲۰۲) مصلح کیلئے کسی شیخ کا اجازت یافتہ ہونا شرط ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کا ادراک باطنی صحیح ہو اور کسی بزرگ سے اس کی تربیت ہوئی ہو اس کو اس بات کا شرح صدر ہو جائے کہ مجھ کو افادہ کی صلاحیت حاصل ہو گئی تو گو ان بزرگ نے اس کو اجازت تعلیم و تربیت باطنی کی نہ دی ہو مگر اس شخص کے لئے اس میں مضائقہ نہیں کہ وہ لوگوں کو افادہ باطنی کرے لیکن اس زمانہ میں کہ سلامت فہم کم ہے ایسی گنجائش مناسب نہیں بلکہ کسی بزرگ کی اجازت کو شرط کہنا چاہئے۔

(ملفوظ ۲۰۳) شرک اکبر کے افراد عقلاً ممتنع ہیں

فرمایا شرک اکبر کے جتنے افراد ہیں وہ جیسے شرعاً باطل ہیں اسی طرح عقلاً بھی ممتنع بالذات ہیں مثلاً کسی کے لئے علم مستقل کا قائل ہونا یا قدرت مستقلہ کا قائل ہونا کہ ایسا علم و قدرت حادث کے لئے ممتنع بالذات بھی ہے۔

(ملفوظ ۲۰۴) غیر محرم کی طرف نظر بد کسی صورت میں جائز نہیں

فرمایا بعض لوگ جو غیر محرم کی طرف نظر بد کرنے کے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہا کرتے ہیں کہ صاحب ہم کیا کریں معذور ہیں اس لئے کہ جب کوئی غیر محرم عورت سامنے آجاتی ہے تو اس کی طرف دیکھنے کو نفس کا اس قدر تقاضا ہوتا ہے کہ خلاف پر قدرت نہیں رہتی شاید مقصود ان کا اپنے اس عذر کے بیان کرنے سے یہ ہوتا ہے کہ اضطرار میں جیسے مردار کا کھانا حلال ہو جاتا ہے اسی طرح نظر بد بھی جائز ہو جانی چاہئے۔ مگر اس کا جواب ظاہر ہے کہ شدت جوع سے تو عادۃً تیقن ہے کہ آدمی ہلاک ہو جاوے لہذا شدت جوع میں

(کہ جس شدت کی وجہ سے ہلاکت کااندیشہ ہو) مردار کا کھانا شریعت نے حلال کر دیا ہے لیکن نظر بد کو روکنے سے موت کا واقع ہو جانا مظنون بھی نہیں لہذا نظر بد کے تقاضے کی وجہ سے نظر بد کو حلال نہیں کیا جا سکتا اور راز اس کا یہ ہے کہ حکم واقعات اکثر یہ پر لگایا جاتا ہے اور جو بات شاذ و نادر ہوا کرتی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا یہی وجہ ہے کہ شدت جوع میں مردار تو حلال ہو گیا مگر شدت شہوت میں زنا کو حلال نہیں کیا گیا کیونکہ شدت شہوت کی وجہ سے موت کا واقع ہو جانا عادت کے خلاف ہے بخلاف شدت جوع کے کہ اس سے ہلاک ہو جانا اکثر ہے لہذا نظر بد سے بچنا مطلقاً بھی ضروری ہے اگرچہ نظر بد سے روکنے سے فرضاً ہلاکت ہی کا اندیشہ کیوں نہ ہو لا نہ شاذبل الاشذ

(ملفوظ ۲۰۵) ہدیہ دیتے وقت ثواب کی نیت کرنا بھی مناسب نہیں

ایک صاحب نے عرض کیا کہ فلاں صاحب کے یہاں نواسہ ہوا ہے انہوں نے اس کی خوشی میں مبلغ پانچ روپیہ ہدیتہً بھیجے ہیں حضرت دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ بہت اچھا پھر فرمایا کہ میں جو ہدیہ لینے میں پس و پیش کیا کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ طریقہ سے نہیں دیتے گڑبڑ کرتے ہیں اور ایسے وقت میں مجھ کو اس ہدیہ کے قبول کرنے میں دین اور اہل دین کی بے عزتی کا شبہ ہوتا ہے اس وجہ سے اس ہدیہ کے قبول کرنے میں مجھ کو غیرت آتی ہے ورنہ اگر کوئی طریقہ سے دے تو کیا حرج ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت سے کس کو انکار ہے اسی سلسلہ میں بلگرام کے ایک بزرگ کا قصہ ہے کہ ان کی خدمت میں ان کے ایک خادم جوان سے بیعت بھی تھے اور ان کے شاگرد بھی تھے حاضر ہوئے اور ان کے چہرہ پر اضمحلال کے آثار دیکھ کر محسوس کر لیا کہ آج فاقہ ہے۔ عرض کیا کہ آج میری طبیعت کسلمند ہے اس لئے چھٹی کی

درخواست ہے اور کتاب اٹھا کر گھر چلے گئے وہاں سے کھانے کا ایک خوان لیکر حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت نوش فرمائیں ان بزرگ نے فرمایا کہ اس میں شک نہیں کہ جو کچھ تم نے کیا وہ خلوص سے کیا اور یہ ہدیہ میرے پاس ایسے وقت پہنچا ہے کہ مجھ کو اس کی حاجت ہے مگر حدیث شریف میں آیا ہے کہ ما اتاک من هذا المال وانت غير مشرف ولا سائل فخذه الحديث فی الصحیحین اور جس وقت تم گئے تھے تو میں قرائن سے سمجھ گیا تھا کہ شاید تم کچھ لاؤ گے اور مجھ کو اس کا انتظار ہو گیا تھا اس وجہ سے میں اس ہدیہ کے قبول کرنے کو خلاف سنت سمجھتا ہوں وہ خادم بھی ایسے سلیم الطبع تھے کہ کچھ اصرار نہیں کیا بلکہ عرض کیا کہ بہت اچھا اور خوان اٹھا کر واپس ہو گئے جب نگاہ سے غائب ہوئے تو پھر استاد کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا کہ حضرت اب تو اشراف نفس کا شبہ نہیں رہا لہذا اب قبول فرما لیا جاوے ان بزرگ نے بہت دعائیں دیں اور وہ کھانا قبول فرما لیا۔ تو اگر کوئی شخص کسی کی کچھ خدمت کرنا چاہے تو اس کے سو طریقے ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ بے ڈھنگے طریقہ سے ہی خدمت کی جاوے۔ کانپور میں ایک منشی محمد جان تھے ایک بار انہوں نے مجھ سے مسئلہ دریافت کیا کہ اگر کسی کے پاس حلال طیب مال ہو اور اس کو گنجائش بھی ہو اور وہ اپنی گنجائش کے موافق کسی کو ہدیہ دینا چاہے اور نہ لینے میں اس کی دل شکنی بھی ہوتی ہو تو ایسے موقعہ پر کیا کرنا چاہئے اس ہدیہ کو لے یا نہ لے میں نے کہا کہ ضرور لے لینا چاہئے کہنے لگے کہ میں یہ ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس کو قبول فرما لیجئے۔ میں نے کہا کہ اچھا میرے مسئلہ کی مشق مجھی پر کی جائے گی کہنے لگے کہ نہیں صاحب میں اصرار نہیں کرتا آپ کو اختیار ہے میں نے کہا کہ اب اختیار کہاں رہا۔ اسی طرح ایک بار میرے پاس ایک انگر کھا تھا ادنی اس میں کہیں کیڑا لگ گیا تھا میں نے ایک مجلس میں ذکر کیا کہ کیا کوئی رفوگر ایسا ہے کہ اس کو درست کر دے انہوں نے کہا کہ جی ہاں ایک رفوگر ہے میں اس کو جانتا ہوں میں نے کہا کہ مگر شرط یہ ہے کہ پہلے اس سے ٹھرا لیا

جاوے کہ کیا لے گا انہوں نے کہا کہ بہت اچھا اور وہ اس انگرکھے کو مجھ سے لے گئے جب واپس لائے تو میں نے کہا کہ اس کی اجرت کیا ہوئی کہنے لگے کہ میں نے اس رفوگر سے دریافت کیا تھا مگر وہ کچھ بتلاتا ہی نہیں مگر مجھ کو معلوم ہو گیا کہ انہوں نے خود اس کے دام دیدئے ہیں تو دیکھئے بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ خدمت کر کے ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتے کہ ہم نے خدمت کی تاکہ احسان نہ ہو چنانچہ میں نے ایک قصہ دیکھا ہے جو اس وقت یاد نہیں رہا کہ کہاں دیکھا ہے کہ جب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے جو ملیکۃ العرب مشہور تھیں شادی ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے حضور کی خدمت میں کچھ ہدیہ پیش کرنا چاہا مگر اندیشہ ہوا کہ شاید حضور گوارانہ فرمائیں تو یہ تدبیر کی کہ عرض کیا کہ میرے دادا کے پاس حضور کے دادا نے کچھ امانت رکھ دی تھی میں وہ ادا کرنا چاہتا ہوں اور اس طرح حضرت صدیق اکبر نے وہ ہدیہ پیش کیا پھر حضرت حکیم الامت دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ ہدیہ کے اندر احسان کی نیت تو درکنار ثواب کی بھی نیت نہ ہونا چاہئے گو ہدیہ دینے میں ایک عمل کا ثواب بھی ہوتا ہے کیونکہ ہدیہ دینے میں دو عمل ہیں ایک تو اعطاء اس ہدیہ کا اور ایک اس اعطاء سے اس ہدیہ لینے والے کا دل خوش ہونا تو ہدیہ میں گو اعطاء کا ثواب نہ ہو مگر مہدی الیہ کے دل خوش ہونے کا ثواب تو مہدی کو ضرور ملے گا۔

(ملفوظ ۲۰۶) عوارض باطنی کی تدابیر

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے لکھا ہے کہ میں ایک صاحب سے بیعت ہو گیا تھا اور اب تک میں ان کی تعلیم پر عمل کرتا رہا مگر اب مجھ کو جنون ہو گیا ہے لہذا مجھ کو کیا کرنا چاہئے اور میرے لئے کوئی تعویذ بھی مرحمت فرمایا جاوے۔ پھر حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ اب تو لوگوں نے ہر بات کے لئے بس تعویذ تجویز کر لیا ہے اور تعویذوں کے پیچھے بیماری کو بڑھا لیتے ہیں اور جو حالت

اس شخص کو پیش آئی اس کی دو وجہ ہوا کرتی ہیں بعض مرتبہ تو تعلیم غلط ہوتی ہے جس سے سوء مزاج پیدا ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ اپنے مربی کی تعلیم کے بعد اس میں اپنی رائے کو دخل دینا بھی اس کا سبب ہوتا ہے اور علاج ایسے شخص کا یہ ہے کہ ایسے شخص کو ایسی جگہ رہنا چاہئے جہاں دو شخص جمع ہوں ایک طبیب حاذق جو امراض بدنیہ کا علاج کرے اور دوسرا شیخ محقق جو باطنی عوارض کی تدبیر کرے بجز اس تدبیر کے کوئی تعویذ وغیرہ اس کے لئے کافی نہیں جس کی درخواست سائل نے کی ہے۔ عوارض باطنی کی تدابیر کے سلسلہ میں فرمایا کہ ایک صاحب بریلی کے یہاں مقیم تھے۔ ان پر وساوس کا غلبہ تھا مجھ سے آکر شکایت کیا کرتے میں ان کو سمجھایا کرتا تھا کہ یہ وساوس ہیں ان کا علاج یہی ہے کہ ان کی طرف التفات نہ کرو خود بخود جاتے رہیں گے مگر ان کی سمجھ میں آتا ہی نہ تھا۔ ایک بار وہ میرے پاس آئے اور بیٹھ کر جھومنے لگے کہ بس اب تو یہ خیال آتا ہے کہ عیسائی ہو جاؤں میں نے ایک دھول رسید کیا کہ جا مردود ابھی جاکر عیسائی ہو جا تجھ جیسے خبیث کی اسلام کو ضرورت نہیں۔ بس اس کے بعد اس شخص کی حالت ایسی درست ہوئی کہ پھر اس کو کبھی کوئی وسوسہ ہی نہیں آیا۔ اسی طرح یہاں ایک ذاکر شاغل شخص کی یہ حالت تھی کہ جب ذکر کرتے تو ذکر کرتے کرتے ان کو ایسا جوش اٹھتا تھا کہ اٹھ کر بھاگنے لگتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگوں پر حملہ کریں گے ان کی یہ حالت لوگوں نے مجھ سے بیان کی۔ میں نے کہا آج شب کو میں خانقاہ میں رہوں گا۔ غرض آخر شب میں وہ ذکر کرنے بیٹھے تو حسب معمول اٹھ کر چلے تو میں ان کے پیچھے پہنچ کر ایک دھپ لگایا کہ تیرے ہی اندر سارا جوش آگیا ہے بیٹھو۔ اس کے ایک زمانہ کے بعد پھر وہ شخص کلکتہ میں ملے تو بالکل ان کی حالت درست تھی۔

(احقر کاتب ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ ایک بار ایک ایسے ہی موقع پر یہ بھی حضرت دام ظلہم العالی نے بیان فرمایا تھا کہ ۱۲) اسی طرح ایک شخص میرے پاس آئے اور کہا کہ میں ایک گوالن پر عاشق ہو گیا ہوں میں نے اس کو

نصیحت کی کہ آئندہ سے اس کے پاس نہ جانا نہ اس کو دیکھنا تو بجائے اس کے کہ وہ اس تعلیم پر عمل کا وعدہ کرتا کہنے لگا کہ صاحب میں تو اس کے پاس دودھ لینے کے بہانہ سے ہر روز جاتا ہوں مجھ کو غصہ آیا اور میں نے اس کو ایک دھول ماری اور نکلوا دیا- بفضلہ تعالیٰ میری اس تنبیہ کے بعد اس کی بھی حالت بالکل درست ہو گئی اور اپنے اس فعل سے توبہ کر لی اور اس گوالن سے قطع تعلق کر لیا- اسی طرح ایک منشی صاحب تھے خورجہ میں ان کی حالت یہ تھی کہ ذرا سی بات میں ان پر سخت گریہ طاری ہو جاتا تھا- مثلاً وہ اپنے کسی بزرگ سے ملیں یا ان کے سامنے ان کے کسی بزرگ کا تذکرہ کیا جاوے تو چیخنے لگتے تھے مجھ کو ان پر بہت رحم آتا تھا ایک بار جو وہ یہاں پر آئے تو یہاں پر بھی ان کی یہ حالت ہوتی میں نے قصداً ڈانٹ دیا بس اس وقت سے یہ ہوا کہ میرے پاس آکر ان پر یہ حالت طاری نہ ہوتی تھی قاعدہ ہے کہ منکر کے سامنے جوش نہیں ہوتا غالباً یہی وجہ ہو اس کی کہ میرے ڈانٹنے کے بعد ان پر یہ حالت میرے سامنے طاری ہونا بند ہو گئی-

(ملفوظ ۲۰۷) سالک کیلئے صورت دعویٰ بھی سم قاتل ہے

ایک صاحب نے حضرت دام ظلہم العالی کی خدمت میں حسب ذیل عریضہ ارسال کیا- ہادی ملت رہنمائے طریقت ادام اللہ ظلکم- السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ- خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے وطن سے شنبہ کو یہاں بخیریت پہنچ گیا- بارش کی وجہ سے دو ایک دن کی تاخیر ہو گئی- میرے وطن میں حضرت کے خدام جو فلاں صاحب سے تعلیم حاصل کرتے ہیں- اس مرتبہ میری واپسی کے منتظر تھے- شہر نیز دیہات میں حضرت والا کے خدام کی بڑی تعداد ہے- میرے زائد قیام کی وجہ سے نیز حضور والا سے غایت محبت و عقیدت کی بناء پر مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے اور ملنے تشریف لاتے ہیں- قیام تھانہ بھون کے تاثرات دریافت فرماتے ہیں- باوجود کوشش میں بھی مجبور ہو

جاتا ہوں ہر مرتبہ قصد کرتا ہوں لیکن ہر بار شکست ہو جاتی ہے خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں یہ شے میرے لئے مضر نہ ہو اس لئے عرض کر رہا ہوں- انتہی-

حضرت والا دام ظلہم العالی نے حسب ذیل جواب تحریر فرمایا-

الجواب- تاثرات کے ظاہر کرنے سے اول میں صورت دعویٰ کی اور آخر میں حقیقت دعویٰ واقع ہو جاتی ہے جو سالک کے لئے سم قاتل ہے- اسلم و احکم یہ جواب ہے کہ میری اتنی سمجھ نہیں جو ان سوالات کی حقیقت سمجھ کر جواب دے سکوں بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میری تسلی ہو جاتی تھی- باقی دوسروں کی تسلی میرا کام نہیں اگر کوئی جاہل اس پر بھی نہ مانے تو پھر یہ کہہ دیا جایا کرے کہ مجھ کو ایسے حالات بتلانے سے مصلح نے منع کر رکھا ہے-

بقیہ سوال- چالیس دن کے قیام تھانہ بھون کی برکتیں یہاں آکر جو مجھ کو محسوس ہو رہی ہیں ان کا عرض کرنا میرے لئے دشوار ہے-

الجواب- یہ دشوار پوچھنے والوں کے سامنے کیسے آسان ہو جاتا ہے- فقط اس پر کہ وجدانیات اور ذوقیات کی تعبیر زبان سے دشوار ہے بطور تمثیل ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک اردو کی کتاب میں چند سہیلیوں کی حکایت لکھی ہے کہ ان میں آپس میں یہ عہد ہوا تھا کہ ہم میں سے جس کی شادی پہلے ہو گی تو وہ اپنے سب حالات ظاہر کرے گی کہ کیا ہوتا ہے چنانچہ اس میں ایک کی شادی ہو گئی تو اس سے ان سہیلیوں نے دریافت کیا کہ اپنا وعدہ پورا کرو تو اس نے جواب دیا کہ بس اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتی کہ ؎

بیاہ یونہی جب تمہارا ہو جائیگا
تب مزا معلوم سارا ہو جائیگا

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

پرسید یکے کہ عاشقی چیست
گفتم کہ چو ماشوی بدانی۔

اور بھلا یہ تو اپنے حالات کا اظہار ہے جو بہت خطرناک ہے- امام غزالی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ مبتدی سلوک کو وعظ بھی نہ کہنا چاہئے کیونکہ ابتدائے سلوک میں جوش ہوتا ہے تو جو کچھ بیان کریگا اس کو لوگ یہ سمجھیں گے کہ اس کا یہی حال ہے تو لوگوں کے ایسا سمجھنے سے بھی اس مبتدی کا ضرر ہوتا ہے-

(ملفوظ ۲۰۸) ابو جہل کے کفر کا اعتقاد رکھنا فرض ہے

فرمایا کہ ایک صاحب تھے جو تھے تو وطن ہی کے مگر چونکہ وہ مدت سے باہر ہیں اس لئے ان کے اندر وہ مناسبت و موانست جو باہم اہل وطن میں ہونی چاہئے نہ تھی ایک اجنبیت سی تھی وہ مجھ سے ریل کے سفر میں ملے کہنے لگے کہ یہ کیابات ہے کہ جب ہمارا لکھنو آلہ آباد وغیرہ جانا ہوتا ہے تو آپ کو لوگ غوث و قطب کہتے ہیں اور اگر بریلی جانا ہوتا ہے تو وہاں کافر کہتے ہیں تو ان میں سے کونسا فریق آپ کے نزدیک حق پر ہے- میں نے کہا کہ آپ بڑے بد تہذیب بد عقل ہیں جو مجھ سے میرے ہی متعلق فیصلہ کراتے ہیں کیا یہ بات مجھ سے پوچھنے کی تھی میں جب اپنے گناہوں پر نظر کروں گا تو اپنے آپ کو غوث و قطب کیسے کہہ سکوں گا اور اگر اپنے اسلام پر نظر کروں گا تو اپنے متعلق کفر کا حکم کیسے لگا سکوں گا تو مجھ سے اس کی تحقیق کرنا محض ایذاء پہنچانا ہے پھر اصل بات تو یہ ہے کہ خود تحقیق ہی فضول اور عبث ہے وجہ یہ کہ انبیاء پر تو ایمان لانا ضروری ہے اور ابو جہل کے کفر کا اعتقاد رکھنا فرض ہے- باقی رہا میں سو میرا نہ کفر منصوص ہے نہ اسلام منصوص پھر آپ کو میرے متعلق اس تحقیق کی ضرورت ہی کیا ہے میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ قیامت کے دن آپ سے یہ سوال نہ ہوگا کہ آپ نے اس کو کافر سمجھا تھا یا غوث و قطب اور اگر بلا ضرورت آپ کو تحقیق کا ایسا ہی شوق ہے تو میں اس کا بھی صحیح طریقہ بتلاتا ہوں وہ یہ کہ آپ میرے پاس آکر چند روز رہئے اور میرا کچا چٹھا دیکھئے اس وقت آپ میرے متعلق

صحیح فیصلہ کر سکیں گے اور میں ابھی بتلائے دیتا ہوں کہ آپ کیا فیصلہ کریں گے وہ فیصلہ یہ ہو گا کہ لکھنو آلہ آباد والے بھی جھوٹے ہیں اور بریلی والے بھی جھوٹے ہیں میں صرف ایک مسلمان گنہگار ثابت ہوں گا۔

(ملفوظ ۲۰۹) وعظ کی حقیقت

فرمایا میں جو دھپور گیا وہاں لوگوں نے مجھ سے وعظ کی درخواست کی اور یہ کہا کہ صاحب یہاں کے لوگ ہماری جماعت کو وہابی اور غیر مقلد کہتے ہیں اس لئے آپ وعظ میں امام ابو حنیفہ کے مناقب بیان فرماویں تاکہ ان لوگوں کا گمان ہماری جماعت کی طرف سے اچھا ہو جائے۔ میں نے کہا کہ دیکھا جاویگا جیسا مناسب ہو گا ویسا کیا جاویگا۔ جب وعظ شروع ہوا تو میں نے اول اسی کا ذکر کیا کہ مجھ سے ایسی درخواست کی گئی ہے اس لئے میں وعظ کہنے سے پہلے وعظ کی حقیقت بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں اس لئے کہ وعظ کی حقیقت سمجھنے کے بعد وعظ کا نفع زیادہ ہو گا۔ سو وعظ کی حقیقت ہی مطب روحانی۔ اس میں امراض روحانیہ اور ان کے علاج کا بیان ہوتا ہے پس اگر کوئی مریض کسی طبیب کے پاس جائے اور اس کو اپنی نبض دکھلائے اور علاج کی درخواست کرے مگر ساتھ ہی یہ شرط لگائے کہ صاحب فلاں دوا جو ہے وہ مجھ کو دی جاوے تو کیا اس طبیب پر یہ ضروری ہو گا کہ اس مریض کی فرمائش پر عمل کرے یا اس طبیب کا یہ فرض ہو گا کہ اس مریض کے مزاج اور مرض وغیرہ پر غور کر کے جو دوا مناسب ہو وہ تجویز کرے ظاہر ہے کہ اس طبیب پر مریض کی اس فرمائش کا پورا کرنا ضروری نہیں اسی طرح واعظ سے یہ درخواست کرنا کہ وعظ میں فلاں مضمون بیان کیا جاوے یہ ایسا ہے کہ جیسے طبیب کو رائے دینا کہ میرے لئے فلاں معجون تجویز کی جاوے پھر یہ کہ اگر میں اس فرمائش پر عمل کروں تو اس میں سامعین وعظ کی مصلحت کی رعایت نہ ہو گی بلکہ خود اپنی مصلحت کی رعایت ہو گی کہ صاحبو میرے متعلق ایسا گمان مت رکھو کیونکہ میں تو امام صاحب کا

معتقد ہوں تو اس میں تو میرا فائدہ ہو گا کہ لوگوں کا گمان میری طرف سے اچھا ہو جائے گا سامعین کا تو فائدہ نہ ہو گا حالانکہ وعظ سے مقصود سامعین کا نفع ہے۔ ہاں اگر سامعین امام ابو حنیفہ کے معتقد نہ ہوتے تو اس صورت میں البتہ اس فرمائش کی موافقت مناسب تھی سو سامعین تو امام صاحب کے اتنے معتقد ہیں کہ اس اعتقاد ہی کی وجہ سے ہم لوگوں سے بداعتقاد ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے گمان میں ہم لوگ امام صاحب کے معتقد نہیں تو ایسی صورت میں اس مضمون سے ان کو کیا نفع ہوا۔

(ملفوظ ۲۱۰) استخارہ خالی الذہن شخص کا مفید ہوتا ہے

فرمایا ایک صاحب کا خط آیا ہے ان میں اور ان کی بیوی میں اختلاف ہے اور نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ وہ اب اس کو اپنے پاس رکھنا بھی نہیں چاہتے گو ان کی بیوی بہت نیک ہے مگر انہوں نے لکھا ہے کہ تابعدار نہیں اب وہ متردد ہیں اور مجھ سے دریافت کیا ہے کہ آپ کی کیا رائے ہے میں اس کو رکھوں یا نہ رکھوں اور یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کیا مجھ کو استخارہ کرنا چاہئے۔ میں نے ان کو جواب دیا کہ اول تم خود اپنی بیوی سے دریافت کرو کہ اس کی کیا رائے ہے وہ بھی تمہارے پاس رہنا چاہتی ہے یا نہیں اور پھر جو کچھ وہ جواب دے اس سے مطلع کرو۔ طریق یہ ہے اور انہوں نے استخارہ کے متعلق دریافت کیا ہے تو بات یہ ہے کہ استخارہ اس شخص کا مفید ہوتا ہے جو خالی الذہن ہو ورنہ جو خیالات دماغ میں بھرے ہوتے ہیں ادھر ہی قلب مائل ہو جاتا ہے اور وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ یہ بات مجھ کو استخارہ سے معلوم ہوئی ہے حالانکہ خواب میں متخیلہ اس کے خیالات ہی نظر آتے ہیں اس لئے میں نے ان صاحب کو استخارہ کی رائے نہیں دی۔

(ملفوظ ۲۱۱) کرامات اولیاء اللہ

ایک بار اولیاء اللہ کی کرامات کا بیان فرمارہے تھے اسی میں یہ واقعہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہاں تھانہ بھون میں ایک صاحب تھے حافظ عبدالقادر جو ہمارے حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں رہا کرتے تھے وہ بیان کرتے تھے کہ جب حضرت مولانا شیخ محمد صاحب حج کو تشریف لے گئے تو ان کا جہاز تباہی میں آگیا اور کافی وقت تک گردش طوفان میں رہا محافظان جہاز نے بہت تدبیریں کیں کوئی کارگر نہ ہوئی آخر کار ناخدا نے پکار کر کہا کہ لوگو اب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگو یہ دعا کا وقت ہے تو مولانا شیخ محمد صاحب فرماتے تھے کہ میں اس وقت مراقب ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا ایک حالت طاری ہوئی اور معلوم ہوا کہ اس جہاز کے ایک گوشہ کو حاجی صاحب اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے اوپر کو اٹھائے ہوئے ہیں اٹھا کر پانی کے اوپر سیدھا کر دیا اور جہاز بخوبی چلنے لگا تمام لوگ بہت خوش ہوئے اور جہاز کی سلامتی کا چرچا ہوا۔ میں نے اس وقت اور دن اور تاریخ اور مہینہ کتاب پر لکھ لیا۔ جب تھانہ بھون واپسی ہوئی تو اس تحریر کو دیکھا اور دریافت کیا تو ایک خادم نے جو حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں حاضر تھے بیان کیا کہ بیشک فلاں وقت حاجی صاحب حجرہ سے باہر تشریف لائے اور اپنی لنگی بھیگی ہوئی مجھ کو دی اور فرمایا کہ اس کو دھو کر صاف کر لو اس لنگی میں دریائے شور کی بو اور چپکاہٹ معلوم ہوئی۔ اس حکایت کے بیان کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک بار مجلس میں یہی حکایت بیان کی تو ایک صاحب نے اسی مجلس میں کہا کہ ایسا واقعہ تو عقل کے خلاف ہے تو میں نے ان سے کہا کہ تمہاری عقل کے خلاف ہے یا ہماری عقل کے۔ اگر ہماری عقل مراد ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ ہماری عقل کے تو موافق ہے اور اگر تمہاری عقل مراد ہے تو اس کے حجت ہونے کی کیا دلیل لہٰذا جو عقلیات کے امام سمجھے جاتے ہیں یعنی حکماء میں ان کے اقوال سے ثابت کردوں گا کہ یہ واقعہ بالکل عقل کے

موافق ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ فلاسفہ نے بلا اختلاف دعویٰ کیا ہے کہ دو مستقیم حرکتوں کے درمیان سکون ضروری ہے تو اس بناء پر اگر ایک رائی کا دانہ نیچے سے اوپر کو چلا اور اس کے محاذ میں ایک پہاڑ کا ٹکڑا اوپر سے گرا تو اب اس رائی کے دانہ کو پہاڑ سے ٹکرانے کے وقت دوسری حرکت ہو گی یعنی اوپر سے نیچے کو تو چونکہ رائی کے دانہ کی یہ دونوں حرکتیں مستقیم ہیں اس لئے ان کے درمیان سکون لازمی ہے یعنی ان کے نزدیک جب رائی کا دانہ پہاڑ سے ملاقی ہوا رجعت قہقری کرے گا تو اس لوٹنے سے قبل اس دانہ کو لطیف سکون ہوا ہو گا اور جب رائی کے دانہ کو سکون ہوا تو ظاہر ہے کہ اس سکون کی مدت تک پہاڑ کی حرکت کو موقوف ماننا پڑے گا اور چونکہ رائی کا دانہ نیچے ہے اور پہاڑ اس کے اوپر اس لئے اس سے صاف لازم آویگا کہ اس کے معنے یہ ہوئے کہ رائی کے دانہ نے اتنے بڑے پہاڑ کو اٹھا لیا گو وہ اٹھانے کی قدرت اتنی قلیل ہو کہ محسوس نہ ہو سکے تو جب رائی کے دانہ نے ایک پہاڑ کے بوجھ کو اٹھا لیا حالانکہ رائی کے دانہ کو پہاڑ سے وہ نسبت بھی نہیں جو حضرت حاجی صاحب کے جسم مبارک کو جہاز سے ہے تو اگر حضرت حاجی صاحب نے جہاز کو اٹھا لیا تو کونسا محال لازم آیا پس خود حکماء کے قول سے ثابت ہو گیا کہ یہ واقعہ عقل کے مطابق ہے گو عوام اس کو خلاف عقل سمجھیں اور ایسی ہی بہت جزئیات ہیں جن کو عامی نظر میں خلاف عقل سمجھا جاتا ہے مگر بضرورت دلیل حکماء اس کے قائل ہیں سو کسی واقعہ پر محض استبعاد کے سبب خلاف عقل ہونے کا حکم لگا دینا کس قدر غلطی ہے۔ مثلاً حکماء کہتے ہیں کہ اگر تم ایک انگلی اپنی زمین پر مارو یا ایک چیونٹی زمین پر چلے تو اس سے ساری زمین میں زلزلہ پیدا ہو جائیگا گو محسوس نہ ہو اسی طرح اگر کنویں کی سطح میں جا کر ایک کٹورے میں پانی بھرا جائے اور دوسرے اتنے ہی بڑے کٹورے میں کسی منارے پر جا کر پانی بھرا جائے تو نیچے کے کٹورے میں پانی زیادہ اور اوپر کے کٹورے میں پانی کم آئیگا پھر فرمایا کہ خود فلاسفہ اور حکماء کو یہ ماننا پڑا ہے کہ بعضے امور جو دلیل سے ثابت ہیں وراء العقل ہیں اور اسی لئے ان کو ایک

ایسی قوت کا قائل ہونا پڑا ہے کہ جس سے نظریات بدیہیات ہو جاتے ہیں اور عقلیات مشاہدات اور اس قوت کا نام انہوں نے قوت قدسیہ رکھا ہے تو دوسرے تو کس شمار میں ہیں کہ ذرا سے استبعاد سے خلاف عقل ہونے کا حکم لگا دیا۔

(ملفوظ ۲۱۲) معاندانہ طرز اختیار کرنے سے مخاطب کو وحشت ہوتی ہے

ایک اہل علم حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں فلاں مدرسہ کے جلسہ میں شریک تھا وہاں پر مختلف لوگوں کی تقریریں ہوئی تھیں میری بھی تقریر تھی ایک صاحب اسی شہر میں دور دراز سے آئے ہوئے تھے ان کی بھی اسی جلسہ میں تقریر ہوئی انہوں نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کو اور علماء کو بہت برا بھلا کہا کہ سب قوموں میں اتفاق ہے مگر مسلمانوں میں اور علماء میں نہیں اور انہوں نے ہندوؤں کی بہت تعریف کی ان کی اس تقریر سے حاضرین جلسہ کی بہت دل شکنی ہوئی جب وہ تقریر کر چکے تو میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا کہ یہ صاحب جنہوں نے تقریر کی ہے ہمارے مہمان ہیں اور جو کچھ انہوں نے بیان کیا ہے اپنے نزدیک مسلمانوں کی خیر خواہی سے بیان کیا ہے اور ان کے طرز بیان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص معمولی بد پرہیزی کرے اور اس کو کوئی طبیب اس طرح کہے کہ تو نے بہت سخت بد پرہیزی کی ہے تو اس طرز سے اس طبیب کا مقصود اظہار واقعہ نہیں ہوتا بلکہ اس مریض کو زیادہ تنبیہ کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ اور زیادہ پرہیز اختیار کرے ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ موجودہ حالت میں بھی جتنا اتفاق مسلمانوں میں ہے اتنا کسی قوم میں نہیں اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ جو قوم ایک خدا کی قائل نہ ہو ان میں کیا اتفاق ہو سکتا ہے خواہ وہ عیسائی ہوں جو تثلیث کے قائل ہیں یا ہندو جو ہزاروں شرکاء کے قائل ہیں یا ان میں آریے ہوں جو تین قدیم بالذات

کے قائل ہیں اور علاوہ عقائد کے ہندوؤں کے تو مذہب میں یہ بات داخل ہے کہ باپ بیٹا ایک جگہ بیٹھ کر کھانا نہیں کھا سکتے اگر اتفاق ہے تو صرف مسلمانوں میں ہے چنانچہ میں نے اپنی تقریر میں کہا کہ خود ہمارے حضرت دام ظلہم العالی کا واقعہ ہے جو خود میرا مشاہدہ ہے کہ جب ایک صاحب نے حضرت کی خدمت میں ایک مولوی صاحب کا ذکر کیا کہ انہوں نے تو جناب کی ہمیشہ بڑی مخالفت کی تو بجائے ان کی شکایت کے یہ فرمایا کہ میں تو اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ شاید ان کی مخالفت کا منشا حب رسول ہو جس کی وجہ سے وہ اپنے اس فعل میں معذور ہوں اسی طرح مدرسہ دیوبند اتنا بڑا مدرسہ ہے کہ سارے ہندوستان میں اتنا بڑا کوئی مدرسہ نہیں مگر وہاں سے کبھی ایسے مضامین نہیں نکلتے جس کا سبب دوسرے مسلمانوں کیساتھ تعصب ہو میری اس تقریر کا لوگوں پر بہت اچھا اثر ہوا حتیٰ کہ وہ مقرر صاحب بھی بہت پشیمان ہوئے اور اقرار کیا کہ مجھ سے غلطی ہوئی جو میں نے ایسی تقریر کی۔ حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے اس واقعہ کو سن کر ارشاد فرمایا کہ آپ نے جو طرز جواب کا اختیار کیا یہی مناسب ہے معاندانہ طرز اختیار کرنے سے مخاطب کو اور وحشت ہو جاتی ہے اور وہ اس کو اپنی حقارت سمجھتا ہے اور بجائے اس کے کہ وہ اپنی غلطی تسلیم کرے اس کو عداوت اور اپنی غلطی پر اصرار ہو جاتا ہے لہذا جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو خطاب کے اندر لب و لہجہ نرم اختیار کرنا چاہئے البتہ بات جو کہے وہ صاف کہے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

نرم گو لیکن مگو غیر صواب

اب دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اصلاح کے طریقہ سے کون واقف ہو گا۔ مگر دیکھ لیجئے کہ حضور کو مخلوق پر اگرچہ وہ کفار ہی کیوں نہ ہوں کتنی شفقت تھی چنانچہ جب کفار نے حضور کو سخت ایذاء پہنچائی تو عرض کیا گیا کہ ان پر لعنت کیجئے اور بددعا کیجئے اور جبریل علیہ السلام پہاڑ کے فرشتہ کو لیکر نازل ہوئے تاکہ آپ سے اجازت لیکر وہ فرشتہ ان کفار کو ہلاک کر دے آپ

نے اس فرشتہ سے فرمایا نہیں مجھ کو امید ہے کہ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ تعالیٰ کا توحید کے ساتھ ذکر کریں- باقی معاندانہ طرز اختیار کرنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا ایسے ہی شخص کا کام ہے جو اپنے عیوب سے غافل ہو ورنہ اگر دو شخصوں کو پھانسی کا حکم ہو گیا ہو اور آخر کار ان میں سے ایک کو رہائی ہو جاوے تو کیا وہ دوسرے مبتلا پر غصہ کرے گا کہ تو نے ایسا جرم کیوں کیا تھا کہ جس کے سبب سے تجھ کو پھانسی کا حکم ہوا کیونکہ وہ خود ہی بال بال بچا ہے اور آئندہ کا حال معلوم نہیں چنانچہ فلاں مقام پر ایک مسلمان کو چند گوجروں نے قتل کر دیا تھا مقدمہ چلا اور وہ گوجر ہائی کورٹ سے رہا ہو گئے- رہائی کی خبر سن کر بڑی خوشیاں منائی ڈھول ڈھڑکا لیکر خوب گانے بجائے کہ اتنے ہی میں نظر ثانی کی درخواست گذری اور پھر پھانسی کا حکم آگیا اور پھانسی ہو گئی تو یہاں اپنی ہی حالت کی کیا خبر ہے کہ کل ہماری کیا حالت ہو گی جو دوسروں کو حقیر سمجھے اور تقویٰ طہارت تو الگ چیز ہے خود نفس ایمان بھی اپنے مستقل اختیار میں نہیں بس حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہم کو یہ دولت عطا فرما رکھی ہے لیکن وہ جسے چاہیں سلب کر سکتے ہیں چنانچہ ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے جن کا نام ابو عبداللہ تھا بغداد کے اندر ان کی وجہ سے تیس خانقاہیں آباد تھیں اور بڑے مشہور بزرگ تھے کہ وہ ایک بار مع اپنے مجمع کے چلے جا رہے تھے کسی گاؤں میں پہنچے سامنے ایک گرجا آیا جہاں عیسائی صلیب پرستی کر رہے تھے یہ اس گرجا کے پاس سے ہو کر گذرے پاس ہی ایک کنواں تھا اس پر کچھ عیسائی پانی بھر رہے تھے اس کنویں پر پہنچ کر ساتھیوں نے ان سے وضو کے لئے پانی مانگا اور وضو کر کے ان بزرگ کے لئے خدام پانی لیکر واپس ہوئے تو دیکھا کہ شیخ سر پکڑ کر بیٹھے ہوئے ہیں خدام نے پانی پیش کیا تو کہا کہ تم لوگ جاؤ اب میں تمہارے کام کا نہیں رہا خدام نے عرض کیا کہ حضرت کیا ہوا فرمایا کہ میں ایک عیسائی لڑکی پر عاشق ہو کر عیسائی ہو گیا لوگوں کو بہت صدمہ ہوا اور مایوس ہو کر چلے گئے جب ایک مدت کے بعد اتفاق سے اس مقام پر واپس ہوئے اور اس مقام پر پہنچ کر چاہا کہ

شیخ کو تلاش کیا جاوے کہ کس حال میں ہیں چنانچہ ان کو تلاش کیا تو دیکھا کہ عیسائیوں کا لباس پہنے ہوئے ہیں سامنے خنزیروں کی ایک بڑی قطار ہے ایک بڑی چھڑی ہاتھ میں ہے اور سوروں کو چرا رہے ہیں خدام نے ملاقات کی اور پوچھا کہ حضرت آپ کو کچھ قرآن شریف بھی یاد ہے فرمایا کہ ایک آیت یاد ہے وَمَنْ یَّتَبَدَّلِ الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیْلِ پوچھا کہ کوئی حدیث یاد ہے کہا کہ صرف ایک حدیث یاد ہے من بدل دینه فاقتلوه اور کچھ یاد نہیں حالانکہ ان بزرگ کو تیس ہزار احادیث یاد تھیں اور سبعہ کے حافظ تھے وہ لوگ ان کا یہ حال دیکھ کر بہت روئے اور خود وہ بزرگ بھی روئے حتیٰ کہ لکھا ہے کہ خنزیر تک روئے اس کے بعد جب وہ لوگ آگے بڑھے تو سامنے ایک نہر تھی جب نہر کے قریب پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی بزرگ نہر کی طرف سے غسل کئے ہوئے ایک سفید چادر تہمد مسلمانوں کا سا باندھے ہوئے آرہے ہیں جب پاس آئے تو کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ لوگوں کو بے حد خوشی ہوئی اس کے بعد ان بزرگ سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا واقعہ ہوا تھا تو ان بزرگ نے بیان فرمایا کہ جب اس گرجا کے پاس سے ہو کر میں گذرا اور ان عیسائیوں کو دیکھا تو میں نے ان کو بہت حقیر سمجھا فوراً الہام ہوا کہ اچھا کیا تم اپنے ایمان کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہو جو ان کو حقیر سمجھتے ہو اور اسی وقت دیکھا کہ میرے اندر سے ایک نور نکلا اور غائب ہو گیا اور میرے باطن میں ظلمت ہی ظلمت چھا گئی اس کے بعد ظاہری سامان یہ ہوا کہ وہاں کنوئیں پر ایک لڑکی عیسائی پانی بھر رہی تھی میں اس پر عاشق ہو گیا میں نے اس کو پیام دیا اس نے یہ شرط لگائی کہ ہمارے سور چراؤ میں اسی کے ساتھ رہتا تھا اب تمہاری ملاقات کے بعد میں نے عرض کیا کہ حضور اب تو بہت سزا مل گئی اب تو معاف کیا جاوے تو میں نے دیکھا کہ میرا وہی نور جو میرے اندر سے نکلا تھا پھر میرے اندر داخل ہو گیا اور مجھ کو اسلام کی توفیق ہو گئی۔ تو جب یہ حال ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس وقت جو ہماری حالت درست ہے وہ ہمارے مستقل اختیار

سے ہے- علاوہ اس کے یہ بھی تو سمجھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص بہت حسین ہو مگر وہ اپنے چہرے پر کالک مل لے تو کیا اس کا قدرتی حسن حقیقتہً زائل ہو جائیگا اسی طرح اگر کوئی شخص بد شکل ہو مگر وہ پوڈر مل لے تو کیا وہ حسین ہو جائیگا تو بعض لوگوں کا ایمان ایسا ہی ہوتا ہے جیسے پوڈر- اسی طرح بعض لوگوں کا کفر ایسا ہوتا ہے جیسے کالک کہ جب ذرا ہٹا اصل رونگ عود کر آیا اور اس کا ہٹ جانا اپنے مستقل اختیار میں نہیں- یہ حق تعالیٰ کے اختیار میں ہے تو پھر کیا زیبا ہے کہ آدمی اپنی حالت پر ناز کرے اور دوسروں کو حقیر سمجھے- میں تو کہا کرتا ہوں کہ جبر وقدر کے مسئلہ میں جو اہل سنت والجماعت سے دو فرقوں نے اختلاف کیا ہے اور ان میں سے بعض تو صرف جبر کے قائل ہوئے ہیں اور بعض صرف قدر کے- تو گویہ دونوں فرقے باطل ہیں۔ مگر ان میں زیادہ غلطی میں وہ لوگ ہیں جو قدر کے قائل ہوئے ہیں کیونکہ اگر غلطی سے کسی کو شبہ ہو سکتا ہے تو جبر کا تو ہو سکتا ہے اور قدر کا شبہ تو بالکل ہی حماقت ہے پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ میں نے یہ سارا مضمون اس وجہ سے بیان کیا ہے کہ میرے دوستوں میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ جن کی نصیحت کا لہجہ بہت سخت ہوتا ہے جیسے کہ اس شخص کا ہوتا ہے جو دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے ان کو تنبیہ بھی مقصود ہے۔

(ملفوظ ۲۱۴) قلب جاری ہونے کی حقیقت

فرمایا آجکل لوگ چونکہ فن تصوف کی حقیقت سے واقف نہیں اس لئے بعض ایسی چیزوں کو جو واقع میں کچھ نہیں بہت بڑا سمجھتے ہیں انہیں میں سے ایک کشف ہے کہ اس کو لوگ بڑی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کسی کی نظر اتنی قوی ہو جائے کہ اس کی شعاعیں دیوار کے پار چلی جاویں اور اس وجہ سے اس کو وہ چیز جو دیوار کے پرلی طرف ہے یہاں بیٹھے ہوئے نظر آجائے اور دیوار حجاب نہ رہے تو کیا یہ کوئی کمال اور بزرگی ہے کہ جو چیز سب

لوگ دیوار کے پرلی طرف جا کر دیکھ سکتے تھے وہ اس نے یہاں بیٹھے دیکھ لی یہ بات تو کافر تک کو بھی حاصل ہو سکتی ہے چنانچہ ایک امریکن عیسائن کا واقعہ اخبار میں لکھا تھا کہ اس کا یہ حال تھا کہ رات کے وقت اندھیرے میں بجائے روشنی کے وہ اپنے ہاتھ کو عبارت کے سامنے رکھ کر لکھ پڑھ لیتی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ہاتھ میں ایک قسم کی شعاع تھی جو دوسروں کے ہاتھوں میں نہیں تو کیا اس سے وہ بزرگ ہو گئی۔ اسی طرح منجملہ ان چیزوں کے قلب کا جاری ہونا ہے کہ لوگوں نے اس کا نام تو سن لیا ہے مگر اس کی حقیقت سے واقف نہیں چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے غالباً اپنی کتاب انفاس العارفین میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحب کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ حضرت میرا قلب جاری ہو گیا ہے آپ نے فرمایا کہ مبارک ہو جب وہ شخص چلا گیا تو شاہ صاحب نے اپنے مریدوں سے فرمایا کہ اس شخص کو خبط ہو گیا ہے۔ اس کو خفقان اور اختلاج ہونے لگا ہے اس کو یہ قلب کا جاری ہونا سمجھ رہا ہے پھر شاہ صاحب نے قلب کے جاری ہونے کی حقیقت بیان فرمائی کہ اس کی حقیقت ہے اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنا اور بس۔

(ملفوظ ۱۱۴) محققین کے وعظ کا اثر موت تک رہتا ہے

ایک بار ایک واعظ صاحب کا تذکرہ فرمایا کہ جو ذہین تو تھے مگر محقق نہ تھے ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا ان کے وعظ میں اثر تھا ارشاد فرمایا کہ بس مجلس وعظ تک اثر رہتا تھا اور محققین کا جو وعظ ہوتا ہے اس کا اثر موت تک رہتا ہے ایک شخص بیان کرتے تھے کہ میں نے مولانا مظفر حسین صاحب سے دریافت کیا کہ آپ بھی وعظ کہتے ہیں اور مولانا فلاں بھی وعظ کہتے ہیں مگر آپ کے وعظ میں تو پائدار اثر ہوتا ہے اور ان کے وعظ میں اثر ہوتا تو ہے مگر رہتا نہیں تو مولانا مظفر حسین صاحب نے جواب دیا کہ میں تو کوئی چیز نہیں مگر جب میں وعظ کہتا ہوں تو اول سے آخر تک میری یہ نیت ہوتی ہے کہ سب ایسے ہی

ہو جائیں جیسا میں چاہتا ہوں شاید اس میری نیت کا یہ اثر ہو اسی طرح مولانا اسماعیل صاحب شہید جب وعظ فرماتے تھے تو اثر کا یہ عالم تھا کہ بس ایک جملہ کہہ دیا کہ خدا سے ڈرو اس جملہ کا وہ اثر ہوتا تھا جو دس برس کے مجاہدہ اور وعظ کا ہوتا ہے ایک زنخہ تھا جو گاتا بجاتا تھا ہاتھوں میں چھلے پہنے ہوئے تھے اتفاقاً وعظ میں وہ بھی آگیا جامع مسجد دہلی کی سیڑھیوں پر وعظ ہو رہا تھا ایک بار مولانا نے اثناء بیان میں یہ فرمایا کہ لوگو خدا سے ڈرو بس اسی زنخہ پر ایک حالت طاری ہوئی تمام زنانے کپڑے پھاڑ ڈالے اور دوسرے کپڑے کسی سے لیکر پہنے چھلے اتار دیئے اب مہندی رہ گئی ہاتھوں میں بھلا اس کا رنگ ایک دم سے کیسے اترتا بس سیڑھیوں پر ہاتھ رگڑنے شروع کئے یہاں تک کہ لہو لہان ہو گیا مولانا نے منع بھی فرمایا کہ تم اس کے مکلّف نہیں ہو مگر وہ نہ مانتا تھا آخر کار جب کھال اتر گئی ہاتھوں کی اس وقت سکون ہوا۔ اس کے بعد وہ شخص مولانا کے قافلہ کے ساتھ شریک ہو گیا تھا اور غازیوں کی خدمت کیا کرتا تھا آخر کار جہاد میں وہ بھی شہید ہو گیا اسی طرح ایک بڑے میاں کا واقعہ ہے جو مولانا کے مخالف تھے ان سے ان کے پوتے نے دریافت کیا کہ کہاں جا رہے ہو کہنے لگے کہ مولانا اسماعیل صاحب کا وعظ سننے جا رہا ہوں کہا کہ تم کہتے ہو کہ وہ لوگوں کو گالیاں دیا کرتے ہیں وہ بڑے میاں کہنے لگے کہ یہ ٹھیک ہے مگر بھائی ان کی تو گالیوں میں بھی مزا آتا ہے۔

(ملفوظ ۲۱۵) قرآن و حدیث کے فہم پیدا کرنے کی ضرورت

ایک صاحب نے جو کہ ایک معزز طبقہ کے اور انگریزی کے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں اور صاحب علم و فضل ہیں دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص پختہ عمر ہونے کے بعد علوم درسیہ پڑھنا چاہے تو اس کا کیا مقصود ہونا چاہئے کیونکہ ابتدائی زمانہ چونکہ قُویٰ کی ترقی کا زمانہ ہوتا ہے اس لئے اس وقت تو یہ امید ہوتی ہے کہ پڑھنے کے بعد کوئی دینی خدمت کر سکیں گے لیکن پختگی سن کے بعد تو آئندہ زمانہ

کے متعلق اس قصد پر بھی عمل دشوار معلوم ہوتا ہے ارشاد فرمایا کہ یہ مقصود ہونا چاہئے کہ قرآن و حدیث کا فہم پیدا ہو جائے گا کیونکہ قرآن و حدیث کے اندر جو تدقیقات ہیں وہ بغیر مبادی کے سمجھ میں نہیں آتی ہیں اور مبادی بدون تحصیل درسیات کے سمجھ میں نہیں آسکتے تو قرآن و حدیث کے بہت سے دقائق بلا علوم درسیہ کے سمجھ میں نہیں آسکتے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے دو حصے ہیں ایک حصہ تو نفس احکام اور اس کے متعلق تذکرو تذکیر کا ہے وہ تو آسان ہے اور نصوص کے اندر جا بجا جو قرآن کو آسان فرمایا گیا ہے اس سے مراد یہی حصہ ہے چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ دوسری جگہ فرماتے ہیں فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا باقی رہا دوسرا حصہ جو استدلالات اور استنباطات کا ہے وہ دقیق ہے اب رہا یہ شبہ کہ جب قرآن و حدیث کا سمجھنا بلا علوم درسیہ کے دشوار ہے تو صحابہؓ نے قرآن و حدیث کو کیونکر سمجھا کیونکہ یہ علوم درسیہ اس زمانہ میں تو مدون نہ تھے نہ ان کی تحصیل معتاد تھی تو جواب اس کا یہ ہے کہ صحابہؓ کی طبائع سلیم تھیں اس لئے ان کو قرآن و حدیث کے اندر ایسے شبہات ہی پیدا نہ ہوتے اور مقاصد کے سمجھنے کے لئے ان کو مبادی کی تحصیل کی ضرورت ہی نہ ہوتی تھی اس لئے قرآن و حدیث کو بلا علوم درسیہ بخوبی سمجھ لیتے تھے بخلاف آج کل کے لوگوں کے کہ وہ قرآن و حدیث کو تو بلا علوم درسیہ کے کیا سمجھتے۔ معمولی معاملات و واقعات روز مرہ کے دقائق کا بھی بلا علوم درسیہ کے سمجھنا ان کو دشوار ہی ہو جاتا ہے چنانچہ میں اس کی تائید میں ایک تازہ واقعہ بیان کرتا ہوں کہ آپ کو تو معلوم ہے کہ جب میری سوانح لکھی جارہی تھی تو میں نے ہدایت کی تھی کہ اس سوانح میں میرے متعلق کشف و کرامت کا کوئی باب نہ تجویز کیا جاوے کیونکہ مجھ سے کوئی کشف و کرامت صادر ہی نہیں ہوئی اس پر بعض احباب نے کہا کہ مثلاً فلاں فلاں واقعات ایسے ہیں جو بسند صحیح ثابت ہیں اور اگر وہ دوسروں کے متعلق ہوتے تو ان کو ضرور کشف و کرامت کے اندر داخل سمجھا جاتا تو اگر

ان واقعات کو ہم کرامت کے باب میں درج کر دیں تو کیا حرج ہے میں نے کہا
کہ چونکہ ایسے واقعات کے اندر مجھ کو دوسرا بھی احتمال ہوتا ہے اس لئے میں
ایسے واقعات کو بھی کرامت کے عنوان سے درج کرانا نہیں چاہتا البتہ تمہارا دل
چاہے تو ایسے واقعات کو سوانح میں انعامات الہیہ کے عنوان کے تحت میں درج کر
سکتے ہو تو میرا یہ جواب ان کی سمجھ میں نہ آیا اور اس پر انہوں نے یہ شبہ پیش کیا
کہ کرامت بھی تو حق تعالیٰ کا انعام ہی ہوتی ہے پھر کرامت میں اور انعام میں کیا
فرق ہوا۔ لہذا ہماری درخواست ہے کہ ان واقعات کو کرامت ہی کے عنوان کے
تحت میں درج کرنے کی اجازت دی جائے تو پھر میں نے ان کو علوم درسیہ کے
قواعد کے ذریعہ سمجھایا اور یہ جواب دیا کہ ملزوم تو لازم کے لئے مستلزم ہوتا ہے
مگر لازم ملزوم کے لئے مستلزم نہیں ہوتا جیسے آگ تو حرارت کے وجود کو مستلزم
ہے مگر حرارت آگ کے وجود کو مستلزم نہیں پس ہر کرامت کا تو انعام ہونا لازم
ہے مگر ہر انعام کا کرامت ہونا لازم نہیں لہذا ہر انعام کو کرامت میں کیسے داخل
کر سکتے ہیں تب وہ خاموش ہوئے۔ اب میں بطور مثال کے ایک شبہ بیان کرتا
ہوں جو علو درسیہ سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے خود قرآن کی ایک آیت کے
متعلق ہوتا ہے وہ یہ کہ نویں پارہ میں ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا
لَّأَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ۔ اسی آیت میں کفار کی مذمت ہے جس کا
حاصل یہ ہے کہ علم خیر کے لئے اسماع لازم ہے اور اسماع کے لئے تولی لازم ہے
اور قاعدہ عقلیہ ہے کہ لازم کا لازم لازم ہوا کرتا ہے تو علم خیر کے لئے تولی
لازم ہوئی جس کا مطلب اس قاعدہ مذکورہ کی بناء پر یہ ہوا کہ اگر حق تعالیٰ کو
ان کفار کے متعلق خیر اور بھلائی کا علم ہوتا تو ان کفار سے تولی اور اعتراض کا
صدور ہوتا اور اس کا استحالہ ظاہر ہے کیونکہ اس سے حق تعالیٰ کے علم کا واقع
کے مطابق نہ ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے اب اس شبہ کا رفع کرنا اس شخص کے
لئے جو علوم درسیہ سے واقف نہ ہو بہت دشوار ہے اور جو علوم درسیہ پڑھ چکا ہو
اس کے لئے ایک اشارہ کافی ہے وہ یہ کہ یہ شبہ تو جب صحیح ہوتا کہ یہاں اسماع

حد اوسط ہوتا حالانکہ اسماع حد اوسط نہیں اس لئے کہ وہ مکرر نہیں کیونکہ پہلا اسماع اور ہے اور دوسرا اسماع اور ہے لہذا تولی کو جو لازم کا لازم سمجھا گیا اور اس بناء علم خیر کے لئے تولی کو لازم قرار دیا گیا خود یہی غلط ہوا پس حق تعالیٰ کے علم کے متعلق واقعہ کے غیر مطابق ہونے کا جو شبہ ہوا تھا وہ رفع ہو گیا اب آیت کا صحیح مطلب یہ ہوا کہ اگر حق تعالیٰ ان کے اندر کوئی خیر دیکھتے تو ان کو باسماع قبول سناتے مگر جبکہ حق تعالیٰ کے علم میں ان کے اندر کوئی خیر نہیں ہے ایسی حالت میں اگر ان کو نصیحت سنا دیں جو اسماع قبول نہ ہو گا کیونکہ یہ اسماع حالت عدم خیر میں ہو گا تو وہ لوگ اس کو ہرگز قبول نہ کریں گے بلکہ تولی اور اعراض کریں گے۔ اسی طرح قرآن کی آیت پر ایک دوسرا شبہ اور اس کا جواب یاد آیا اس کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ بلقان کے زمانہ میں جب ایڈریانوپل پر کفار کا قبضہ ہوا تو ہندوستان کے مسلمانوں کو بہت پریشانی ہوئی اور طرح طرح کے خیالات فاسدہ آنے لگے حتی کہ بعض کو تو نصوص پر کچھ شبہات بھی پیدا ہو گئے تھے یہ حالت دیکھ کر دہلی کے مسلمانوں نے ایک بڑا جلسہ کیا اور مجھ کو اس جلسہ کے اندر مدعو کیا اور صدر بنایا اور لوگوں کے عقائد کی اصلاح کی نیت سے مجھ سے وعظ کی درخواست کی چنانچہ میری اس جلسہ میں تقریر ہوئی جب وعظ ہو چکا تو باواز بلند میں نے کہا کہ اگر کسی کو کوئی شبہ ہو یا کسی کو کچھ دریافت کرنا ہو تو دریافت کر لے تاکہ بعد میں کوئی شخص یہ نہ کہے کہ مجھ کو یہ پوچھنا تھا اور نہ پوچھ سکا۔ یہ سن کر ایک ولایتی منتہی طالب علم کھڑے ہوئے یہ لوگ معقول زیادہ پڑھتے ہیں قرائن سے معلوم ہوتا تھا کہ معقولی ہیں کہنے لگے کہ قرآن شریف میں وعدہ ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ مگر باوجود اس کے پھر ایڈریانوپل پر کفار کا قبضہ ہو گیا تو اس کی کیا وجہ میں نے کہا کہ مولانا یہ تو بتلایئے کہ موجہات میں سے یہ کونسا قضیہ ہے بس میرے اس کہنے پر ہی وہ خاموش ہو کر بیٹھ گئے پھر میں نے ہی خود ان سے کہا کہ آپ کو جو یہ شبہ ہوا کہ یہ قضیہ ضروریہ یا دائمہ ہے تو اس کی کیا دلیل ہے

ممکن ہے کہ مطابقہ عامہ ہو جس کا ایک بار بھی وقوع کافی ہوتا ہے جو ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو گیا اس کے بعد پھر کوئی شخص نہیں کھڑا ہوا۔ تو دیکھئے چونکہ یہ طالب علم علوم درسیہ پڑھے ہوئے تھے اور مبادی ان کے ذہن میں تھے اس لئے میرے ایک لفظ سے ان کا شبہ حل ہو گیا۔ اسی طرح ایک اور مولوی صاحب کو قرآن شریف کی ایک آیت کے متعلق شبہ تھا وہ یہ کہ آٹھویں پارہ میں ارشاد ہے سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ کَذٰلِکَ کَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ ھَلْ عِنْدَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْہُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ اس آیت میں حق تعالیٰ نے اول کفار مشرکین کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ اگر حق تعالیٰ یہ چاہتے کہ ہم سے شرک کا وقوع نہ ہو تو ہم شرک نہ کرتے (مگر جب ہم سے شرک کا وقوع ہوا تو معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ ہی نے چاہا ہے کہ ہم سے شرک ہو تو پھر ہم پر کیوں ملامت کی جاتی ہے کیونکہ ہم نے وہ کام کیا ہے جو حق تعالیٰ کا چاہا ہوا تھا) پھر اس مقولہ کے نقل فرمانے کے بعد حق تعالیٰ نے کَذٰلِکَ سے تَخْرُصُوْنَ تک کفار کے اس مقولہ کا رد فرمایا ہے اور ساتویں پارہ میں ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکُوْا یعنی حق تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب فرماتے ہیں کہ ان مشرکین کی حالت پر اتنا رنج و غم نہ کیجئے کیونکہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں ہماری مشیت سے کر رہے ہیں اگر ہم چاہتے کہ یہ شرک نہ کریں تو یہ شرک نہ کرتے تو آٹھویں پارہ میں جو آیت ہے وہاں تو شرک کے متعلق مشیت کی نفی فرمائی ہے اور اس دوسری آیت میں اس مشیت کا اثبات فرما رہے ہیں تو ان دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے وہ مولوی صاحب مجھ سے اس کے جواب کے طالب ہوئے اب وہ لوگ جو بلا علوم درسیہ پڑھے ہوئے محض ترجمہ قرآن کو بطور خود دیکھ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم نے قرآن کو سمجھ لیا ذرا اس شبہ کا تو جواب دیں میں نے یہ جواب دیا کہ دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ تعارض تو جب ہوتا کہ جس مشیت کی ایک جگہ

نفی کی گئی ہے اسی مشیت کا دوسری جگہ اثبات کیا جاتا حالانکہ ایسا نہیں تفصیل اس کی یہ ہے کہ مشیت کی دو قسمیں ہیں ایک مشیت تشریعی جس کا دوسرا نام رضا ہے اور دوسرے مشیت تکوینی جس کا نام ارادہ ہے تو آٹھویں پارہ میں جس مشیت کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد مشیت تشریعی یعنی رضا ہے اور دوسری جگہ آیت میں جو مشیت کا اثبات کیا گیا ہے اس سے مراد مشیت تکوینی یعنی ارادہ ہے کیونکہ پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے کفار کا عقیدہ بیان فرمایا ہے تو کفار اپنے سے شرک کے متعلق مشیت تشریعی یعنی حق تعالیٰ کی رضا کے معتقد تھے اور دوسری آیت میں ایک عقیدہ شرعیہ بیان فرما کر حق تعالیٰ حضور کی تسلی فرماتے ہیں اور وہ عقیدہ شرعیہ یہی ہے کہ عالم میں جس سے بھی کفر و شرک کا وقوع ہو رہا ہے وہ حق تعالیٰ کے علم و ارادہ سے ہو رہا ہے گو مشیت تشریعی نہ ہو۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے حاضرین سے فرمایا کہ ان ہی دقائق کو دیکھ کر محققین نے لکھا ہے کہ قرآن کے سمجھنے کے لئے چودہ علوم میں تبحر ہونے کی ضرورت ہے میں تو غیر متبحر کو اگرچہ وہ درسیات سے فارغ مولوی ہی کیوں نہ ہو لوگوں کے سامنے ترجمہ قرآن بیان کرنے کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

(ملفوظ ۲۱۶) پابندی اصول کا نام سختی نہیں

فرمایا لوگ میرے متعلق خیال کرتے ہیں کہ میں لوگوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتا ہوں تو اول تو یہ غلط ہے دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ میں اگر دوسروں کیساتھ سختی کرتا ہوں تو اپنے اوپر بھی تو سختی کرتا ہوں مثلاً میں جو ہدایا کے منی آرڈر واپس کر دیتا ہوں تو یہ اپنے اوپر ہی تو سختی ہوئی چنانچہ آج ایک شخص کا جن سے پرانی بے تکلفی ہے اور مخلص ہیں ان کا ہدیہ واپس کر دیا اور محض اتنی بات پر کہ ان کا جو خط آیا ہے اس میں انہوں نے ایک دوسرے شخص کا ایک مہمل پیغام لکھا ہے اس کے بعد لکھا ہے کہ اتنے روپیہ ہدیۃً پیش ہیں میں نے لکھا ہے کہ تم نے اس ہدیہ کے متعلق اس مہمل مضمون

کے بعد لکھا ہے جو دوسرے شخص کا ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ ہدیہ اس درخواست کے عوض ہے اس لئے آپ کا ہدیہ واپس ہے اور اصل یہ ہے کہ نہ میں اپنے اوپر سخت ہوں نہ دوسروں کے اوپر سختی کرتا ہوں بلکہ خود بھی اصول صحیحہ کا اتباع کرتا ہوں اور دوسروں سے بھی ان اصول کا اتباع کرانا چاہتا ہوں مگر آج کل لوگوں نے اصول کی پابندی کا نام سختی رکھ لیا ہے۔

(ملفوظ ۲۱۷) بعض حالات اور علوم بالواسطہ ہوتے ہیں

فرمایا ایک چاٹگامی مولوی صاحب تھے جن کی اصلاح کا مجھ سے تعلق تھا اور وہ ذاکر شاغل تھے ان کو ابتداء ہی میں حالات رفیعہ پیش آنا شروع ہو گئے انہوں نے ان حالات کا دوسروں پر اظہار شروع کر دیا تو چونکہ مبتدی کو ایسے حالات کا اپنے مربی کے سوا دوسروں پر اظہار کرنا مضر ہوتا ہے کیونکہ اس کا انجام دعویٰ ہو جاتا ہے اس لئے میں ان پر ناراض ہوا اور کہا کہ اب دیکھ لینا کہ یہ حالات تمہارے باقی رہتے ہیں چنانچہ یہی ہوا کہ اسی وقت سب حالات سلب ہو گئے بات یہ ہے کہ بعض حالات و علوم بواسطہ حاصل ہوتے ہیں اور یہ شخص ان کو بلاواسطہ اپنا کمال سمجھتا ہے اس کے وبال میں اس کو ابتلاء ہو جاتا ہے اس پر ایک واعظ صاحب کا قصہ بیان کیا کہ وہ وعظ کہہ رہے تھے ایک بزرگ اس مجلس میں وعظ سن رہے تھے اور ان واعظ صاحب کی طرف متوجہ تھے اس وقت وعظ میں بہت عمدہ عمدہ مضامین بیان میں آرہے تھے کہ واعظ صاحب کو خیال ہوا کہ آج تو میں کیسے عالی مضامین بیان کر رہا ہوں واعظ کو یہ خیال آتے ہی وہ بزرگ دوسری طرف متوجہ ہو گئے ان بزرگ کی توجہ کا ہٹنا تھا کہ ان مضامین عالیہ کی آمد بالکل بند ہو گئی ہر چند چاہا کہ کوئی عمدہ مضمون ذہن میں آئے مگر نہ آیا۔ بات یہ تھی کہ وہ ان بزرگ کی توجہ کی برکت تھی جب توجہ ہٹالی آمد بند ہو گئی اسی وجہ سے محققین نے لکھا ہے کہ طالب کو جو کچھ احوال پیش آئیں ان کو اپنے مربی کی برکت سمجھے اپنا کمال نہ سمجھے اور اس کو تو اس زعم کی کیا گنجائش ہی خود شیخ اور

مربی کو بھی اپنے علوم و کمالات کا دعویٰ جائز نہیں بلکہ اس کو بھی چاہئے کہ اس کے قلب میں جو کچھ علوم و معارف القا ہوں ان کا سبب طالبین کو سمجھے چونکہ طالبین کی تربیت اس کے سپرد ہے اس لئے ان کو نفع پہنچانے کے لئے اس کے قلب میں ان علوم کا القاء ہو رہا ہے حتی کہ اگر یہ مربی تربیت ترک کر دے تو پھر وہ فیضان جو اس کے قلب پر ہو رہا ہے بند ہو جائے گا بالکل ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک بچہ ہے وہ ماں کے دودھ سے پرورش پا رہا ہے اگر اس کو ماں کا دودھ نہ ملے تو اس کی زندگی مشکل ہے اس لئے تو اس کے ذمہ ہے کہ ماں کا احسان مانے مگر ساتھ ہی اس کے ماں کا دودھ جو ہے وہ بھی بچے ہی کے سبب سے اتر رہا ہے اگر وہ بچے کو دودھ پلانا چھوڑ دے تو پھر اس کا دودھ خشک ہو جائے اس لئے بچہ کو چاہئے کہ وہ اپنی حیات کو ماں کی برکت سمجھے اور ماں کو چاہئے کہ وہ اپنے دودھ کو اس بچہ کے سبب سے سمجھے۔

(ملفوظ ۲۱۸) دعا کی خاصیت

فرمایا بعض لوگ شکایت کیا کرتے کہ یہ تو معلوم ہے کہ دعا مانگنا ضروری ہے مگر جب ہم دعا مانگتے ہیں تو ہمارا دعاء میں جی نہیں لگتا اس لئے یہ لوگ دعا نہیں مانگتے سو وجہ اس شکایت کی یہ ہے کہ لوگوں کو دعاء کی خاصیت معلوم نہیں دعا کی خاصیت یہ ہے کہ اگر کثرت سے مانگی جاوے تو اس میں جی لگنے لگتا ہے اور یہی حکمت ہے اس میں کہ دعاؤں کو تین تین بار کہنے کو سنت فرمایا گیا ہے اور اس سے زیادہ ہو تو زیادہ نافع ہے اس پر ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حدیث میں جو دعا اللھم اکفناھم بماشئت وارد ہوئی ہے اس کو کتنی مرتبہ پڑھا جاوے فرمایا کہ اس کی اہمیت پر نظر کر کے بعد ہر نماز کے کم از کم ستر بار تو پڑھے۔

(ملفوظ ۲۱۹) نص کے سامنے قیاس جائز نہیں

فرمایا یہ دین ایسی چیز ہے کہ اگر آدمی اس کی تعلیمات پر عمل کرے تو اس کی دنیا بھی دین کے ساتھ درست ہو جائے چنانچہ درسیات کے اندر جو اصول و جزئیات بیان کی گئی ہیں وہ جیسے دین کے لئے ضروری ہیں اسی طرح دنیاوی امور میں بھی مفید ہیں چنانچہ ایک اصول فقہ ہی کو لے لیجئے اس میں ایک قاعدہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نص کے آگے قیاس جائز نہیں اب اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر کوئی شخص جو ہم سے مرتبہ میں بڑا ہو ہم کو کسی بات کا حکم دے تو گو وہ ہماری سمجھ میں نہ آئے اور ہم کو وہ خلاف مصلحت معلوم ہو مگر ہم کو چاہئے کہ اس قاعدہ کی رو سے نص کے آگے قیاس کو دخل نہ دیں یعنی اس کے جائز حکم کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل نہ کریں اب جو شخص اس اصول پر عمل پیرا ہو گا تو جیسے وہ خدا اور رسول کے حکم کے مقابلہ میں اپنی عقل کو دخل نہ دے گا اسی طرح اپنے دنیوی بزرگوں کی اطاعت بھی وہ پورے طور پر کرے گا جس سے اس کا دین تو درست ہو گا ہی دنیا بھی درست ہو جائے گی۔

(ملفوظ ۲۲۰) جادو کا اثر نظر بندی تک محدود ہے

فرمایا کہ یہ تو مسلم ہے کہ جادو میں حق تعالیٰ نے اثر رکھا ہے مگر اب اس میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ اثر کیا ہے آیا جادو کے ذریعہ سے کسی چیز کے عین کی تبدیلی بھی ہو سکتی ہے یا صرف نظر بندی ہی تک جادو کا اثر محدود ہے تو جو لوگ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ تبدیل عین نہیں ہوتی صرف نظر بندی ہوتی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ساحران فرعون کے متعلق فرمایا ہے فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ جس میں نظر بندی کو بڑا جادو فرمایا گیا سو اگر تبدیل عین سحر سے ممکن ہوتا تو سحر عظیم وہ ہوتا اور جو لوگ سحر سے تبدیل عین کے قائل ہیں وہ یہ جواب

دیتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ساحران فرعون کے اس سحر کو عظیم ہی تو فرمایا ہے ممکن ہے کہ اس سے بھی کوئی اعظم ہو اور وہ تبدیل عین ہے تو اس کے عظیم ہونے سے اعظم کی کیسے نفی ہوئی۔

(ملفوظ ۲۲۱) بعض متاخرین متقدمین سے زیادہ کامل ہوتے ہیں

فرمایا آج صبح میں بیٹھا ہوا تھا یکایک حدیث النفس کے درجہ میں یہ کلمات جاری ہو گئے کہ اگر کسی نے مولانا محمد یعقوب صاحب کو نہ دیکھا ہو تو وہ مجھ کو دیکھ لے پھر مجھ کو خیال ہوا کہ توبہ توبہ میں یہ کیا کہہ رہا ہوں اور خیر یہ بات تو غیر اختیاری طور پر ہو گئی تھی مگر اتنی بات میں اب بھی کہتا ہوں کہ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ نہ معلوم پہلے بزرگ کیسے ہوں گے افسوس ہے کہ ہم نے ان کو نہ دیکھا تو ان کو چاہئے کہ زندہ بزرگوں کو جو کہ ان گذشتہ بزرگوں کے متبع ہیں دیکھ لے۔ اور ان زندہ بزرگوں کے اتباع کو پہلے بزرگوں کا ہی اتباع سمجھے اور اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ گو زندہ بزرگ پہلے بزرگوں کے متبع ہوں مگر ان میں وہ بات کہاں جو پہلے بزرگوں میں تھی تو جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم ہر جگہ لگا دینا صحیح نہیں بلکہ بعض متاخرین متقدمین سے زیادہ کامل ہوئے ہیں یہ واقعہ ہے چنانچہ ہمارے حضرات رازی اور غزالی سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ بعض امور میں ان سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔

(ملفوظ ۲۲۲) مقبولات الٰہی کو فنا کا درجہ کامل حاصل ہوتا ہے

فرمایا مسلم کی حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے اے ابن آدم میں بیمار ہوا تھا تو تو نے میری عیادت نہیں کی بندہ عرض کرے گا کہ اے میرے رب میں کیونکر آپ کی عیادت کرتا (یعنی اس

عیادت کا تحقق ہو سکتا ہے) آپ تو رب العالمین ہیں (بیمار کیسے ہوئے) ارشاد ہو گا کیا مجھ کو معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اور تو نے اس کی عیادت نہیں کی کیا تجھ کو معلوم نہیں اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھ کو اس کے پاس پاتا۔ اس کے بعد مذکور ہے کہ اسی طرح ارشاد ہو گا اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا تو تو نے مجھ کو کھانا نہیں کھلایا اے ابن ادم میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو تو نے مجھ کو پانی نہیں پلایا اور اسی طرح بندہ عرض کرے گا جیسا عیادت کے متعلق گذرا انتہی۔

تو اب یہاں پر یہ سوال ہوتا ہے کہ بیمار ہونا اور کھانا پینا تو بندوں کے حالات تھے ان کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف کیوں منسوب کیا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ مقبولان الٰہی کو فناء کا درجہ کامل حاصل ہوتا ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اس درجہ میں ان کے افعال و احوال کو اپنی طرف منسوب کیا اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کی ہستی میں اور حق تعالیٰ کی ہستی میں ایسا قوی تعلق ہے کہ ان کے افعال و احوال کو اپنے افعال و احوال فرما دیا اور یہی حاصل ہے صحیح وحدۃ الوجود کا اب وہ لوگ آئیں جو وحدۃ الوجود کے قائل ہیں مگر ان کے پاس اس دعویٰ کی کوئی دلیل نہیں اور آکر مجھ کو انعام دیں کہ میں نے وحدۃ الوجود کو حدیث سے ثابت کر دیا کیونکہ مسئلہ صحیح وحدۃ الوجود یہی ہے جو اس حدیث سے معلوم ہوا اب اس سے آگے بڑھنا غلو ہے۔

(ملفوظ ۳۲۳) حقیقی زندگی

فرمایا لوگوں میں آج کل پختگی نہیں۔ پختگی اسے کہتے ہیں کہ مولانا شاہ اسحاق صاحب کا واقعہ اپنے بزرگوں سے سنا کہ جب گورنمنٹ انگریزی کا تسلط ہوا تو شاہ صاحب کا جو وظیفہ مقرر تھا وہ جاری کیا گیا۔ اور جب وہ وظیفہ شاہ صاحب کی خدمت میں آیا تو عمال نے عرض کیا کہ حضرت یہ حکم ہوا ہے کہ رسید پر انگریزی تاریخ درج ہونا چاہئے شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں انگریزی تاریخ نہ

لکھوں گا اگرچہ وظیفہ بند ہو جائے چنانچہ شاہ صاحب نے انگریزی تاریخ نہ لکھی اور رسید کو واپس کر دیا آخر کار عملہ والوں کو ہی دبنا پڑا اور افسر نے یہ حکم دیا کہ شاہ صاحب سے کچھ مت کہو اور جب شاہ صاحب کے پاس سے رسید میں اسلامی تاریخ لکھی آیا کرے تو تم اس کے مطابق انگریزی تاریخ رسید پر لکھ دیا کرو۔

اسی طرح شاہ صاحب کا ایک دوسرا واقعہ اپنے ایک بزرگ سے سنا ہے کہ آپ کے یہاں ایک مہمان آئے تو آپ نے مردانہ میں ان کے قیام کا سب انتظام کیا اور ان کے بیت الخلاء کا یہ انتظام کیا کہ ایک کونڈا پاخانہ میں رکھوا دیا اور ان مہمان سے فرمایا کہ آپ اس کونڈے کے اندر قضائے حاجت کیجئے کیونکہ مہتر سے صرف اپنا کمانہ ٹھہرا ہے مہمان کا نہیں ٹھہرا اس کے پیسے جداگانہ اس کی رضا سے دیں گے۔

اسی طرح مولانا مظفر حسین صاحب کے ساتھ شاہ صاحب کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار وہ شاہ صاحب کے یہاں طلب علمی کرنے گئے جب کھانا آیا تو مولانا نے سالن نہیں کھایا برتن واپس گئے تو گھر والوں نے دیکھا کہ سالن نہیں کھایا تو شاہ صاحب سے عرض کیا کہ یہ کیسے مہمان آئے ہیں نک چڑھے کہ سالن کو چھوا تک نہیں شاہ صاحب نے باہر آکر مولانا مظفر حسین صاحب سے دریافت کیا تو مولانا نے فرمایا کہ چونکہ یہاں سالن میں عموماً آم کی کھٹائی پڑتی ہے اور آم کی فصل عام طور پر بیع باطل کے طور پر فروخت ہوتی ہے اس لئے میں کھٹائی نہیں کھاتا ہوں شاہ صاحب یہ جواب سن کر اندر تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ ارے تمہارے یہاں تو یہ شخص فرشتہ آیا ہے شکر کرو اور فرمایا کہ آج سے ہم بھی کھٹائی کھانا ترک کرتے ہیں اسی سلسلہ میں مولانا مظفر حسین صاحب کی ایک دوسری حکایت بیان کی کہ ایک بار آپ دہلی سے کرایہ کی بھلی میں سوار ہو کر کاندھلہ تشریف لائے۔ بزرگوں کی عادت ہوتی ہے کہ ہر شخص سے اس کے مذاق کے موافق گفتگو کیا کرتے ہیں اس بھلی والے سے بھی بھلی ہی کے متعلق کچھ پوچھنے لگے کہ بیل کہاں سے خریدے کتنے کو خریدے وغیرہ

وغیرہ اسی سلسلہ میں گاڑی بان سے معلوم ہو گیا کہ یہ بھلی ایک رنڈی کی ہے اب مولانا کا دقیق تقوی دیکھئے کہ فوراً نہ اترے تاکہ تقوی کا ظہار نہ ہو۔ اور فرمایا کہ بھلی کو روک لینا مجھے پیشاب کی ضرورت ہے اس نے بھلی روک لی آپ نے اتر کر پیشاب کیا اور اس کے ساتھ استنجاء سکھاتے چلے مگر کہاں تک چلے آخر ڈھیلا پھینک دیا اس نے کہا بیٹھ جائے۔ فرمایا بیٹھے بیٹھے ٹانگیں شل ہو گئی ہیں ذرا دور پیدل چلنا چاہتا ہوں تھوڑی دور چل کر اس نے پھر عرض کیا مگر مولانا نے پھر کوئی عذر کر دیا اور نہیں بیٹھے اس کے تھوڑی دیر بعد گاڑی والے نے پھر کہا مولانا نے پھر ٹالدیا اب وہ سمجھ گیا اور کہا کہ مولانا میں سمجھ گیا چونکہ یہ رنڈی کی گاڑی ہے اس لئے آپ اس میں نہیں بیٹھنا چاہتے تو پھر گاڑی کو لیجانے سے کیا فائدہ مجھ کو حکم دیجئے میں لوٹ جاؤں فرمایا کہ ہاں واقعہ تو یہی ہے مگر تم کو کاندہلہ چلنا ہو گا کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی اس کے پاس کرایہ کے لئے آیا ہو مگر اس نے میری وجہ سے انکار کر دیا ہو تو اس کا خواہ مخواہ نقصان ہو گا چنانچہ کاندہلہ تک اسی طرح مولانا اس بھلی کو اپنے ساتھ لائے اور خود پیدل چلے اور اس گاڑی میں نہ بیٹھے مگر ہر منزل پر بیلوں کو گڑ اور گھی اور گھاس دانہ کا ویسا ہی انتظام کیا اور مکان پر آکر اس کو کرایہ دیکر واپس کیا اسی طرح ایک اور حکایت مولانا مظفر حسین صاحب کی بیان کی جس سے ان کا رسوخ فی التواضع معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار مولانا چلے جارہے تھے راستہ میں مولانا کے بھیجے ملے جو گھوڑے پر سوار تھے انہوں نے مولانا کو دیکھا تو گھوڑے پر سے اتر پڑے اور عرض کیا کہ حضرت آپ گھوڑے پر تشریف رکھیں میں پیدل چلوں گا مولانا نے عذر کیا مگر انہوں نے نہ مانا اور اصرار کیا تو مولانا گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ایک ایڑ لگائی جب بھیجے کی نظر سے غائب ہو گئے تو مولانا گھوڑے سے اترے اور جس راستہ کو وہ بھیجے آرہے اس کے کنارہ ایک درخت سے گھوڑے کو باندھ کر آگے چل دئے جب پیچھے سے وہ بھیجے پہنچے تو دیکھا کہ گھوڑا درخت سے بند ہوا ہے اور مولانا غائب ہیں آخر کار مجبور ہو کر گھوڑے پر سوار ہوئے اور روانہ ہو گئے استقلال اور پختگی پر

فرمایا کہ اس تقوے کی بدولت حق تعالیٰ نے ایک برکت یہ بھی مولانا کو عطا فرمائی تھی کہ اگر بلا قصد بھی کوئی مشتبہ کھانا مولانا کھا لیتے تو معدہ اس کو قبول نہ کرتا بلکہ خودبخود قے ہو جاتی تھی۔

ایک صاحب نے خود اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ جھنجانہ میں ایک شخص نے مولانا کی دعوت کی وہ صاحب اسکول میں ملازم تھے مولانا نے احتیاطاً ان سے فرما دیا کہ بھائی دعوت سے کسی تکلیف کا تو اندیشہ نہیں عرض کیا کہ نہیں حضرت میں نے سب امور کا لحاظ رکھا ہے جب مولانا کھانا کھا چکے تو باہر دہلیز تک پہنچے تھے کہ متلی ہوئی اور فوراً قے کر دی بعد تحقیق معلوم ہوا کہ اور تو سب چیزیں مول کی تھیں مگر گائے جس کا دودھ استعمال کیا گیا تھا اس کے لئے جو گھاس لائی گئی تھی وہ کسی شخص کے کھیت کی مینڈ پر کی تھی جس میں دو چار پتی اس کھیت کی آ گئی تھی حق تعالیٰ نے مولانا کے معدہ کو ایسی پہچان عطا فرمائی تھی کہ بس حلال خالص کے سوا دوسری چیز کو قبول نہیں کرتا تھا۔ انہی مولانا مظفر حسین صاحب کا اس وقت مجھ کو ایک مقولہ یاد آیا جو ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ حاجی صاحب آج کل کے بزرگوں میں سے نہیں بلکہ بزرگان سلف جیسے جنید و شبلی ان میں سے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں مولانا ظفر حسین صاحب معمر تھے اور ہمارے حضرت حاجی صاحب کا شباب تھا مگر ہمارے حضرت حاجی صاحب کی ایسی شان تھی کہ شروع سے ہی اکابر آپ کے فضل و کمال کے قائل تھے۔

(ملفوظ ۲۲۴) قرآن پاک میں تین اصل مسائل کا بیان

فرمایا شاہ اسحاق صاحب بڑے محقق تھے۔ مگر جوابات آپ کے مختصر ہوتے تھے کہ اگر ان کی شرح نہ کی جائے تو سمجھنا دشوار تھا۔ چنانچہ ایک بار سبق میں وہ حدیث آئی جس کے اندر سورہ قل ھو اللہ کو ثلث قرآن کی برابر فرمایا گیا ہے تو ایک طالب علم نے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص صرف قل ھو اللہ کو تین

بار پڑھ لے تو کیا اس کو ایک قرآن کا ثواب مل جائے گا تو شاہ صاحب نے جواب دیا کہ اس سے یہ تو لازم نہیں آتا البتہ یہ لازم آتا ہے کہ اس نے تین ثلث پڑھ لئے بس اتنا جواب دیا اب اگر اس کی شرح نہ کی جاوے تو سمجھ میں نہیں آسکتا لہذا میں اس کی شرح کرتا ہوں وہ یہ کہ قاعدہ ہے کہ ہر چیز کا وجود موقوف ہوتا ہے اس چیز کی ہیئت ترکیبیہ پر اور ہیئت ترکیبیہ کا وجود موقوف ہوتا ہے اس پر کہ اس چیز کے جو اجزاء ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مرکب ہو جائیں مثلاً ایک چیز ہے اس کے تین ٹکڑے برابر برابر کے کئے جاویں تو جب تک کہ ان تینوں ٹکڑوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع نہ کیا جاوے گا اس وقت تک اس چیز کی نہ ہیئت ترکیبیہ پائی جاوے گی اور نہ اس چیز کا وجود ہو گا مثلاً ہم ایک عصا کے تین حصے کر لیں تو وہ عصا نہ ہو گا۔ بس اسی طرح قل ہو اللہ قرآن کا ایک ثلث ہے یعنی اس کے تین اجزاء میں سے ایک جز ہے تو جب تک کہ اس کے ساتھ قرآن کے بقیہ دو جز مجتمع نہ ہوں اس وقت تک صرف قل ہو اللہ کی تین بار تلاوت سے نہ قرآن کی ہیئت ترکیبیہ پائی جاوے گی نہ پورے قرآن کی تلاوت ثابت ہو گی اب اس کی ایک نظیر بھی بیان کرتا ہوں کہ پارہ عم یتساء لون قرآن کا تیسواں جز ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صرف پارہ عم یتساء لون کی تیس بار تلاوت کر لینے سے پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب مل جائے۔

یہ تو اجمال ہے اب اس کی تفصیل رہ گئی سو میں نے اس کو امام رازی کی تفسیر کبیر سے اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ قرآن میں تین مسئلہ اصل ہیں ایک توحید دوسرے رسالت تیسرے معاد تو قل ہو اللہ کے اندر توحید کا بیان اس درجہ بلیغ ہے کہ قرآن کی بقیہ وہ آیتیں کہ جو توحید کے بیان پر مشتمل ہیں ان سب کے قائم مقام قل ھو اللہ ہو گئی ہے پس قل ھو اللہ کے تین بار پڑھنے سے صرف اس حصہ کا تکرار ہو گیا جو توحید پر مشتمل ہے اور ظاہر ہے کہ یہ پورے قرآن کی تلاوت نہیں۔

(ملفوظ ۲۲۵) اکبر الہ آبادی مرحوم کے اکثر اشعار حکمت پر مشتمل ہیں

ایک صاحب نے سید اکبر حسین صاحب جج مرحوم کا تذکرہ کیا فرمایا کہ جی ہاں وہ بڑے متین آدمی تھے اور اچھے شاعر تھے ان کے اکثر اشعار حکمت پر مشتمل ہیں اور ایک عجیب بات یہ ہے کہ جن لوگوں کے ان اشعار کے اندر معائب بیان ہوتے ہیں خود وہی لوگ ان اشعار کو مزے لے لیکر پڑھتے ہیں میرے ساتھ بہت محبت کرتے تھے اور ان کے میرے تعلقات کی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک صاحب مولوی یعقوب تھے سید صاحب ان سے ایک زمانہ میں عربی پڑھا کرتے تھے اور گو سید اکبر حسین صاحب نے عربی زیادہ نہ پڑھی تھی مگر چونکہ ذہین آدمی تھے اس لئے اچھی قابلیت پیدا ہو گئی تھی بلکہ وہ تو یوں کہا کرتے تھے کہ انگریزی کے اندر جو قابلیت مجھ کو حاصل ہوئی ہے اس کی وجہ بھی تعلیم عربی ہی ہے ایک بار میں الہ آباد گیا ہوا تھا مولوی یعقوب میرے پاس آئے اور کہا کہ آج میں سید صاحب کو سبق پڑھا رہا تھا انہوں نے قرآن کی ایک آیت پر ایسا شبہ پیش کیا کہ جس کا مجھ سے جواب نہیں بن پڑا میں نے کہا کہ وہ شبہ کیا ہے کہنے لگے کہ قرآن میں آیا ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اور اس کی قوم کی زبان ایک ہوتی ہے اور حضور کی ہمزبان صرف قوم عرب تھی تو معلوم ہوا کہ حضور کی قوم صرف اہل عرب تھے پس اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کی بعثت صرف قوم عرب کی طرف تھی عام نہ تھی اور ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی بعثت عام تھی تو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو رہا ہے میں نے کہا کہ کچھ بھی تعارض نہیں کیونکہ قرآن میں تو یہ آیا ہے وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ یہ تو نہیں فرمایا بلسان امۃ

اور لفظ قوم ایک عربی لفظ ہے اس کے معنے برادری اور خاندان کے ہیں بلسان قومہ سے صرف اتنا ثابت ہوا کہ حضور کی برادری جو تھی وہ اہل عرب تھی عجمی آپ کی برادری نہ تھے مگر اس سے دوسری قوموں کے امتی ہونے کی کیسے نفی ہو گئی اور دوسری آیت میں سب کے امتی ہونے کا اثبات ہے پہلی آیت میں ایک بات کا ذکر ہے اور دوسری میں دوسری بات کا تو دونوں آیتوں میں تعارض کہاں ہوا۔ تب ان مولوی صاحب کو اطمینان ہوا اور جا کر انہوں نے سید صاحب سے یہ جواب نقل کیا تو سید صاحب اس جواب کو سن کر بہت خوش ہوئے اور دریافت کیا کہ یہ جواب کس نے دیا ہے انہوں نے میرا نام لیا تو فوراً گاڑی میں سوار ہو کر میرے پاس آئے اور بہت دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اس کے بعد سے سید صاحب برابر شبہات مجھ سے بیان کیا کرتے اور میں جواب دیا کرتا تھا جس سے ان کو شفا ہوتی تھی ایک واقعہ ان کے انتقال کے بعد کا یاد آیا کہ ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے نے ان کا دیوان مرتب کرنا چاہا تو ان کے دو شعر میرے پاس بھیجے اور لکھا کہ ان اشعار کو میں نے ہندوستان کے بڑے بڑے شعراء کے پاس بھیجا کہ اس کی شرح کرو مگر کوئی بھی ان اشعار کی شرح پر قادر نہ ہو سکا بلکہ یہ جواب دیا کہ یہ اشعار مہمل ہیں میں نے ان کو لکھا کہ اگر یہ شعر اور کسی کے ہوتے تو میں بھی ان کو مہمل کہتا مگر سید صاحب کو میں جانتا ہوں کہ وہ ایسے نہ تھے کہ مہمل شعر کہتے لہٰذا ان کا کلام مہمل نہیں ہو سکتا اس کے بعد میں نے ان اشعار کی شرح لکھ کر ان کو بھیج دی سنا ہے کہ اس شرح کو بے حد پسند کیا گیا اور بعینہ وہ شرح انہوں نے شائع کر دی۔

(ملفوظ ۲۲۶) فرح باطنی کے موسم

فرمایا اگر کسی کو بھادوں میں بخار آجائے اور وہ دوا کرے اور پھر آجائے تو کیا دوا پھر نہ کرے گا اور کیا مایوس ہو جاوے گا تو جیسے ظاہری موسم ہیں اسی طرح باطنی موسم بھی ہیں تو اگر مثلاً کبھی نماز میں جی نہ لگے یا اور کوئی تغیر ہو تو

پریشانی کی کیا وجہ وہ موسم کے آثار ہیں اور بشرطیکہ وہ تغیر خلاف شرع نہ ہو اور اگر وہ تغیر خلاف شرع بھی ہو تب بھی استغفار کرے یہی علاج ہے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں موسمی تغیرات تو ہوا ہی کرتے ہیں اب یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اندر کوئی تغیر نہ ہو یکساں حالت رہے سو یہ شان تو حق تعالیٰ ہی کی ہے وہاں کوئی تغیر نہیں ہوتا باقی مخلوق کے اندر تو تغیر ہو ہی گا لیکن یہ باتیں مبتدی کے سامنے کرنے کی نہیں اس کے لئے مضر ہیں کیونکہ وہ کوشش چھوڑ دے گا اور ہر تغیر کو موسمی سمجھنے لگے گا مگر میں تو توکل پر یہ باتیں عام مجلس میں بھی کہہ دیتا ہوں کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ ہمتیں آج کل بہت ضعیف ہیں طالب کا دل بڑھانے کی ضرورت ہے۔

(ملفوظ ۲۲۷) ایک حکایت سے عربی وانگریزی والوں کے دماغ کا فرق

فرمایا ایک بار میں میرٹھ میں تھا میرے پاس ایک پھانسی دئے ہوئے شخص کی لاش لائی گئی کہ اس کی جنازہ کی نماز پڑھا دو میں نے دریافت کیا پھانسی کیوں ہوئی کہا ایک شخص کو اس نے گولی سے قتل کیا تھا اس محلہ میں ایک مجسٹریٹ بھی رہتے تھے انہوں نے اس مقتول کے مرنے سے پہلے جا کر اس مقتول کا بیان بھی لے لیا تھا اس مقتول نے بیان کیا کہ مجھ کو فلاں شخص نے قتل کیا ہے اس مقتول کے بیان پر اس کو پھانسی دی گئی میں نے کہا کہ صرف مقتول کے بیان پر پھانسی دینا یہ تو سمجھ میں نہیں آتا اس وقت متعدد وکلاء و بیرسٹر جمع تھے کہنے لگے کہ صاحب اس کی شہادت کے قبول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے آخر وقت میں جھوٹ نہیں بول سکتا میں نے کہا اگر یہ صحیح ہے تو پھر جس کو پھانسی دی گئی اس کا بیان بھی قبل پھانسی لینا چاہئے کہ تو نے اس کو قتل کیا ہے یا نہیں اگر وہ قتل کرنے سے انکار کرے تو پھر اس بناء پر اس کے اس

بیان پر اس کو پھانسی نہ ہونا چاہئے تھی اس کا جواب کسی سے کچھ نہیں ہو سکتا۔
پھر میں نے کہا کہ اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب اس کو یہ یقین ہے کہ اگر میں نے ایسا بیان دیدیا تو مجھ کو پھانسی نہ دی جائے گی اور میں بچ جاؤں گا تو پھر وہ وقت اس کا آخری وقت کہاں سے ہو گا اس وجہ سے اس کے بیان کو کافی نہیں سمجھا گیا اس حکایت سے انگریزی اور عربی والوں کے دماغ کا فرق معلوم ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۲۲۸) صرف الفاظ کافی نہیں

ایک صاحب حوادث مثلاً بیماری وغیرہ سے پریشان تھے ایک دوسرے صاحب نے ان کے متعلق فرمایا کہ پریشان کیوں ہو۔ بس یہ مذاق رکھئے جیسا کہ غالب نے کہا ہے کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔ حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ لفاظ بول دینا تو بہت آسان ہے مگر وقت پر اس سے کام نہیں چلتا بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ دل میں اتر جائے دل میں رچ جائے اور یہ بس کی بات نہیں (پھر آگے اس کے میسر ہونے کا طریقہ ارشاد فرمایا کہ) یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے اللہ ہی سے مانگنا چاہئے اور پھر اگر دل میں رچ جائے تو اس پر بھی ناز نہ کرے کیونکہ اگر وہ چاہئیں تو سب سلب کر لیں۔

(ملفوظ ۲۲۹) اپنے شیخ کے سامنے معصیت کا اظہار کس صورت میں جائز نہیں

فرمایا بعض حضرات نے کہا ہے کہ اپنے معاصی کا اظہار اپنے مربی پر بھی جائز نہیں اور بعض نے کہا ہے کہ جیسے مستور بدن کا طبیب کو بضرورت علاج دکھلانا جائز ہے اسی طرح اپنے مربی پر اپنے معاصی کا اظہار بھی جائز ہے مگر میرے نزدیک اس میں تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر اس معصیت کا علاج صرف اس معصیت کے داعیہ اور جذبہ کے اظہار سے نہ ہو سکے بلکہ اس کا علاج اس پر

موقوف نہ ہو کہ خود اس معصیت کو ظاہر کیا جائے تب تو اس صورت میں اس معصیت کا اظہار اپنے مربی پر جائز ہے جیسے کہ میں بعض مرتبہ دریافت کیا کرتا ہوں کہ معلوم ہوتا ہے تمہارے اندر کبر ہے اور اگر اس معصیت کا علاج اس کے دواعی اور جذبات کی اطلاع سے ہو جائے کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے تو پھر خود اس معصیت کا اظہار جائز نہیں کیونکہ اس اظہار کی ضرورت نہیں جیسے کہ طبیب کو بھی مستور بدن کا دکھلانا اسی صورت میں جائز ہے کہ بغیر دکھلائے اس کا علاج نہ ہو سکے۔

(ملفوظ ۲۳۰) کیفیت اعمال سے پیدا ہوتی ہے

فرمایا کہ جو کیفیت اعمال سے پیدا ہوتی ہے وہ کسی کے تصرف سے سلب نہیں ہو سکتی۔

(ملفوظ ۲۳۱) شیخ کے پاس رہنے کا سب سے بڑا عمل

فرمایا کہ شیخ کے پاس رہ کر سب سے بڑا عمل یہ ہے کہ شیخ کے دل پر اپنی طرف سے میل نہ آنے دے اور اگر یہ کسی سے نہ ہو سکے تو پھر ایسا شخص شیخ کے پاس رہے نہیں۔ چنانچہ میں جب حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا وہاں بعضے کام ایسے بھی ہوئے جو میرے مذاق کے خلاف تھے مگر چونکہ شریعت کے خلاف کوئی کام نہ تھا اس لئے میں نہایت خوشی کے ساتھ ان کاموں میں شریک ہوا تاکہ حضرت کے دل پر اختلاف سے میل نہ آئے اور بعض لوگ حاجی صاحب کی خدمت میں ایسے بھی تھے جو اس کی پروانہ کرتے تھے اور حضرت کے خلاف مرضی کام کرتے تھے یہ مناسب نہیں۔

(ملفوظ ۲۳۲) سابقہ خط منگوانے میں حکمت

فرمایا یہ جو میرا معمول ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے حالات کا خط بھیجے تو اگر اس نے کوئی خط اس سے پہلے بھی میرے پاس بھیجا ہے تو ان پہلے خطوں میں

ہے جو سب سے بعد کا خط ہو وہ بھی ساتھ منگاتا ہوں سو اس کے اندر دو مصلحتیں ہیں ایک تو یہ کہ شاید کسی گذشتہ حالت کے معلوم کرنے کی ضرورت ہو دوسری مصلحت یہ کہ مجھ کو معلوم ہو جائے کہ اس شخص سے میرا تعلق کیسا ہے اور یہ شخص اصلاح کے کس درجہ تک پہنچا ہوا ہے۔

(ملفوظ ۲۳۳) محبت حق تعالیٰ شانہ کی علت تامہ اعمال صالحہ ہیں

فرمایا محض ذکر و شغل سے اصلی محبت پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس کی علت تامہ اعمال صالحہ ہیں بشرطیکہ وہ اعمال خلوص کے ساتھ کئے جاویں باقی نرے ذکر و شغل سے صرف ایک خیالی عارضی شورش پیدا ہوتی ہے جو تھوڑے دنوں بعد رفع ہو جاتی ہے چنانچہ ایسی ہی کیفیت کے زوال کا احساس کر کے ایک مولوی صاحب نے مولانا شاہ فضل الرحمٰن صاحب سے ذکر میں پہلی سی لذت محسوس نہ ہونے کی شکایت کی تو مولانا نے فرمایا کہ مولوی صاحب تم نے سنا نہیں کہ پرانی جورو اماں ہو جاتی ہے ہم نے خود دیکھا ہے کہ ذاکر و شاغل ہیں مگر باوجود اس کے ان کی حالت تباہ ہے کیونکہ اس سے اصلاح کامل اور رسوخ کیفیت پیدا نہ ہوا تھا۔ اور نرے ذکر و شغل سے اصلاح ہو بھی کیسے سکتی ہے اس لئے کہ ہر رذیلہ کا علاج جداگانہ ہے اگر ایک رذیلہ بھی باقی رہے گا تو راستہ اس وقت تک بند ہے بلکہ ذکر سے بعض مرتبہ فاسد الاستعداد کا مرض بڑھ جاتا ہے کیونکہ پہلے تو وہ اپنے آپ کو جاہل سمجھتا تھا پھر علم پڑھ کر اپنے کو عالم سمجھنے لگا مگر خیر اب تک اپنے کو طریقت سے ناواقف سمجھتا تھا مگر جب ذکر و شغل کیا تو اپنے آپ کو بزرگ بھی سمجھنے لگا تو اس طرح ذکر سے بعض مرتبہ عجب پیدا ہو جاتا ہے جس کا علاج ذکر و شغل کے علاوہ دوسرے مجاہدہ سے کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت شبلیؒ کا ایک قصہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت شبلی کے ایک خادم کو عجب پیدا ہو

گیا جو مانع مقصود ہو گیا اس کی شکایت پر آپ نے ایک ٹوکرا اخروٹوں کا دیکر یہ علاج تجویز فرمایا کہ تم اپنے معتقدین کے محلہ میں جا کر اعلان کرو کہ جو شخص میرے ایک دھول مارے گا میں اس کو ایک اخروٹ دوں گا اسی طرح یہ سب اخروٹ ختم کر دو آگے لانبا قصہ ہے پھر اس کے بعد حضرت ابو سعید گنگوہی کی حکایت بیان فرمائی کہ جب انہوں نے ذکر و شغل شروع کیا تو ان کے شیخ حضرت مولانا نظام الدین بلخیؒ کو محسوس ہوا کہ حضرت ابو سعیدؒ کے اندر عجب پیدا ہو گیا ہے تو انہوں نے حضرت ابو سعیدؒ سے ذکر و شغل چھوڑا دیا اور بجائے ذکر و شغل کے شکاری کتوں کی خدمت سپرد کی۔ اسی طرح اور بہت سے قصے بزرگوں کے ہیں۔

(ملفوظ ۲۳۴) اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت متلازم ہیں

فرمایا خدا تعالیٰ کی محبت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت متلازم ہیں اللہ کی محبت عین محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور محبت رسول عین محبت خدائے تعالیٰ کی ہے باقی الوان محبت کے مختلف ہوتے ہیں بعضے الوان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو صورۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا غلبہ کہا جا سکتا ہے اور بعض الوان کو صورۃً حق تعالیٰ کی محبت کا غلبہ کہا جا سکتا ہے اس کے مناسب حضرت حاجی صاحب کا ارشاد نقل فرمایا کہ کسی نے لعل سے پوچھا کہ تجھ کو آفتاب سے زیادہ محبت ہے یا اپنے سے لعل نے کہا کہ اس کا کیا جواب دوں اگر کہوں کہ اپنے سے زیادہ محبت ہے تو وہ محبت اسی وجہ سے تو ہو گی کہ میں لعل ہوں اور لعل ہوا ہوں آفتاب کی وجہ سے تو حقیقت میں وہ آفتاب ہی کی محبت ہوئی اور اگر کہتا ہوں کہ آفتاب سے زیادہ محبت ہے تو وہ محبت اس وجہ سے ہے کہ اس نے مجھ کو لعل بنا دیا تو وہ حقیقت میں اپنے ہی سے محبت ہوئی۔

(ملفوظ ۲۳۵) تربیت کا ایک انداز

فرمایا اس طریق کا ایک یہ بھی ادب ہے کہ شیخ بعض مرتبہ قصداً مرید کی خواہش کے خلاف کرتا ہے یہ بھی مرید کی تربیت ہے اور اس میں مرید کی طلب کا امتحان ہوتا ہے پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ایک قصہ بیان فرمایا کہ ایک شیخ تھے بڑے صاحب تصرف ان سے ایک شخص آکر مرید ہوا اور درخواست کی کہ میرے اندر بھی تصرف کیجئے تاکہ خود بخود میری اصلاح ہو جائے اور مجھ کو کچھ نہ کرنا پڑے اور شیخ یہ چاہتے تھے کہ اول یہ خود محنت کرے اس لئے اس کی خواہش کی موافقت نہیں فرمائی جب شیخ نے اس کا کہنا نہ مانا تو اس کو شبہ ہوا کہ شاید تصرف کی شہرت ان کے متعلق غلط تھی یہ صاحب تصرف نہیں شیخ کو اس کے اس شبہ پر اطلاع ہو گئی تو شیخ نے اس کے شبہ کا اس طرح جواب دیا کہ ایک برتن میں رنگ بھر کر اور ایک پچکاری لیکر سر راہ ایک مسجد کے دروازہ میں بیٹھ گئے اور جو شخص ان کے سامنے گذرتا اس پر پچکاری بھر کر رنگ چھوڑ دیتے تو جس کافر پر بھی وہ رنگ پڑتا تھا وہی کلمہ پڑھنے لگتا تھا جب یہ سب کچھ کر لیا تو اپنے اس مرید سے فرمایا کہ دیکھا حق تعالیٰ نے مجھ کو تصرف کی ایسی قوت عطا فرمائی ہے مگر باوجود اس کے تجھ کو جو کچھ ملے گا وہ چکی ہی پیس کر ملے گا۔

(ملفوظ ۲۳۶) اصلاحی خط میں صرف ایک مضمون ہونا چاہئیے

ایک صاحب نے اوراد اور اصلاح اخلاق دونوں کے متعلق ایک ہی خط میں سوالات کئے حضرت والا نے جواب دیا کہ ایک خط میں دو مضمون نہیں لکھنا چاہئے اور اس کے مصالح بھی بیان کئے۔

(ملفوظ ۲۳۷) زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے

خط کے مضمون میں اختصار کا ذکر تھا فرمایا زیادہ اختصار بھی روکھا پن ہے

جس کو اپنا بڑا سمجھے اس کے خطاب میں بہت تنگ عبارت نہ اختیار کرے۔

(ملفوظ ۲۳۸) انسان ہر وقت اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے

فرمایا انسان ہر وقت حضرت حق کا محتاج ہے اللہ تعالیٰ اس عقیدہ کو حال بنا دے اور اگر سوچتا رہے تو حال بھی ہو جاتا ہے۔

(ملفوظ ۲۳۹) بزرگوں کی میراث سے کچھ چیزیں ملتی ہیں

فرمایا بزرگوں کی میراث میں کچھ چیزیں ملتی ہیں مجھ کو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے میراث میں باتیں ملی ہیں میں بات بہت کرتا ہوں مگر وہ لوگوں کے لئے نافع ہوتی ہیں چنانچہ بحمداللہ مواعظ سے لوگوں کو بیحد نفع ہوا سو یہ باتیں ہی تو ہیں۔

(ملفوظ ۲۴۰) اہل دین کی وقعت نہ رکھنے والے سے عارضی خوش اخلاقی جائز نہیں

فرمایا جس شخص کے دل میں باوجود دعویٰ دین کے دین اور اہل دین کی وقعت نہ ہو اس کے ساتھ عرفی خوش اخلاقی برتنے کو میں ناجائز سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے اس کا دین اور بگڑتا ہے۔

(ملفوظ ۲۴۱) لوگوں میں اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں

فرمایا جس شخص سے اپنی اصلاح میں کوتاہی ہوتی ہو کم از کم اس کو یہ تو چاہئے کہ وہ اپنی کوتاہی کا مشاہدہ کرے اور شکستہ ہو کر رہے بڑوں کی طرح نہ رہے بلکہ بروں کی طرح رہے اور اس میں بھی فقط دل میں برا سمجھنا کافی نہیں بلکہ اپنے ساتھ بروں کا سا برتاؤ بھی کرنا چاہئے اصل یہ ہے کہ لوگوں میں اپنی اصلاح کا اہتمام نہیں میری تو یہ رائے ہے کہ ہزار میں صرف دو تین ہی طالب اصلاح ہوتے ہیں ورنہ کوئی کسی چیز کا طالب ہوتا ہے کوئی کسی کا۔

(ملفوظ ۲۴۲) اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ حسن ظن کی ضرورت

ایک صاحب کو حضرت والا نے ان کے کسی مضمون کے جواب میں تحریر فرمایا کہ تم کو مجھ سے اتنی مناسبت تو ہے کہ تم سے مجھ کو ایذا نہ پہنچے۔ انہوں نے اس کا یہ مطلب لیا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والا مجھ سے ناراض ہیں تب ہی تو یہ تحریر فرمایا حضرت والا نے اس پر ان کو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تم کو جو کچھ لکھا کروں وہ سوچ سوچ کر لکھا کروں کہ کہیں تم اس کا مطلب یہ نہ لے لو وہ نہ لے لو۔ پھر ارشاد فرمایا کہ مجھ کو اس وقت اس واقعہ سے کہ ان کے سوء ظن سے میں ناراض ہو گیا بہت فائدہ ہوا حق تعالیٰ نے اس سے ایک علم عظیم عطا فرمایا وہ یہ کہ بندہ کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمیشہ حسن ظن ہی رکھے اگرچہ وہ حسن ظن جھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ جب وہ حق تعالیٰ سے حسن ظن رکھے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جائے گی جو حسن ظن کا اثر ہے۔ پس جب اس کو حق تعالیٰ سے محبت پیدا ہو جائے گی تو حق تعالیٰ بھی اس سے محبت فرمائیں گے۔ ایک بار ایک ایسا ہی مضمون اور ارشاد فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ جب بندہ کے اوپر حق تعالیٰ کے ہر قسم کے احسانات ہیں اور پھر بھی بندہ حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا گمان نیک نہ رکھے بلکہ یہی خیال کرتا رہے کہ حق تعالیٰ مجھ سے ناراض ہیں تو یہ کتنا برا خیال ہے۔

(ملفوظ ۲۴۳) تصرف میں بھی قصد ضروری ہے

فرمایا تصرف میں قصد بھی ضروری ہے اور علم بھی اور کرامت میں قصد تو ہوتا ہی نہیں باقی علم بھی ضروری نہیں۔ اب لوگوں نے بزرگوں کے تصرفات کو بھی ان کی کرامتوں میں ٹھونس دیا ہے حالانکہ تصرف اور چیز ہے اور کرامت اور چیز۔

(ملفوظ ۴۴ ۲) مومنین کی شفاعت اپنے جان پہچان والوں کیلئے ہو گی

فرمایا یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ اول حضور شفاعت فرمائیں گے جس پر حق تعالیٰ کا حکم ہو گا کہ جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو اس کو دوزخ سے نکال لو۔ اس کے بعد مومنین کو شفاعت کی اجازت ہو گی وہ شفاعت کریں گے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کی شفاعت سے جب خروج ہو چکے گا اس کے بعد مومنین کی شفاعت سے خروج ہو گا تاکہ اشکال لازم آوے کہ جب عصاۃ کا خروج آپ کی شفاعت سے ہو چکے گا پھر مومنین کی شفاعت سے کس کا خروج ہو گا بلکہ یہ مطلب ہے کہ جب دونوں شفاعتیں ہو چکیں گی اس کے بعد دونوں شفاعتوں سے خروج ہو گا دوزخ سے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بعد جو دوسرے مومنین کو شفاعت کی اجازت ہو گی اس کی وجہ دوسرے مومنین کے شرف کا اظہار ہے اور حدیثوں میں اشارہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تو سب کے لئے ہو گی اور دوسرے مومنین کی شفاعت اپنے جان پہچان والوں کے لئے ہو گی۔

(ملفوظ ۲۴۵) بغرض ملازمت ڈاکٹری معائنہ کیسا ہے

ایک صاحب نے استفتاء کیا کہ میرے لئے بجز ملازمت سرکاری اور کوئی صورت معاش کی نہیں اور ملازمت سرکاری بغیر ڈاکٹر معائنہ کے ہو نہیں سکتی اور ڈاکٹری معائنہ میں بالکل برہنہ ہونا پڑتا ہے اور میں منتخب ہو چکا ہوں اس ملازمت کے لئے صرف ڈاکٹری معائنہ کی رکاوٹ باقی ہے تو کیا اس مجبوری میں ڈاکٹری معائنہ جائز ہے یا نہیں جواب تحریر فرمایا کہ جائز سمجھنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ ناجائز سمجھا جاوے اور کرا لیا جاوے اس کے بعد توبہ کر لی جاوے۔ پھر فرمایا کہ ایسے جواب کی یہ بھی وجہ ہے کہ اب کیا معلوم کہ واقعی اس کے سوا اور

تمام ذرائع آمدنی کے ان کے لئے مفقود ہیں یا نہیں کیونکہ گھاس تو کھود سکتے ہیں کسی مسجد میں موذنی تو کر سکتے ہیں البتہ تنعم چاہتے ہوں تو دوسری بات ہے پھر ضرورت کے تحقق پر بھی اگر میں یہ لکھ دیتا کہ جائز ہے تو جرات بڑھ جاتی نہ معلوم کہاں تک نوبت پہنچتی میرے اس جواب میں اہل علم کے لئے بڑا سبق ہے کہ وہ ایسے خیالات کی رعایت رکھا کریں۔

(ملفوظ ۲۴۶) سکندر رومی کا قصہ

فرمایا حضرت نظامیؒ نے سکندر رومی کا قصہ لکھا ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ آب حیات کو گیا اور یہ بھی لکھا ہے ؎

مرا خضر تعلیم گر بود دوش
بہ رازے کہ باشد پذیرائے گوش

یعنی یہ قصہ مجھ کو خضر علیہ السلام نے تعلیم فرمایا حالانکہ یہ قصہ غلط ہے کیونکہ جو سکندر آب حیات کو گئے تھے وہ سکندر رومی نہ تھے بلکہ سکندر ذوالقرنین تھے سکندر رومی کے تو اسلام میں بھی شبہ ہے اور سکندر ذوالقرنین کے پیغمبر ہونے میں شبہ ہے تو حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے مکاشفات کے وقت پورے طور پر افاقہ نہیں ہوتا بلکہ ایک قسم کی غیبت ہوتی ہے اس وجہ سے سمجھنے میں بہت غلطی ہو جاتی ہے۔

(ملفوظ ۲۴۷) طبعی کدورت کا رفع کرنا شیخ کے اختیار سے باہر ہے

فرمایا اگر مرید سے کوئی معصیت سرزد ہو جائے تو اس کے سبب شیخ سے فیض ہونا بند نہیں ہوتا۔ اور اگر شیخ کیساتھ بے ادبی کرے تو فیض بند ہو جاتا ہے تو وجہ اس کی یہ ہے کہ شیخ سے فیض ہونے سے جو مانع ہے وہ کدورت ہے شیخ کی مگر معصیت سے جو کدورت شیخ کے دل میں پیدا ہو گی وہ عقلی کدورت ہو

گی اور عقلی کدورت کا رفع کرنا شیخ کے اختیار میں ہے تو اگر افادہ کی غرض سے وہ اس کی کدورت کو رفع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے اور بے ادبی سے جو کدورت ہو گی وہ طبعی ہو گی اور طبعی کدورت کا رفع کرنا اپنے اختیار سے باہر ہے ۔ لہذا اس سے فیض بند ہو جاتا ہے۔

(ملفوظ ۲۴۸) مغفرت کیلئے حق تعالیٰ بہانہ ڈھونڈتے ہیں

ایک اہل علم رونے لگے کہ نہ معلوم میرا خاتمہ کیسا ہو گا۔ فرمایا میں مستقبل پر قسم تو کھاتا نہیں مگر اس کو بقسم کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بخشنے کے لئے تو بہانہ ڈھونڈتے ہیں اور عذاب کے لئے نہیں ڈھونڈتے ان کا کیا کام پڑا کسی کو عذاب دینے پر فرماتے ہیں مایفعل اللّٰه بعذابکم الایہ اور اس میں شکر اور ایمان کا کوئی خاص درجہ بیان نہیں کیا لہذا اگر ادنی درجہ بھی ایمان اور شکر کا ہو گا تو وہ بھی مغفرت کے لئے کافی ہے۔

(ملفوظ ۲۴۹) حکمت کی بات

فرمایا ایک صاحب نے بڑی حکمت کی بات کہی آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ اگر بچہ کسی چیز کو مانگے تو یا تو اس کی درخواست اول ہی وہلہ میں پوری کر دے اور یا اگر پہلی بار میں انکار کر دیا تو پھر خواہ بچہ کتنا ہی اصرار کرے ہرگز اس کی ضد پوری نہ کرے ورنہ آئندہ اس کو یہی عادت پڑ جائے گی۔

(ملفوظ ۲۵۰) الہام کے صحت کی ایک علامت

فرمایا خواب میں خیال کو زیادہ دخل ہوتا ہے اور الہام میں خیال کو زیادہ دخل نہیں ہوتا مگر اس کی صحت کے لئے صرف یہی کافی نہیں بلکہ اس کی صحت کی علامت یہ ہے کہ خلاف شریعت نہ ہو نیز اس کی صحت کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ صاحب الہام صاحب نور ہوتا ہے اس کو الہام میں ایک نورانیت محسوس ہوتی ہے جس کو وہی سمجھ سکتا ہے نیز الہام میں ایک طبعی بشاشت و فرحت

الشراح معلوم ہوتا ہے۔

(ملفوظ ۲۵۱) حضرت گنگوہی کی زیارت پر اظہار تشکر

حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ درسیات کے پڑھنے اور پڑھانے اور مجاہدہ اور ریاضت ان سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ایسے حضرات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ان حضرات کو دیکھنے سے یہ سمجھ میں آگیا کہ اسلام کیا چیز ہے۔

(ملفوظ ۲۵۲) العبرۃ بعموم الالفاظ میں ایک ضروری شرط

مولانا سہول صاحب نے کچھ سوالات علمی فرمائے حضرت والا نے اس سلسلہ میں فرمایا کہ اصول فقہ کا جو یہ مسئلہ ہے کہ العبرۃ العموم الالفاظ لالخصوص المورد۔ اس میں میرے نزدیک اتنی قید اور ضروری ہے کہ وہ عموم مراد متکلم سے متجاوز نہ ہو۔ دلیل اس کی وہ واقعہ ہے جو حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ سفر میں ہے اور بے ہوش پڑا ہے تحقیق سے معلوم ہوا کہ روزہ رکھے ہوئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس من البر الصیام فی السفر تو یہاں پر اس حدیث کے الفاظ تو عام ہیں ہر مسافر کے لئے چنانچہ بعض نے یہی سمجھا مگر بعض صورت میں اذان صوم فی السفر سے اس کا تعارض ہوگا لیکن قرائن سے کوئی مجتہد ذوقاً یہ حکم کر سکتا ہے کہ حضور کو یہ عموم مقصود نہیں بلکہ اس قید کے ساتھ عموم مقصود ہے کہ جس کی ایسی حالت ہو جاوے اور جمہور کا یہی مذہب ہے پس معلوم ہوا کہ جمہور کے نزدیک اس اصولی مسئلہ میں عموم کے اندر عدم تجاوز از مراد متکلم کی قید معتبر ہے گو مصنفین نے تصریحاً اس کا ذکر نہیں کیا۔

(ملفوظ ۲۵۳) حضرت علامہ انور شاہ کشمیری بجائے انکار کے اثبات فرمانا

ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں نے مراد آباد میں ایک وعظ میں یہ مضمون بیان کیا تھا اس میں مولانا انور شاہ صاحب مرحوم بھی تھے بعد وعظ کے شاہ صاحب سے کسی شخص نے ایک مسئلہ دریافت کیا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ کیا تم نے سنا نہیں ابھی تو وعظ میں (میری طرف اشارہ کر کے کہا) اس نے مسئلہ بیان کیا ہے کہ اس قاعدہ میں یہ قید بھی ملحوظ ہے پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ اس سے مجھ کو خوشی ہوئی کہ شاہ صاحب نے اس پر انکار نہیں فرمایا بلکہ اس سے اثبات فرمایا۔

(ملفوظ ۲۵۴) عام شخص کو شغل کی تعلیم مناسب نہیں

فرمایا حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ عامی کو ذکر کی تو تعلیم کرے مگر شغل کی تعلیم نہ کرے کیونکہ شغل سے بعض مرتبہ کشف ہونے لگتا ہے اور کشف کے نہ سمجھنے کی وجہ سے اس کے عقیدہ کے بگڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور اس کو ضروری علم ہوتا نہیں جیسا کہ ایک شخص نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے اپنا کشف بیان کیا تھا کہ مجھ کو یہ مکشوف ہوا کہ میں اور جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مساوی درجہ میں ہیں حالانکہ یہ ممتنع شرعی ہے کہ غیر نبی درجہ میں نبی کے برابر ہو جائے اس لئے اس نے اپنا یہ کشف مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا تو مولانا نے ارشاد فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض صفات میں ہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشترک ہیں مثلاً مخلوقیت میں کہ حضور بھی مخلوق ہیں اور ہم بھی مخلوق ہیں اور من جمیع الوجوہ مساوات مراد نہیں مگر یہ مفصل کشف میں مجمل ظاہر ہوا۔

پھر مولانا نے اس کی ایک مثال دی وہ یہ کہ جیسے ایک خوشنویس نے

ایک جیم لکھا اور اس جیم کے پیٹ میں ایک نقطہ لگایا تو جیسے یہ جیم اس خوشنویس کا لکھا ہوا ہے اسی طرح یہ نقطہ بھی اسی کا لگایا ہوا ہے تو اس خوشنویس کی طرف یہ دونوں چیزیں منسوب ہیں تو اس نسبت میں تو دونوں مشترک ہیں مگر پھر یہ فرق ہے کہ جیم متبوع ہے اور نقطہ تابع۔ اسی طرح حضور کو اور اپنے آپ کو ایک درجہ میں دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور میں اور اس شخص میں کچھ فرق نہیں مگر ایک عامی شخص یہاں ضرور غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا اور یہ ؟ذکر تو چھوٹوں کا تھا باقی کشف کے سمجھنے میں تو بعض بڑے بڑے لوگوں سے غلطی ہو گئی ہے چنانچہ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک مدت تک روح کے نور کو حق تعالیٰ کی تجلی سمجھ کر اس نور کی پرستش کرتا رہا گو اس میں ان کو گناہ نہ ہوا ہو جس کی وجہ میں نے التشرف حصہ اول کے اول کتاب ذکر الموت میں تحت حدیث صہیب اچھی طرح ظاہر بھی کر دی ہے جس کو مزید سہولت ناظرین کے لئے کتاب احکام التجلی کی فصل سوم میں بھی نقل کر دیا اس عبارت سے واعلم ان الحديث تستنبط منه مسئلة الى قوله كاف فى جواز احتمال کو نہ عذرا واللہ اعلم مگر آخر ہے تو غلطی ہی اور اس غلطی کی دو وجہیں ہوئیں ایک وجہ یہ کہ روح کے تجرد و مادیت کے متعلق گو اختلاف ہے مگر اکثر محققین کا قول یہی ہے کہ وہ مجرد ہے اس لئے اس کے نور کو سالک بوجہ اس کے غایت درجہ لطیف ہونے کے نور حق سمجھنے لگتا ہے اور روح کے تجرد کا جو بعض متکلمین نے انکار کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے تجرد کو اخص صفات باری تعالیٰ سے کہا ہے حالانکہ خود یہی بے دلیل ہے بلکہ اخص صفات باری تعالیٰ سے وجوب بالذات اور قدم ہے دوسری کوئی چیز نہ واجب بالذات ہے نہ قدیم نہ زمانا نہ ذاتا اور دوسری وجہ یہ کہ کبھی روح کا نور اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ سارا عالم اس نور کے سامنے سربسجود ہے اور یہ شان حق تعالیٰ ہی کی ہے لہذا اس ظہور کو تجلی حق سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ یہ سجدہ ایک حقیقت کی صورۃ مثالیہ ہے جس کا راز یہ ہے کہ اس عالم کے پیدا کرنے سے اصل مقصود انسان کا پیدا کرنا ہے باقی اور

چیزیں جتنی بھی ہیں وہ سب اس کی آسائش اور راحت کے لئے پیدا کی گئی ہیں چنانچہ ارشاد ہے خَلَقَ لَكُمْ مَّافِي الْاَرْضِ جَمِيْعاً اور اسی کو بعض مقامات پر سَخَّرَلَكُمْ مَّافِي السَّمٰوٰاتِ وَمَافِي الْاَرْضِ سے تعبیر فرمایا ہے نہ بایں معنی کہ انسان کے سب فرماں بردار ہیں بلکہ بایں معنے کہ سب اس کے کام میں لگے ہوئے ہیں کما قال السعدی؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرمانبردار (یعنی فرمانبردار حق برائے نفع تو) شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نبری یہی تسخیر مذکور بشکل سجود مکشوف ہوتی ہے اس لئے کہ عالم مثال میں معانی بشکل صورت نظر آتے ہیں پس اس سجدہ سے اشتباہ ہو جاتا ہے اسی اشتباہ کے متعلق حضرت یحیٰی منیری رحمتہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک پہچان بھی لکھی ہے کہ یہ تجلی حق تعالیٰ کی ہے یا روح کی کہ اس وقت سالک اس میں غور کرے کہ اس تجلی کے وقت اس کو اپنی ہستی فانی معلوم ہوتی ہے تب وہ تجلی حق ہے یا اپنے علو اور رفعت پر نظر پڑتی ہے تو وہ ظہور روح ہے سب کو اپنے سامنے ساجد دیکھ کر علو و دعویٰ کا غلبہ ہوتا ہے مگر میں اس سے بھی آگے ایک بات اجتہاد سے کہتا ہوں کیونکہ اس فن تصوف میں ابھی اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا وہ بات یہ ہے کہ یہ پہچان بھی قابل اعتبار نہیں اس لئے کہ شیطان اس کے نفس میں اس فناء کا تصرف بھی کر سکتا ہے تو ممکن ہے کہ اس فنا کا سبب تصرف شیطانی ہو اس لئے یہ پہچان بھی قابل اعتبار نہیں بس آخری بات ایسے تمام امور میں وہی ہے جو ہمارے حضرت حاجی صاحب کی تعلیم ہے کہ ان امور کی طرف التفات ہی نہ کرے کیونکہ یہ امور مقاصد میں سے تھوڑا ہی ہیں پھر غیر مقصود کی طرف توجہ کر کے خواہ مخواہ خطرہ میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے پھر خطرہ سے بچنے کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کے اول چھریاں بھونکی جاویں پھر زخموں پر مرہم لگایا جاوے سو چھریاں بھونکنے ہی کی کیا ضرورت ہے اس لئے

بھی مناسب ہے کہ ایسی چیزوں کی طرف التفات ہی نہ کرے۔اگر بعض حقائق منکشف بھی ہوں تو ان کے علم کو مفوض بحق کرے اور اس تحقیق سے حضرت حاجی صاحب کی شان مجددیت اور اجتہاد بھی معلوم ہو گئی ہو گی کہ وہ فرماتے ہیں کہ ایسی چیزوں کی طرف التفات ہی نہ کرے۔

(ملفوظ ۲۵۵) صحت وذریعہ معاش کی دعا

فرمایا کہ ایک صاحب کا جو طبیب ہیں خط آیا ہے انہوں نے لکھا ہے کہ میں چونکہ عرصہ سے علیل ہوں اور باوجود معالجہ کے ابھی تک صحت نہیں ہوئی دوسرے معالجہ کے اخراجات اس قدر ہیں کہ جن کو میں برداشت نہیں کر سکتا تیسرے چونکہ سوائے مطب کے کوئی دوسرا ذریعہ میری آمدنی کا ہے نہیں اور مطب بھی بوجہ علالت بند ہے اس لئے اب آمدنی کا ذریعہ بھی کوئی نظر نہیں آتا ان وجوہ سے مجھ کو بیحد رنج و ملال ہے لہذا درخواست ہے کہ کوئی دعا ایسی تعلیم فرمائی جاوے کہ اس کا میں اس زمانہ میں ورد رکھوں میں نے ان کو لکھا ہے کہ میرا تو یہ معمول ہے کہ میں یہ پڑھا کرتا ہوں اللھم عافنی واعف عنی احقر کاتب ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ اس کے بعد پھر ان طبیب صاحب کا خط آیا کہ اس دعاء کے ورد کے بعد سے بفضلہ تعالیٰ مجھ کو کامل سکون ہے اھ۔ پھر اس کے بعد ان کا دوسرا خط آیا کہ اب بفضلہ تعالیٰ مجھ کو صحت کاملہ ہے اھ۔

(ملفوظ ۲۵۶) عمل کے لئے صرف علم کافی نہیں

ایک بار ایک اہل علم سے کسی غلطی کا صدور ہوا اس پر فرمایا کہ میں تو کہا کرتا ہوں اور تجربہ اور مشاہدہ بھی ہے کہ عمل کے لئے صرف علم کافی نہیں بلکہ اگر علم بھی ہو اور قصد بھی عمل کا ہو تب بھی کافی نہیں کیونکہ علم کے بعد اگر عمل کا قصد بھی ہوا تب بھی اس قصد سے صرف عمل کا حدوث ہو سکتا ہے باقی رہی استقامت کی امید اس کے لئے اس کی بھی ضرورت ہے کہ قلب کے

اندر اس عمل کا داعیہ اور تقاضا پیدا کیا جاوے اور اس داعیہ کا طریقہ یہ ہے کہ اس عمل کا خاص اہتمام ہو اس پر کوشش سے مزاولہ ہو اس کا کثرت سے مراقبہ کیا جاوے تب داعیہ پیدا ہوتا ہے اس وقت عمل کا رسوخ نصیب ہوتا ہے پھر غلطی بہت کم ہوتی ہے ورنہ عدم داعیہ کی صورت میں برابر ڈھول اور غفلت ہوتی رہتی ہے اور استقامت نصیب نہیں ہوتی۔

(ملفوظ ۲۵۷) کشف و کرامت کے فرق کی عجیب مثال

ایک بار ایک مشہور مدرسہ کے فاضل نے عرض کیا کہ کشف و فراست میں کیا فرق ہے جواب ارشاد فرمایا کہ کشف سے جو علم حاصل ہوتا ہے وہ استدلالی نہیں ہوتا بلکہ صریحی ہوتا ہے جس سے قناعت ہو جاتی ہے بخلاف فراست کے کہ اس کے اندر ایک درجہ استدلال کا بھی ہوتا ہے گو غالب اس میں علم ضروری ہوتا ہے غرض فراست میں جو علم حاصل ہوتا ہے وہ مرکب ہوتا ہے علم ضروری اور علم استدلالی سے جس کا زیادہ حصہ علم ضروری ہوتا ہے اور مغلوب حصہ علم استدلالی اس کے بعد فراست اور کشف کے فرق پر ایک حکایت بیان فرمائی کہ میرے ایک خورجہ کے رہنے والے پیر بھائی تھے محمد خان وہ گھوڑے لیکر افغانستان امیر عبدالرحمٰن خان صاحب کے پاس گئے تھے اور ان ہی کے مہمان تھے انہوں نے اپنے وہاں کے قیام کے زمانہ کا ایک قصہ بیان کیا کہ میں نے ایک شب خلوت میں بیٹھ کر ملک افغانستان کی ترقی کی کچھ صورتیں سوچ کر ایک کاغذ پر تحریر کیں اور صبح دربار میں حاضر ہوئے کہ جب موقعہ دیکھوں گا تو ان کو میں امیر صاحب کے سامنے پیش کروں گا چنانچہ کئی بار اس کاغذ کو انہوں نے جیب سے نکالنا چاہا کہ پیش کروں مگر جب یہ ارادہ کرتے تب ہی امیر صاحب کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جاتے مگر امیر صاحب نے دربار ہی میں خود کہا کہ بعض لوگوں نے ہمارے ملک کی ترقی اور بہبودی کے لئے کچھ صورتیں تجویز کی ہیں ان میں سے ایک صورت یہ ہے اس کا یہ جواب ہے

دوسری صورت یہ ہے اس کا یہ جواب ہے اسی طرح ایک ایک کر کے تمام ان تجاویز کو بیان کر دیا جو میرے پاس لکھی ہوئی تھیں مجھ کو بڑی حیرت تھی کہ امیر صاحب کو ان تجاویز کا کیونکر علم ہو گیا آخر کار میں نے بعد برخاست دربار کے عرض کیا کہ حضور کیا آپ کو کشف ہوتا ہے اور تمام واقعہ اپنی تحریر کا بیان کیا انہوں نے جواب دیا کہ کشف تو بزرگوں کو ہوتا ہے میں تو ایک گنہگار آدمی ہوں مگر میں نے عقل سے معلوم کیا کہ آپ میرے سامنے بعض مشورے میرے ملک کے متعلق پیش کرنا چاہتے ہیں اور وہ مشورے یہ ہوں گے میں نے عرض کیا کہ عقل سے ایسے مخفی امور کیسے معلوم ہو سکتے ہیں جواب دیا کہ عقل کی رسائی بھی وہاں تک ہی ہوتی ہے جہاں تک کشف کی مگر اتنا فرق ہے کہ کشف کی مثال ٹیلیفون کی سی ہے کہ وہاں صریح الفاظ سنائی دیتے ہیں اور عقل کی مثال ٹیلیگراف کی سی ہے کہ اس میں کچھ تامل کرنا پڑتا ہے پھر انہیں سائل فاضل نے عرض کیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ اتقوافراسة المومن فانه ینظر بنور اللّٰه اس میں مومن کی قید کیوں لگائی گئی جبکہ دوسرے عقلاء کو بھی فراست سے ادراک ہو سکتا ہے ارشاد فرمایا کہ چونکہ مومن کی فراست کو اس کے نور ایمانی سے تقویت ہوتی ہے اس لئے مومن کی فراست بہ نسبت غیر مومن کے قوی اور صحیح ہوتی ہے اس وجہ سے مومن کی قید لگائی گئی اور دلیل اس کی کہ مومن کی فراست کو اس کے نور ایمان سے تقویۃ ہوتی ہے اس آیت کا عموم ہے مَنْ یُّوْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِقَلْبَهٗ پھر اس کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ ایک تقریر فراست اور کشف کے اندر فرق کے متعلق ذہن میں اور آئی ہے جو پہلے سے زیادہ جامع ہے وہ یہ کہ فراست کی ابتداء تو علم ضروری سے ہوتی ہے اس کے بعد اس امر کے معلوم کرنے کے لئے کہ جو کچھ ہم سمجھے ہیں صحیح ہے یا نہیں کچھ تامل کرنا پڑتا ہے گو وہ تامل استدلال کے درجہ تک نہیں ہوتا مگر استدلال کے مشابہ ضرور ہوتا ہے اور کشف میں تامل کی بھی حاجت نہیں ہوتی خود بخود بداہتہ اس کی صحت اور عدم صحت کا علم حاصل ہو جاتا

ہے۔

(ملفوظ ۲۵۸) مجدد الف ثانی کہنے کا سبب

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ کیا مجدد کا مجدد ہونا کسی دلیل قطعی سے معلوم ہوتا ہے فرمایا نہیں بلکہ دلائل ظنیہ سے چنانچہ اب تک جتنے مجدد ہوئے ہیں ان کے مجدد ہونے کا علم دلائل ظنیہ یعنی علامات وآثار ہی سے حاصل ہوا ہے پھر ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے لئے مجدد کا لقب اول کس نے استعمال کیا تھا فرمایا اول مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی نے لکھا تھا اور ان کے لکھنے کی وجہ ان کی عقیدت تھی کوئی دلیل قطعی نہ تھی البتہ اس کا مشہور ہو جانا یہ علامت تھی اس لقب کے غیبی ہونے کی پھر ان صاحب نے دریافت کیا کہ کیا مجدد الف کا مرتبہ مجدد ماتہ سے بڑھ کر ہوتا ہے فرمایا اس کی کوئی دلیل نہیں پھر دریافت کیا گیا کہ حضرت مجدد الف ثانی کو مجدد الف ثانی کہنے کی کیا وجہ فرمایا مجدد صاحب جس صدی کے مجدد تھے وہ صدی اتفاق سے چونکہ الف ثانی کے شروع ہی میں تھی اس لئے الف اول کے مجددوں سے امتیاز کے لئے مجدد صاحب کو مجدد الف ثانی کے لقب سے یاد کیا گیا پھر ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ نووی نے لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک صدی میں کئی مجدد ہوں مثلاً کوئی شخص ایک جزو دین کی اصلاح کے لئے ہے اور دوسرا دوسرے جزء کی اصلاح کے لئے مثلاً ایک شخص تفسیر کے اندر جو لوگوں نے غلو کر رکھا ہو اس کی اصلاح کے لئے ہو اور دوسرا شخص حدیث کے اندر غلو کی اصلاح کے لئے ہو وعلی ہذا۔

(ملفوظ ۲۵۹) ایک صاحب کو رخصت پر عمل کرنے کی تاکید

فرمایا کہ ایک صاحب نے لکھا ہے میں تصنیف کے متعلق ایک دینی خدمت کرنا چاہتا ہوں جس کا معاوضہ مجھ کو مل سکتا۔ مگر یہ ارادہ ہے کہ میں

اس خدمت کا کوئی معاوضہ نہ لوں تاکہ نفس کی اصلاح ہو اور طمع قطع ہو- میں
نے ان کو جواب دیا ہے کہ عزیمت تو یہی ہے کہ دین کی خدمت بلا معاوضہ
انجام دی جائے مگر اس وقت تمہارے باطنی نفع کے لحاظ سے تم کو رخصت پر ہی
عمل کرنا زیادہ بہتر ہے اور وہ باطنی نفع مجاہدہ نفس کا ہے جو ایک دینی خدمت پر
اجرت لینا چاہئے مگر اس معاوضہ کو اپنے صرف میں مت لاؤ بلکہ کسی مصرف خیر
میں لگا دو- ایک بزرگ کا قصہ لکھا ہے کہ انہوں نے ایک طالب کی اصلاح کیلئے
یہ تجویز کیا تھا کہ تمہارے پاس جو سو روپیہ ہیں ان کو اپنی قدرت سے نکال دو
خرچ کر دو مگر نہ ان کو اپنے اوپر صرف کرو اور نہ خیرات کرو بلکہ ان سب کو لے
جا کر دریا میں ڈال دینا وہ بھی ایک دم سے نہیں بلکہ ایک ایک کر کے ڈالو تاکہ
خوب دل پر آرے چلیں- پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے فرمایا کہ
اگر کسی کو یہاں یہ شبہ ہو کہ یہ تو اضاعت مال ہوئی تو جواب یہ ہے کہ اضاعت
وہ ہے کہ جس میں کوئی فائدہ نہ ہو اور یہاں مقصود تھا- اس طالب کا معالجہ جو
موقوف تھا- اس مجاہدہ پر پھر اضاعت کہاں ہوئی- میں تو کہا کرتا ہوں کہ بہت
حقائق میں جہاں تک فقہاء کی نظر پہنچتی ہے وہاں تک محدثین کی نظر نہیں
پہنچتی اور جہاں تک صوفیہ کی نظر جاتی ہے وہاں تک فقہاء کی نظر نہیں پہنچتی-

(ملفوظ ۲۶۰) نشاط کے غیر لازم ہونے کی دلیل

فرمایا کہ ایک صاحب کا خط آیا ہے- انہوں نے لکھا ہے کہ عرصہ دراز
سے باہمی مناظرہ و مباحثہ علمیہ عقلیہ و نیز علم کلام و فلسفہ کی کتب بینی کی وجہ
سے قلب کی کیفیت ایمانیہ بالکل خراب ہو گئی ہے- مذہبی ذہنیت و تہذیب کا
طبیعت پر بالکل اثر محسوس نہیں ہوتا گویا کوئی قلب کی ایمانی نشاط کو اچک لے گیا
ہے- ہر وقت ذہن میں ایک ناظرہ قائم رہتا ہے سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں
جوابات آتے رہتے ہیں العاقل تکفیہ الاشارۃ- حضرت خود دانا ہیں اس
مرض مہلک کی کٹھن منزلوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں قلبی کیفیت کے خراب ہو

جانے سے جس قدر صدمہ و ملال ہے اللہ جل شانہ اعلم ہیں مجھے اس وقت کسی قسم کی دینی دنیاوی نشاط نہیں ہے۔ ہر وقت حزن و ملال جانگاہ ہے۔ خورد نوش کی طرف بھی طبیعت کا رجحان بمشکل ہوتا ہے حضرت خدا کے واسطے میری دستگیری کیجئے اگر مجھے آگ میں جلایا جاتا تو گوارا کرتا لیکن مصیبت وساوس خبیثہ برداشت سے باہر ہے۔ آنجناب خیال کر سکتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے اس سے زائد اور کیا مصیبت ہو سکتی ہے۔ ہمت کا یہ حال ہے کہ کئی دفعہ طبیعت پریشان ہوئی کہ بندہ خدا یہ تیرے وساوس ہیں تو کیا تو خارج از اسلام نہیں ہے۔ اگرچہ تیری طبیعت میں جوش و خروش ایمانی نہیں رہا ہے جس کی وجہ سے زندگی دوبھر لگتی ہے چل کسی کنویں میں ڈوب مر کم از کم ادنیٰ درجہ اسلام پر موت آجاوے گی مگر طبیعت کو سنبھالا اور اللہ جل شانہ کی امید پر دل کو لگایا کہ وہ مقلب القلوب ہیں اپنی تائید سے وہی نورانیت ایمانی عطا فرماویں۔ نیز اہل و عیال کی شرعی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے بایں حالت یہاں کی جامع مسجد میں امامت کر رہا ہے خادم مدرسہ عربیہ کا فارغ التحصیل ہے قلب کی اچھی کیفیت کے عود کے لئے بہت کچھ کوشش کرتا رہا مگر کچھ نہیں بنا۔ اداسی اور مایوسی رہتی ہے اگرچہ بعض شبہات کا بطلان سمجھ میں آجانیکی وجہ سے وساوس بند ہو جاتے ہیں اور طبیعت کو یک لحظی حوصلہ ہوتا ہے اور ایک چمک سی پہلی نورانیت کی معلوم ہوتی ہے مگر راسخ فی القلب اور مستقیم نہیں ہوتی اس وقت وساوس عقلیات بند ہو گئے تھے اور امید تھی حالت ٹھیک ہو جاوے گی لیکن اب یہ وسوسہ ہوتا رہتا ہے کفار کے لئے اعمال بد کی سزا نار ابدی شان ارحم الراحمین کے خلاف ہے کیا سزا محدود رکھ کر باری تعالیٰ مومنین و کافرین کے درمیان انصاف و عدل کیساتھ فیصلہ نہیں کر سکتے تھے غرضیکہ میری حالت بہت خراب ہے حضرت فرماویں تو خادم بہر صورت خدمت والا میں حاضر ہو جاوے ورنہ جب ارشاد فرماویں۔

صبت علی مصائب لو انها
صبت علی الایام صرن لیالیا

اس کے بعد ان صاحب نے لکھا ہے کہ یاحل المشکلات حلل مشکلاتی بطفیل النبی الامی صلعم میں نے جواب دیا ہے کہ السلام علیکم خط پڑھا دل دکھا صمیم قلب سے دعائے نجات کرتا ہوں باقی معالجہ اگر آپ محقق بنکر علاج کے خواستگار ہیں تو اس کا طریق مجھ کو معلوم نہیں اور اگر مقلد محض بن کر علاج چاہتے ہیں اس کی شرط یہ ہے کہ کسی شخص کا ایسا معتقد ہو کہ اس کی بات چاہے سمجھ میں آوے یا نہ آوے ہر حال میں اس کا اتباع کیا جاوے۔ اس ناکارہ پر اگر اس درجہ اعتماد ہو تو پھر میں عرض کرتا ہوں کہ آپ یقیناً مومن ہیں اور مومن بھی کامل۔ یہ عوارض بھی مخل ایمان نہیں مخل نشاط ضرور ہیں مگر نشاط نہ جزو ایمان ہے نہ لازم ایمان حدیث حفت الجنۃ بالمکارہ اس نشاط کے غیر لازم ہونے پر صریح دلیل ہے۔ اگر حدیث کی دلالت پر کوئی آپ کو شبہ ہو تو اس کے عدم لزوم کو میری تقلید سے مان لیا جاوے۔ بہر حال جب ایمان میں کوئی نقص نہیں تو یہ وساوس ایک مستقل ابتلاء اور مصیبت ہوئی اور ادنیٰ ادنیٰ مصیبت پر اجر موجود ہے اس مصیبت عظمیٰ پر اجر کیوں نہ ملے گا۔ اعادہ نشاط سابق کی آرزو اور تمنا بھی خلاف تفویض ہے تمام عمر صبر کے لئے آمادہ رہنا چاہئے وہ بندہ ہی کیا ہوا جو اپنے مالک کے کسی تصرف پر راضی ہو اور کسی پر ناخوش۔ اگرچہ تمام عمر بھی اسی میں گذر جائے آخرت میں اس کے ثمرات و درجات کا مشاہدہ ہوگا۔ اصل دارالراحتہ وہی ہے یہاں تو خود مصیبت ہی کے لئے آنا ہوا ہے بس یہ دستور العمل مضبوطی سے اختیار کر لیا جاوے اگر اس کے خلاف وساوس آویں کچھ پروانہ کی جائے۔ طبیب کی شہادت پر مریض کو اعتماد کرنا چاہئے۔ جب وہ صحت کا حکم کرے صحت کا اعتقاد رکھنا چاہئے اور نقاہت کے تکدر کو مرض کا تکدر نہ سمجھنا چاہئے یہ بالکل سچی اور بے تکلف تعلیم ہے۔ باقی دعا بھی کرتا ہوں۔

اس کے بعد حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے ارشاد فرمایا کہ کبھی تو ایسی حالت فضول میں مشغول ہونے سے ہوتی ہے اور کبھی کسی مباح مشغولی

کے ترک سے ہوتی ہے اگرچہ وہ مشغولی کسی فضول ہی کام میں کیوں نہ ہو- اب سبب کا معلوم کرنا اور متعین کرنا یہ مبصر ہی کا کام ہے پھر فرمایا کہ اب ان کی یہ حالت ہو گی کہ ان کو اس کی تمنا ہوتی ہو گی کہ کاش میں عالم نہ ہوتا کہ ایسے مباحثہ اور مناظرہ کے قابل نہ ہوتا- ایک بار میرے اوپر ایک شدید حالت طاری ہوئی تھی تو میرے دل میں بھی یہ خیال ہوا تھا کہ کاش میں صاحب علم نہ ہوتا مگر حق تعالیٰ نے میری دستگیری فرمائی فوراً میرے یہ جواب ذہن میں آیا کہ یہ علم ہی برکت تھی جو اس شدید حالت سے نجات ہوئی ورنہ اگر بے علم کو یہ حالت پیش آتی تو اس سے نجات بھی نہیں ہو سکتی تھی- یہ طریق بہت نازک ہے- بس حق تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ وہ اپنی حفاظت میں رکھے ورنہ انسان کی کیا حقیقت ہے- ایک دفعہ میں نے اپنی ایک حالت کو مولانا گنگوہی کی خدمت میں لکھا اور اس حالت کے اظہار کے لئے میں نے یہ شعر لکھا تھا کہ

من شمع جان گدازم وتو صبح دلکشائی
سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی
نزدیک آنچنا نم دور آنچنان کہ گفتم
نے تاب وصل دارم ونے طاقت جدائی

اور مولانا گنگوہی نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ

جان صدیقان ازیں حسرت برسخت
کاسمان برفرق ایشان خاک بیخت

پھر حضرت حکیم الامتہ دام ظلہم العالی نے وساوس کی حالت کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے کہ یہ حالت مرنے سے قبل پیش آجائے اور اس کی حقیقت کی تحقیق ہو جائے ورنہ اگر اخیر وقت میں یہ حالت کسی کو پیش آئے اور وہ اس کی حقیقت سے واقف نہ ہو تو اندیشہ ہوتا ہے کہ پھر بہت ہی زیادہ پریشانی بڑھ جائے- چنانچہ ایک صاحب بریلی میں تھے جو رئیس اور عالم اور طبیب تھے- وہ بیمار ہوئے اور ان کی یہ حالت وساوس کی پیش آئی تو وہ بہت

پریشان ہوئے آخر کار مجھ کو میرے چھوٹے بھائی کے ذریعہ بلایا جو اس وقت بریلی میں تھے مجھ کو چونکہ بیمار پر بہت رحم آتا ہے اس لئے میں نے ان کی درخواست منظور کی اور میں وہاں گیا تو دیکھا بیحد پریشان تھے میں نے ان کو تسلی دی اور اس حالت کی حقیقت ان کو سمجھائی تو یہ اثر ہوا کہ کہاں تو وہ اتنے مضطرب تھے اور کہاں ان کو اتنا سکون اور سرور ہوا کہ اس کا کچھ بیان نہیں یہاں تک کہ آخر وقت تک مسرور رہے اور نہایت اطمینان کی حالت میں خاتمہ ہوا۔

(ملفوظ ۲۶۱) قرآن تبشیر و انداز کیلئے آسان ہے

ایک بار دین میں موجود زمانہ کے لوگوں کی آزادی اور خودرائی کا بیان ہو رہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ اب تو لوگوں کی جرات یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ فقہا اور مجتہدین نے جو مسائل قرآن و حدیث سے استنباط کئے ہیں ان کو غلط قرار دیتے ہیں اور خود قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط کرنا چاہتے ہیں اور جب ان کو استنباط کی صعوبت پر متنبہ کیا جاتا ہے تو آیت وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ الایہ پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب قرآن آسان ہے تو پھر کیا وجہ اس کو سمجھنا اور اس سے مسائل کا استنباط صرف علماء ہی کے ساتھ مخصوص ہو ہم نہ کر سکیں۔ حالانکہ ان کا نہ یہ دعویٰ صحیح ہے اور نہ ان کا اس آیت سے یا اسی قسم کی دوسری آیتوں سے استدلال صحیح ہے کیونکہ قرآن و حدیث کے متعلق دو چیزیں ہیں ایک تو ان سے استنباط مسائل کا دوسرے تذکر و تذکیر یعنی ترغیب و ترہیب تو قرآن کو جو آسان فرمایا گیا ہے وہ صرف تذکر و تذکیر کے لئے آسان فرمایا گیا ہے چنانچہ اس آیت میں یسرنا کے بعد للذکر کا لفظ موجود ہے اسی طرح اس مضمون کی ایک دوسری آیت ہے فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهِ اس میں بھی تصریح ہے کہ قرآن تبشیر و انذار کے لئے آسان کیا گیا ہے۔ قرآن سے ثابت کرتا ہوں کہ قرآن و حدیث سے استنباط احکام صرف محققین ہی کا کام ہے۔ ہر شخص اس کا اہل نہیں۔ پانچویں پارہ میں ارشاد ہے وَاِذَا

جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَا عُوْا بِهٖ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ۔ شان نزول اس آیت کا بالا تفاق یہ ہے کہ حضور کے زمانہ میں جب کوئی جہاد وغیرہ ہوتا تھا تو مواقع قتال سے جو خبریں آتی تھیں بعض لوگ بلا تحقیق ان کو مشہور کر دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس آیت میں ارشاد ہے کہ جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے خواہ وہ امن کی ہو یا خوف کی تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ اس کو رسول کے اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان کے حوالہ پر رکھتے تو ان میں جو اہل استنباط ہیں اس کو وہ حضرات پہچان لیتے کہ کون قابل اشاعت ہے کون نہیں دیکھئے یہاں يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ فرمایا ہے۔ اور یہ من تبعیضیہ ہے جس کے معنے یہ ہوئے کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو اہل استنباط ہیں سب نہیں حالانکہ یہ جنگ کی خبریں کوئی از قسم احکام شرعیہ نہ تھیں بلکہ واقعات حسیہ تھے جو احکام کے مقابلہ میں غیر الفہم نہیں تو جب معمولی واقعات حسیہ کے متعلق قوت استنباط کا اثبات صرف بعض لوگوں کے لئے کیا گیا ہے تو موٹی بات ہے کہ قرآن و حدیث سے احکام کا استنباط تو بدرجہا مشکل ہو گا اس کا اہل ہر شخص کیسے ہو سکتا ہے اسی طرح حضور کے زمانہ کا ایک دوسرا واقعہ ہے وہ یہ کہ جب اول بار آیت لَا يَسْتَوِى الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ الآیہ نازل ہوئی جس میں مجاہدین کی قاعدین پر تفضیل کا بیان ہے تو اس وقت اس میں غیر اولی الضرر نہ تھا۔ اس لئے صحابہ تک نہ سمجھ سکے کہ یہ حکم مخصوص ہے قاعدین غیر اولی الضرر کیساتھ حالانکہ حقیقت لغویہ و نصوص اعتبار عذر کی بناء پر قاعدین سے مراد یہاں وہی لوگ ہو سکتے تھے جو بال کسی عذر کے جہاد میں شریک نہ ہو سکے ہوں ورنہ معذورین تو فی الحقیقت مقعدین ہیں قاعدین نہیں مگر باوجود اس کے صحابہ اس کو نہ سمجھ سکے اس لئے اس کے متعلق سوال کیا جس پر غیر اولی الضرر بعد میں نازل ہوا اس سے صاف معلوم ہوا کہ محض زبان دانی فہم احکام کے لئے کافی نہیں یہ تو ایک فرع کے

متعلق تحقیق تھی۔ اس کے متعلق اس سے زیادہ عمیق ایک اصل کی تدقیق ہے
وہ یہ کہ ظاہراً اس میں ایک اشکال متوہم ہوتا ہے کہ غیر اولی الضرر قاعدین کا
بیان ہے اور پھر نزول میں اس سے فصل کے ساتھ موخر تو اصلی کلام میں بیان
مراد سے کمی کا احتمال رہتا ہے اس شکال کے حل کے لئے انہوں نے فہم خداداد
سے ایک اصل کلی کا استنباط کیا کہ بیان کے اقسام اور ان کے جدا جدا احکام سمجھ
کر ایسی عجیب تفصیل کی کہ حیرت ہوتی ہے اس تفصیل کی بناء پر غیر اولی الضرر حکم
کو بیان تغیر نہیں قرار دیا بلکہ بیان تفسیر فرمایا ہے اور یہ
فرمایا کہ اگر بیان تغییر ہوتا تو اس کے اندر فصل نہ ہوتا بخلاف بیان تفسیر کے کہ
اس کے اندر فصل جائز ہے دیکھئے کیا ایسے اصول ہم جیسے موس کر سکتے ہیں
اس تقریر سے جواب کا خلاصہ یہ نکلا کہ تذکر و تذکیر کے لئے تو قرآن آسان ہے
باقی رہا استنباط فروع کا یا اصول کا یہ ایسا مشکل ہے جو ہمارے بس کا نہیں اس ایک
ہی مسئلہ کو دیکھ لیجئے فرع کو بھی اور اس کی بناء بیان تغییر و بیان تفسیر کو بھی۔
اگر فقہاء ان مسائل کو استنباط نہ کر جاتے تو آج کل کے معترضین میں
سے کیا کوئی شخص اس پر قادر تھا کہ ان مسائل کا ایسا ستنباط کر سکے۔

۱۶ر رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ مجلس بعد ظہر

(ملفوظ ۲۶۲) خواب نبوت کا چھیالیسواں جزو ہونے کا مفہوم

حضرت دام ظلہم العالی بوجہ ضعف گاؤ تکیہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے کہ
نیند آگئی پھر تھوڑی ہی دیر بعد آنکھ کھل گئی اور ارشاد فرمایا کہ ذرا آنکھ لگ گئی تھی
ایک خواب دیکھ لیا پھر فرمایا کہ خواب ایک کمزور چیز ہے مگر لوگوں نے آج کل
خواب کو اس درجہ اہم سمجھ رکھا ہے کہ گویا کہ خواب کوئی حجۃ شرعیہ ہے اس پر
ایک صاحب نے جو لکھنو کے معززین میں سے تھے عرض کیا کہ حدیث میں آیا
ہے کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب

ایک اہم چیز ہے فرمایا کہ آپ نے یہ بھی غور کیا کہ اس حدیث میں خواب سے مراد ہر کس و ناکس کا خواب ہے یا صالحین کا کیونکہ اگر ہر کس و ناکس کے خواب کو جزء نبوت کہا جاوے گا تو اس طرح تو شجاعت و سخاوت وغیرہ بھی نبوت کا جزء ہوں گے تو کیا ان اوصاف کے کفار کو بھی اجزاء نبوت کے ساتھ متصف کہا جاوے گا پھر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہاں دلائل سے خواب کے جزء نبوت کہنے کے لئے ایک اور قید بھی ہے وہ یہ کہ اس خواب کا معبر نبی ہو اور وہ اس کو جزو نبوت سمجھے کیونکہ غیر نبی کی تعبیر میں خواہ وہ معبر کتنے ہی بڑے درجہ کا کیوں نہ ہو احتمال خطا موجود ہے چنانچہ حضرت صدیق اکبر کی بھی بعض تعبیریں صحیح نہیں ہوئیں اور تعبیر کی صحت کے متیقن نہ ہونے کی صورت میں خواب کا صدق متیقن نہیں اور جس کا صدق متیقن نہ ہو تو وہ خواب جزء نبوت نہیں ہو سکتا اس کے بعد اب میں ایک دوسری بڑی غلط فہمی کو جو خواب کے متعلق ہو رہی ہے اس کو بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ خواب کو لوگ واقعات کے اندر موثر سمجھتے ہیں حالانکہ خواب موثر نہیں بلکہ اثر ہوتا ہے واقعہ کا اور اس واقعہ میں موثر اعمال ہوتے ہیں پس قابل توجہ اور اہم چیز اعمال ہوئے نہ کہ خواب مگر چونکہ لوگ خواب کو موثر سمجھتے ہیں اس وجہ سے بجائے اس کے کہ اعمال کو درست کریں گھبرا کر تعبیر کے درپے ہو جاتے ہیں اب رہا یہ شبہ کہ بعض مرتبہ خواب پہلے نظر آجاتا ہے اور وہ واقعہ جس کا تعلق اس خواب سے ہے بعد میں واقع ہوتا ہے تو اگر خواب کو اثر کہیں تو لازم آتا ہے کہ وجود میں اثر مقدم ہو گیا اور موثر متاخر تو جواب یہ ہے کہ ظاہر میں ایسا متوہم ہوتا ہے ورنہ اثر کا انکشاف مقدم ہو گیا باقی اثر کا وقوع موخر ہی ہو گا چنانچہ شرعیات میں اس کی نظیر صوم عرفہ سے مثل سال گذشتہ کے ایک سال آئندہ کے بھی گناہ معاف ہو جاتا ہے کہ معافی جو گناہ سے موخر ہوتی ہے گناہ سے ایک سال قبل ہو گئی یہاں وقوع معافی کا موخر ہی ہو گا مگر اس کا انکشاف یعنی خبر پہلے دیدی گئی (احقر ناقل ملفوظ ہذا عرض کرتا ہے کہ یہاں تک بیان فرمانے کے بعد حضرت دام

ظلہم العالی کی پھر آنکھ لگ گئی تھوڑی دیر بعد بیدار ہو کر ارشاد فرمایا) کہ لیجئے میں نے پھر ایک خواب دیکھا ہے خواب کے غیر مہتم بالشان ہونے پر جو اشکال ہوا تھا اس خواب کے اندر اس کا ایک دوسرا جواب بلا سوچے قلب پر وارد ہو گیا وہ یہ ہے کہ جو خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اس کا مصداق حقیقی صرف وہ خواب ہے کہ جس کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم دیکھیں اور اس کی ایک قوی تائید ہے جس کو علماء نے اس حصہ کی تعیین میں بیان کیا ہے جس سے اس حدیث کی تفسیر ایک دوسری حدیث یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے چھ ماہ پہلے سے سچے اور واضح خواب دیکھنے لگے تھے اور زمانہ نبوت کا کل تئیس سال تھا اور تئیس دونی چھیالیس تو تئیس سال میں چھیالیس ششماہیاں ہوئیں تو ایک ششماہی کا زمانہ نبوت کے کل زمانہ کہ چھیالیسویں حصہ کے برابر ہوا اور دوسرے خوابوں میں یہ حساب واقع نہیں اس لئے ہر خواب کو اس کا مصداق نہیں کہا جا سکتا پھر بائیس رمضان المبارک کو حضرت دام ظلہم العالی نے اس ملفوظ کا ایک تتمہ ارشاد فرمایا کہ اگر یوں کہا جاوے کہ جس حدیث میں یہ ہے کہ خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے اس کا تو جواب ہو گیا لیکن دوسری حدیثیں تو خواب کے فضائل میں وارد ہیں ان کا کیا جواب ہو گا مثلاً یہ فرمایا ہے لم یتبع من النبوۃ الا المبشرات اور مثلاً یہ فرمایا ہے کہ الرویا الصالحۃ من اللہ اور رؤیا المومن جزء من ستۃ واربعین جزء من النبوۃ اس میں رویا نبی کی تخصیص نہیں سو ان کا جواب یہ ہے کہ فضائل کا انکار نہیں اس کے حجت ہونے کا اور اس کے رتبہ سے بڑھانے کا انکار ہے تو ان حدیثوں میں اس کا اثبات نہیں اور فضائل واردہ کا راز یہ ہے کہ رویائے صالحہ نبی کے خواب کے مشابہ ہوتا ہے اس لئے اس میں فضیلت آگئی اور اس تشبیہ پر حدیث رویا المومن جزء الخ کو محمول کیا جا سکتا ہے جیسے زید اسلمہ

۲۶؍ رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ مجلس شام

(ملفوظ ۲۶۳) ہدی للمتقین کا مفہوم

فرمایا ایک بار مولانا محمد قاسم صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ قرآن کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے ھدی للمتقین سو متقین تو پہلے ہی ہدایت پر ہیں تو یہ تحصیل حاصل ہوا۔ اس کے جواب مختلف حضرات نے مختلف دئے ہیں چنانچہ ایک جواب صاحب جلالین نے دیا ہے کہ مراد متقین سے صائرین الی التقویٰ ہیں مگر مولانا محمد قاسم صاحب نے ایک دوسرا جواب دیا کہ یہاں تقویٰ سے مراد اس کے اصطلاحی معنے نہیں بلکہ لغوی معنے ہیں یعنی خوف اور کھٹک تو آیت کے معنے یہ ہیں کہ جن لوگوں کے قلب میں کھٹک ہے اور فکر ہے اور قصد ہے اپنی اصلاح کا ان کو قرآن ہدایت کرتا ہے باقی جو شخص اپنی اصلاح کا قصد ہی نہ کرے اس کا ذمہ دار وہ خود ہے قرآن کا اس میں کیا نقص ہے تو مولانا محمد قاسم صاحب کا جب یہ جواب میں نے سنا تو فوراً اس جواب کی ایک تائید قرآن سے میری سمجھ میں آئی وہ یہ کہ سورہ واللیل میں ارشاد ہے فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی اس کے بعد ارشاد ہے وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی یہاں صنعت تقابل کا استعمال کیا گیا ہے چنانچہ پہلی آیت میں اعطاء کا ذکر ہے تو دوسری آیت میں اس کے مقابل میں لفظ بخل کا استعمال کیا گیا ہے اور اعطاء اور بخل میں تقابل ظاہر ہے اسی طرح پہلی آیت میں کذب ہے تو دوسری میں صدق اور صدق اور کذب میں بھی تقابل موجود ہے بس اسی طرح پہلی آیت میں استغنے ہے تو دوسری میں اس کے مقابل کوئی مفہوم ہونا چاہئے اور وارد اتقی ہے پس اس تقابل کی وجہ سے یہاں تقوی کے وہ معنے مراد ہوں گے جو استغناء کے مقابل ہوں پس استغناء کے معنے ہیں بے فکری کے تو یہاں تقوی کے معنی ہوں گے فکر اور کھٹک ورنہ فصاحت کے خلاف ہو گا۔ پس معلوم ہوا کہ متقین کے وہ معنے

جو مولانا محمد قاسم صاحب نے بیان فرمائے وہ قرآن سے ثابت ہیں اب میں ان لوگوں سے جو محض ترجمہ کے مطالعہ سے قرآن کو حل کرنا چاہتے ہیں دریافت کرتا ہوں کہ کیا وہ اس اشکال کا جواب محض ترجمہ سے حل کر سکتے تھے۔

قبل رمضان ۱۳۶۰ھ

(ملفوظ ۲۶۴) بات کرتے وقت ہاتھوں سے اشارے کی عادت

ایک صاحب مجلس کے اندر حضرت دام ظلہم العالی سے کچھ عرض کر رہے تھے اور گفتگو کے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرتے جاتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنا مطلب سمجھانے کے لئے ایسا کیا کرتے ہیں تو اس پر حضرت دام ظلہم العالی نے ان کو منع فرمایا کہ ایسا نہ کرنا چاہئے یہ امر خلاف تہذیب ہے کیونکہ گفتگو کے وقت ہاتھوں کے اشارہ کا تو مطلب یہ ہے کہ مخاطب غبی ہے صرف الفاظ سے مطلب نہیں سمجھ سکتا بلکہ ضرورت ہے ہاتوں کے اشارہ کی تو اس میں مخاطب کی تنقیص ہوئی نیز اس حرکت کے معنے یہ ہیں کہ متکلم مخاطب سے گویا مطالبہ کرتا ہے کہ تم ہمارے اشاروں کو بھی دیکھتے رہو حالانکہ اس مطالبہ کا متکلم کو کوئی حق نہیں لہذا آپ اپنی اس عادت کو ترک کر دیجئے۔

۱۴ر رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ مجلس شام

(ملفوظ ۲۶۵) موجودہ واعظین بمصداق حدیث مامور میں شامل ہیں

ایک بار لکھنو میں ایک اہل علم کا وعظ ہوا جو حضرت دام ظلہم العالی کے مجاز بھی ہیں بعض حضرات نے جو مجلس وعظ میں شریک تھے حضرت سے آکر ان کے وعظ کی کیفیت اور مدح بیان کی حضرت والا نے اس پر اظہار مسرت فرمایا

اور دعاء برکت کی اور پھر ارشاد فرمایا کہ اس وقت ایک اشکال کا جواب یاد آیا جو اہل علم کے بہت کام کا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے لا یقص الا امیر او مامور اومختال یعنی وعظ وہی کہے گا جو یا تو خود امیر المومنین ہو یا امیر المومنین کا مامور ہو یا متکبر ہو اب دیکھنا چاہئے کہ اس وقت جو لوگ وعظ کہتے ہیں وہ ان تین قسموں میں سے کونسی قسم میں داخل ہیں تو ظاہر ہے کہ نہ تو وہ خود امیر المومنین ہیں اور نہ کسی امیر المومنین کے مامور ہیں تو اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ کیا آج کل کے واعظین سب مختال میں داخل اور اس آیت کے مصداق ہیں کہ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ تو جواب یہ ہے کہ یہ لوگ نہ امیر المومنین ہیں نہ مختال ہیں بلکہ بعد التامل مامور ہیں اور شرح اس کی یہ ہے کہ شریعت کا یہ اصول ہے کہ جہاں کسی شخص کو کوئی خدمت سپرد کرنے کی ضرورت ہو اور امیر المومنین وہاں موجود نہ ہو جو اس کا تقرر کر سکے تو وہاں پر عامہ مومنین کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ سب مل کر کسی مسلمان کو جو اس خدمت کا اہل ہو وہ خدمت سپرد کر دیں اور راز اس کا یہ ہے کہ امیر المومنین کو جو امیر المومنین بنایا ہے وہ بھی تو عامہ مومنین ہی نے بنایا ہے کیونکہ امیر المومنین کا انتخاب اور تقرر عامہ مومنین ہی کے تو اتفاق سے ہوتا ہے تو عامہ مومنین کی حکومت اور امارت فی الحقیقت ایسی ہی ہے جیسے امیر المومنین کی حکومت اور امارت سو ان کا مامور ایسا ہی ہوگا جیسے امیر المومنین کا مامور تو اصل میں تو یہ حق انتخاب عامہ مومنین ہی کو حاصل تھا مگر چونکہ عامہ مومنین کا اجتماع ہر وقت دشوار ہے تو اس ضرورت سے عامہ مومنین میں جو ذی اثر لوگ ہوں گے جیسے علماء امراء رؤسا سلاطین جن کو اہل حل و عقد کہا جاتا ہے وہ ان کے قائم مقام سمجھے جائیں گے اور ان ذی اثر لوگوں کا اجتماع عامہ مومنین کا اجتماع قرار دیا جاوے گا لہذا ان ذی اثر لوگوں کا مامور بھی عامہ مومنین کا مامور سمجھا جاوے گا بلکہ بعض لحاظ سے اس مامور کا درجہ امیر المومنین کے مامور سے بھی بڑھ کر ہوگا کیونکہ یہ امیر کے بھی امیر کا مامور ہوگا یعنی عامہ مومنین کا پس اگر مسلمانوں میں سے چند ذی اثر ذی

فہم لوگ کسی اہل سے وعظ کی فرمائش کریں خواہ قولاً خواہ دلالتہً تو وہ شخص بھی ماموریں میں داخل ہو جائے گا لہذا اس کو وعظ کہنا جائز ہو گا پس خلاصہ یہ ہے کہ عامہ مومنین میں دو حیثیتیں ہیں کہ جب تک وہ کسی کو حکومت کا منصب نہ دیں اس وقت تک تو وہ آمر ہیں اور جب وہ حکومت پر کسی کا تقرر کر دیں تو پھر وہ اس مامور کے تابع ہو جائیں گے لیکن اگر سب مل کر اس صاحب حکومت کو معزول کرنا چاہیں تو پھر آمر ہو جائیں گویا کہ عامہ مومنین انفراداً تو تابع ہیں اور اجتماعاً متبوع ہیں۔

۱۸ر رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ مجلس بعد ظہر

(ملفوظ ۲۶۶) قوت بہیمیہ کثرِ صوم سے ٹوٹتی ہے

فرمایا ایک صاحب میرے پاس آئے جو کہ نووارد تھے اور اپنے کو اہل علم میں شمار کرتے تھے اور اجتہاد کے مدعی تھے اور میرے پاس ان کا ایک خط بھی آیا تھا کہ میں تمہارا امتحان لینے آتا ہوں غرض وہ آئے اور میرے پاس بیٹھے ہوئے ان کو تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ ایک شخص صاحب حاجت میرے پاس آیا اس پر خواہش نفسانی کا غلبہ تھا مگر غریب نادار تھا اتنی مقدرت نہ تھی کہ وہ نکاح کر سکے اس نے آکر مجھ سے اپنی حالت بیان کی اور علاج کا طالب ہوا ابھی میں اس کو جواب بھی نہ دینے پایا تھا کہ میرے بولنے سے قبل اس کی گفتگو سنتے ہی آپ بولے کہ روزے رکھا کرو کیونکہ حدیث میں آیا ہے ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے روزے بھی رکھے تھے مگر اس سے بھی میری خواہش کم نہیں ہوئی اس کا یہ جواب سن کر ان صاحب کے پاس کوئی جواب نہ تھا میں نے ان صاحب کو سنا کر اس شخص سے دریافت کیا کہ تم نے کتنے روزے رکھے تھے اس نے کہا کہ ابھی دو تین روزے رکھے تھے میں نے کہا کہ یہی وجہ ہے کہ تم کو کامیابی نہ ہوئی کیونکہ تم کو کثرت

سے روزے رکھنا چاہئے تھا اور یہ شرط خود اسی حدیث سے ثابت ہے اور وہ اس طرح کہ حضور کا ارشاد ہے فعلیہ بالصوم۔ لفظ علی لزوم کے لئے اتا ہے اور لزوم کی دو قسمیں ہیں ایک لزوم اعتقادی دوسرے عملی مگر دلائل سے یہاں لزوم اعتقادی تو مراد ہو نہیں سکتا کیونکہ یہ صوم فرض نہیں محض علاج ہے پس لزوم عملی مراد ہوگا اور لزوم عملی ہوتا ہے تکرار و کثرت سے چنانچہ جب کوئی شخص کسی کام کو بار بار اور کثرت سے کرتا ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ یہ کام اس نے اپنے اوپر عملی طور پر لازم کر لیا ہے پس مراد حضور کی یہ ہے کہ کثرت سے روزے رکھو اور مشاہدہ ہے کہ قوت بہیمیہ کے انکسار کے لئے جو کہ حاصل ہے علاج کا تھوڑے روزے کافی نہیں بلکہ کثرت صوم پر یہ اثر مرتب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ شروع رمضان میں ضعف نہیں ہوتا اور آخر رمضان میں ضعف ہو جاتا ہے اس کے بعد وہ شخص سائل تو چلا گیا مگر وہ مجتہد صاحب پھر کچھ نہیں بولے بلکہ آخر تک خاموش ہی رہے ان ہی غریب کا امتحان ہو گیا۔

یکم رمضان المبارک ۱۳۶۰ھ مجلس بعد ظہر

(ملفوظ ۲۶۷) ضبط ملفوظات میں ضرورت اختصار

ایک صاحب نے حضرت والا کے بعض ارشاد فرمودہ ملفوظات ضبط کر کے بغرض ملاحظہ پیش کئے ان کو ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ ضبط ملفوظات کے اندر جہاں تک ہو سکے اختصار چاہئے وعظ میں تو تطویل کھپ جاتی ہے کیونکہ اس میں ترغیب و ترہیب ہوتی ہے مگر ملفوظات کے اندر چونکہ زیادہ مقصود محض نفس مسائل کی تحقیق ہوتی ہے اس لئے اس کے اندر تطویل کرنے سے گو مضمون کی مقدار بڑھ جاتی ہے مگر اس کا وزن اور اثر کم ہو جاتا ہے۔

۲ ر رمضان المبارک ۶۰ھ مجلس بعد ظہر

(ملفوظ ۲۶۸) عیسائیوں کا قدیم مذاق

فرمایا آج ایک لطیفہ سمجھ میں آیا وہ یہ کہ آج کل جو یہ محاورہ ہے کہ کیا میں فلاں کام کر سکتا ہوں فلاں جگہ جا سکتا ہوں اور مقصود اس جملہ سے اس فعل کے متعلق اپنی قدرت اور استطاعت کا سوال نہیں ہوتا بلکہ خود اس فعل کے وقوع کی درخواست مقصود ہوتی ہے تو مجھ کو یہ خیال ہوا کہ کیا ایسا محاورہ کبھی پہلے بھی تھا تو فوراً ذہن میں یہ آیت آئی اِذْقَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ یہ ایک آیت ہے ساتویں پارہ میں اس کے اندر حق تعالیٰ نے حوارئین کا ایک قول نقل فرمایا ہے جو انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا یعنی جب حوارئین نے یہ چاہا کہ ہم پر مائدہ کا نزول ہو تو بجائے اس کے کہ یوں کہتے کہ ہم نزول مائدہ کی درخواست کرتے ہیں یوں کہا کہ کیا آپ کا رب ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر مائدہ نازل فرمائے پس معلوم ہوا کہ یہ عیسائیوں کا قدیم مذاق ہے اور ان کا ایک بہت پرانا محاورہ ہے اور اب تو اس میں بددینوں کا تشبہ ہے اس لئے میں خواص کے لئے ایسے محاورات کا استعمال بلا ضرورت بہتر نہیں سمجھتا۔

۵ ر رمضان المبارک ۶۰ھ بعد ظہر

(ملفوظ ۲۶۹) حضرت شیخ سعدی مرحوم کے ایک مشہور شعر کا مفہوم

ایک بار ایک تقریر کے دوران میں حضرت والا نے شیخ سعدی کا یہ شعر پڑھا ؎

راہ راست برو اگرچہ دور ست
زن بیوہ مکن اگرچہ حور ست

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس شعر کے اندر دو شبہے ہیں ایک شبہ تو پہلے مصرع میں ہے وہ یہ کہ فن اقلیدس کا مسئلہ ہے کہ اگر دو لفظوں کے درمیان چند خطوط واصل ہوں تو ان میں جو خط مستقیم ہو گا وہ سب سے اقصر ہو گا تو اس قاعدہ کی رو سے راہ راست کا اقصر اور قریب ہونا ضروری ہوا پھر شیخ مستقیم کو دور فرما رہے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لفظ راست اقلیدس کی اصطلاح کا مستقیم نہیں بلکہ یہاں راست کے معنے بے خطر کے ہیں تو مطلب شیخ کا یہ ہے کہ جو راستہ بے خطر ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے اگرچہ وہ طویل ہی کیوں نہ ہو۔

اور دوسرا شبہ دوسرے مصرعہ میں ہے اور وہ یہ ہے کہ زن کو عام طور پر باضافتہ پڑھتے ہیں تو اس پر یہ شبہ ہو گا کہ شریعت میں بعض صورتوں میں نکاح بیوگان کی فضیلت آئی ہے تو پھر شیخ سعدی اس کو مطلقاً کیوں منع فرماتے ہیں حتی کہ بعض لوگوں نے مجبور ہو کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ نسخہ ہی غلط ہے اور بجائے لفظ بیوہ کے قحبہ ہے جس کے معنے فاحشہ کے ہیں حالانکہ اس دعوی کی بھی کوئی دلیل نہیں ہے پھر یہ کہ اگر اس کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تو زن کو باضافت پڑھنے سے تقطیع بھی ٹھیک نہیں رہتی لہذا صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں زن مضاف نہیں بلکہ مفعول ثانی ہے فعل مکن کا اور علامت مفعول محذوف ہے اور ایسا حذف کلام فارسی میں بیشتر واقع ہے پس تقدیر عبارت یہ ہے کہ زن را بیوہ مکن الخ یعنی عورت کو بیوہ مت کر اگرچہ وہ عورت حسن میں حور ہی جیسی کیوں نہ ہو یعنی اس کے شوہر کو قتل مت کر اس جواب سے اعتراض بھی رفع ہو گیا اور تقطیع بھی درست رہی اور اب اس شعر کے کسی مصرع پر کوئی اشکال نہیں رہا۔